ماہنامہ
حنا
دسمبر 2014
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

انٹرویو

ناولٹ

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

افسانے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، ماھنامہ حنا پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

مستقل سلسلے

قارئین کرام! دسمبر 2014ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

تھر کی زمین ایک بار پھر قحط کے عفریت کی گرفت میں ہے۔ روزانہ غذائی قلت، بھوک اور بیماری سے ننھے منے پھول مرجھا رہے ہیں۔ بھوک سے مرتے یہ بچے اس ترقی کے منہ پر ایک طمانچہ ہیں۔ جس کا تذکرہ سرکاری طور پر کیا جا رہا ہے۔ ایک طرف حکومت سندھ کی جانب سے ثقافتی تقریبات پر کروڑوں روپے خرچ کیے جا رہے ہیں اور دوسری طرف تھر کے بھوکے لوگوں تک گندم کی بوریاں بروقت نہیں پہنچائی جا رہیں۔ جو پہنچائی گئیں ہیں ان میں بھی خراب گندم بھری ہوئی ہے یا گندم کی جگہ مٹی نکلتی ہے۔ یہ ہمارے ہاں ہی ممکن ہے کہ عوام کی زندگی کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہوئے سرکاری کام میں ایسی بددیانتی کی جائے اور کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ بلکہ جو فوڈ انسپکٹر اس کی نشاندہی کرے اسے بجائے شاباش دینے کے معطل کر دیا جائے۔ ایسا لگتا ہے کہ وزیراعلیٰ سندھ سے لے کر متعلقہ ضلعی افسران تک سب احساس ذمہ داری اور احساس انسانیت سے عاری ہو چکے ہیں۔ تھر میں بھوک سے مرتی ہوئی انسانی جانیں اور جانور ایک ناقابل بیان المیہ ہے مگر میڈیا میں اس کی بازگشت اس شدت سے سنائی نہیں دے رہی۔ شاید اس لئے کہ اس سانحے کا ذکر کر کے وہ اپنی ریٹنگ میں اضافہ نہیں کر سکتے یا اس لئے کہ ملک کے اس دور دراز حصے میں رہنے والے نہیں جانتے کہ سول سوسائٹی کو اپنے حق میں کیسے متحرک کیا جاتا ہے اور احتجاج کر کے کیسے میڈیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی جاتی ہے۔

اس شمارے میں:۔ ایک دن حنا کے ساتھ میں اُم مریم اپنے شب و روز کے ساتھ، فرحین اظفر اور سباس گل کے مکمل ناول، فرحت شوکت کا ناولٹ، حنا اصغر، روستانے عبدالقیوم، فرح طاہر، مبشرہ ناز، معصومہ منصور، سیمیں کرن اور صبا جاوید کے افسانے، اُم مریم اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

الٰہی سلسلہ ایسا زمیں تا آسماں کر دے
پڑھوں جب حمد تو ہر اک سخن اس کا اذاں کر دے

یہ کب خواہش ہے دل سے دور تو بے تابیاں کر دے
بس اپنی یاد میں گم کر کے مجھ کو بے نشاں کر دے

زبان حمد میں دل کھول کر تجھ سے کروں باتیں
مرے الفاظ و معنی کو عطا حسن بیاں کر دے

میں سوچوں بھی بجز تیرے کسی کے ذکر کا جس دم
مرے معبود تو مجھ کو اسی پل بے زباں کر دے

دل عابد کی ہر دھڑکن عبادت ہی کرے تری
خدایا تو مری اس آرزو کو جاوداں کر دے

عابد شاہ جہاں پوری

نعت رسول مقبول ﷺ

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقش کف پا تیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

اک بار اور بھی طیبہ سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجد اقصیٰ تیرا

اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

احمد ندیم قاسمی

حقوق ہمسایہ

اسلامی معاشرت میں ہمسایہ کے حقوق پر جس قدر زور دیا گیا ہے اس کا اندازہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت سے بخوبی ہو جاتا ہے جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جرائیل علیہ السلام مجھے ہمسائے (کے حقوق) کے بارے میں (اس قدر) برابر وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ خیال ہوا کہ وہ اسے (ترکہ کا) وارث بھی بنا دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں جس قدر قرب ہمسائے کو ہوتا ہے اگر اس کو اس قدر حقوق نہ دیے جاتے تو معاشرے میں واضح انتشار پیدا ہو جاتا، ذرا تصور کریں اگر ہمسایہ بدباطن ہو، دشمن ہو، لڑائی جھگڑے پہ ہر وقت مصر ہو، دوسروں کے مال، آرام اور سکون کا دشمن ہو تو بھلا ایسے ماحول میں گزر بسر کرنا ممکن ہو سکتا ہے؟ بالکل نہیں، ایسا ماحول تو جہنم کدہ ہی ہو سکتا ہے، اسلام جس معاشرت کا داعی ہے، اس میں ہمسایہ دشمن نہیں ہوگا جان و مال کا دشمن نہیں بلکہ صحیح معنوں میں محافظ ہوگا، امیر و غریب کی تفریق نہیں ہوگی بلکہ سب بہن بھائی ہوں گے، اس کی شہادت قرآن و حدیث کے ان احکامات سے ہوتی ہے۔

خدا اور آخرت پر ایمان

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دونوں کانوں نے (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا) یہ فرمان سنا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے تو میری دونوں آنکھیں انہیں دیکھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے ہمسائے کی عزت و تکریم کرے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو کوئی خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات بولے یا پھر خاموش رہے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ہمسائے کی خبر گیری

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اے ابو ذر! جب تو شوربا پکائے تو اس میں پانی زیادہ رکھ اور اپنے ہمسائے کی خبر گیری کر۔" (یعنی انہیں سالن میں سے تحفہ بھیج) (صحیح مسلم)

تحفہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

"اے مسلمان عورتو! کوئی ہمسائی کسی ہمسائی کے لئے (تحفے کو) حقیر نہ سمجھے چاہے (وہ تحفہ) بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔" (صحیح بخاری)

قریبی ہمسایہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دو ہمسائے ہیں تو میں ان میں سے کسے تحفہ بھیجوں، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو۔" (صحیح بخاری)

مومن نہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہوتا ہے۔" (شعیب الایمان للبیہقی)

بہترین دوست

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"اللہ کے ہاں بہترین دوست وہ لوگ ہیں جو اپنے دوستوں کے لئے بہترین ہیں اور اللہ کے ہاں بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایوں کے لئے بہترین ہے۔" (ترمذی شریف)

ہمسائے کا حق

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمسائے کا حق یہ ہے کہ:۔

- ☆ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔
- ☆ اگر وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔
- ☆ اگر وہ تجھ سے قرض مانگے تو تو اسے (بشرط استطاعت) قرض دے۔
- ☆ اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو تو اس کی پردہ پوشی کرے۔
- ☆ اگر اسے کوئی نعمت ملے تو تو اسے مبارکباد دے۔
- ☆ اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو تو اس طرح بلند نہ کرے کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے۔
- ☆ تو اپنی ہنڈیا کی مہک سے اسے اذیت نہ دے، الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اسے بھی بھیج دے۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

یتیموں کے حقوق

وہ کمسن بچہ جو باپ کے سایہ رحمت و عاطفت سے محروم ہو جائے اسے یتیم کہا جاتا ہے، اسلامی معاشرت میں ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اس یتیم بچے کو آغوش محبت میں لے لے، اسے پیار کرے، اس کی خدمت کرے، اس کو تعلیم دلائے، اس کے متروکہ مال و اسباب کی حفاظت کرے اور جب وہ عقل و شعور کو پہنچ جائے تو پوری دیانت داری سے اس کی امانت اسے پوری کی پوری واپس کر دی جائے، اس کی شادی اور خانہ آبادی کا اہتمام کیا جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

"اور بہتری کی غرض کے سوا یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی طاقت کی عمر کو پہنچ جائیں۔" (انعام:19)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔
''اور یہ کہ یتیموں کے لئے انصاف پر قائم رہو۔'' (النساء:۱۹)
یتیموں کے مال میں اسراف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔
ارشاد خداوندی ہے۔
''اور اترا کر اور جلدی کر کے ان کا مال نہ کھا جاؤ کہ کہیں یہ بڑے نہ ہو جائیں۔'' (النساء:۱)
دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔
''اور جو (متولی) بے نیاز ہے اس کو چاہیے کہ بچتا رہے اور جو محتاج ہے تو منصفانہ طور پر دستور کے مطابق کھائے۔'' (النساء:۱)
یتیم بچوں کے مال کو بددیانتی اور اسراف سے خرچ کرنے کی جہاں تنبیہ کی گئی ہے وہاں یہ بھی ہدایت ہے کہ نابالغ یتیم بچوں کے سپرد ان کا مال نہ کرو، جب وہ سن رشد کو پہنچ جائیں تو پھر ان کی عقل کو دیکھ بھال کر ان کی امانت ان کے سپرد کریں، ارشاد خداوندی ہے۔
''اور بے وقوفوں کو اپنے مال جس کو خدا نے تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے نہ پکڑا دو اور ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہو اور یتیموں کو جانچتے رہو، جب وہ نکاح کی (طبعی) عمر کو پہنچیں تو ان میں سے اگر ہوشیار دیکھو تو ان کے حوالے کر دو۔'' (النساء:۱)
یتیم کی عزت نہ کرنے والے اور اس کی بھوک پیاس کا احساس نہ کرنے والے کے بارے میں قرآن مجید کے اندر متعدد مقامات پر تنبیہ کی گئی ہے۔
سورۃ الماعون میں ارشاد خداوندی ہے۔
''کیا تو نے اس کو نہیں دیکھا جو انصاف کو جھٹلاتا ہے، سو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔''

سورۃ الفجر میں ارشاد خداوندی ہے۔
''نہیں یہ بات نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے پر آمادہ کرتے ہو اور مرے ہوئے لوگوں کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور دنیا کے مال و دولت پر جی بھر کر ریجھے رہتے ہو۔'' (الفجر:۱)
مکی دور نزول قرآن میں یتیموں کی پرورش اور بے کس و نادار پر رحم و کرم کی دعوت متعدد آیات قرآنی میں دی گئی ہے، دولت مندوں کو غریبوں کے ساتھ فیاضی کی تلقین کے سلسلہ میں فرمایا گیا کہ انسانی زندگی کی گھاٹی کو پار کرنا اصل کامیابی ہے، اس گھاٹی کو کیونکر پار کیا جا سکتا ہے، ظلم و ستم کے گرفتاروں کی گردنوں کو چھڑانا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور یتیموں کی خدمت کرنا، سورۃ البلد میں ارشاد خداوندی ہے۔
''یا بھوک والے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا۔''
سورۃ الدھر میں ارشاد ہوا۔
''اور اس کی محبت کے ساتھ کھانا کسی غریب اور یتیم کو کھلاتے ہیں۔''
سورۃ الضحیٰ میں ارشاد فرمایا۔
''یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو۔''
''بنی اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔'' (البقرہ:۸۳)
سورۃ البقرہ ہی میں ایک اور ارشاد خداوندی ہے۔
''پوچھتے ہیں یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، کہو جس طرز عمل میں ان کے لئے بھلائی ہو، وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔'' (البقرہ:۲۲)

غرضیکہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کی تعلیمات میں یتیموں کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سخت احکامات دیے ہیں، ان احکامات کی روشنی میں ہم یتیموں کے حقوق کو بالا اختصار مندرجہ ذیل نکات کی شکل میں بیان کر سکتے ہیں۔

۱۔ یتیم بچے کا احترام و اکرام اور پیار و محبت اپنے بچوں سے بھی بڑھ کر کیا جائے تاکہ اسے اپنے باپ کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہو۔
۲۔ یتیم بچے کی پرورش اسی طرح کی جائے جس طرح اپنے بچوں کی کرتے ہیں۔
۳۔ یتیم بچے کی تعلیم و تربیت کا پورا پورا اہتمام کیا جائے اور اس پر اٹھنے والے اخراجات اگر یتیم بچے کے اپنے والدین کے ترکہ سے ادا کیے جا رہے ہیں تو انہیں عدل کے ساتھ کیا جائے۔
۴۔ یتیم بچے کی جائیداد اور مال کی حفاظت اور اس کی سرمایہ کاری کا اسی طرح اہتمام کیا جائے جس طرح کوئی شخص اپنی جائیداد کا کرتا ہے، انصاف کے ساتھ اسے اپنی محنت کا حق لینے کا حق حاصل ہے۔
۵۔ یتیم بچے کے مال کی اس وقت تک حفاظت کی جانی چاہیے جب تک بچہ سن بلوغت کو پہنچ کر اس جائیداد کو سنبھالنے کے لئے ضروری علمی و عقلی استعداد و کمال کا مالک نہ بن جائے۔
۶۔ خوش کلامی و خوش اخلاقی کے ساتھ یتیم کی مالی کفالت اور حاجت روائی معاشرے کے سارے افراد پر واجب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔
''مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جا رہی ہو اور سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔''
ایک اور جگہ ارشاد ہے۔
''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے۔'' (صحیح بخاری وصحیح مسلم)
۷۔ یتیم کے ساتھ معاشرتی عدل و احسان کا حکم ہے اور یہ سلسلہ ترحم اس وقت تک جاری رہنا چاہیے جب تک کہ ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک نہ کر دیا جائے، یتیم بچی کے ساتھ شادی کرنے اور اسے دبائے رکھنے کے ارادوں کو اسلام ناپسند کرتا ہے، اسلام کا حکم یہ ہے کہ یتیم بچی کے ساتھ انصاف نہ کر سکو تو اس کے ساتھ بالکل نکاح نہ کرو۔
۸۔ یتیم کی پرورش کے لئے مسلمانوں کے صدقات و خیرات کی رقم کا استعمال کیا جا سکتا ہے، پرورش سے مراد بچوں کے خورد و نوش، لباس اور تعلیم و تربیت کے اخراجات ہیں۔
۹۔ غریب و یتیم کو کھانا کھلانا نیکی ہے لیکن کبھی بھی اس نیکی کا احساس دلانا یا جتلانا ناجائز نہیں ہے۔
۱۰۔ یتیم کے ولی پر لازم ہے کہ وہ یتیم کے مال اور جائیداد کا مناسب انتظام کرے جس میں تجارت کے ذریعہ افزائش مال کا اہتمام کرے اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو پوری دیانت داری سے اس کا اصل مع منافع اس کو واپس کر دے۔
۱۱۔ یتیم بچوں کی پرورش و پرداخت کی نگرانی اور اس سلسلہ میں لوگوں کو ترغیب و تربیت دینے والا مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

۱۲۔ اسلامی معاشرہ میں یتیم کو لوگوں کے مالوں سے ان کے صدقات و خیرات کی رقم لینے کا حق حاصل ہے اور یہ ان پر کسی کا احسان نہیں بلکہ یہ مال دار لوگوں پر ان یتیم بچوں کا احسان ہے جو وہ مال لے کر اس کے مال میں مزید خیر و برکت کا سبب بنتے ہیں۔

۱۳ اگر یتیم بچوں کے وارث مال نہ چھوڑ کر مریں اور وہ غریب ہوں تو معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی اجتماعی کفالت کے لئے صحت مند اور نفع بخش باعزت روزگار فراہم کرے۔

۱۴ یتیم بچوں کا مال امانت ہے جو کوئی ان کے مال کا امین بنے گا اور پھر خیانت کا مرتکب ہو گا تو اسے شدید عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

۱۵ یتیموں میں بعض اس قسم کے لوگ ہوں گے جو کہ دست سوال دراز کرنے سے بوجہ شرافت گریز کرتے ہیں، اسلام میں ایسے لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا معاشرے کی ذمہ داری ہے، قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

۱۶۔ ''خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنے ذاتی کسب معاش کے لئے زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے، ان کی خود داری دیکھ کر واقف گمان کرتا ہے کہ یہ خوشحال ہیں، تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت جان سکتے ہو مگر وہ ایسے لوگ نہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر بھیک مانگیں، ان کی اعانت میں جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔'' (البقرہ: ۲۷۳)

محتاجوں کے حقوق

انسان ضروریات کا بندہ ہے، اس پر کبھی کبھی ایسا موقع ضرور آتا ہے کہ اس کو دوسروں کا دست نگر بننا پڑتا ہے، دوسروں سے مدد لینا پڑتی ہے، ایسے وقت میں انسانی معاشرہ کا یہ فرض ہے کہ وہ مصیبت کے وقت میں اپنے بھائی کی حاجت روائی کے لئے کوشش کرے، قرآن حکیم میں ایسے لوگوں کا دوسرے لوگوں کے مالوں پر حق مقرر ہے، ارشاد ربانی ہے۔

''جن کے مالوں میں مانگنے والوں اور محروم لوگوں کے لئے حق ہے۔'' (الذاریات: ۱)

مسافر دوران سفر لٹ جائے، کمائی یا کھیتی پر کوئی اچانک افتاد پڑ جائے، اچانک کسی حادثہ یا بیماری سے مستقل معذوری کی صورت بن جائے وغیرہ وغیرہ، غرض اس طرح کے کئی پہلوؤں میں ایک انسان مفلس، مجبور، محتاج اور ضرورت مند بن کر سوال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں ایسے سائل کو انکار کرنے سے منع فرمایا ہے، ارشاد خداوندی ہے۔

''اور تو سوال کرنے والے کو جھڑکا نہ کر۔'' (الضحیٰ)

اس طرح کوئی بھی ضرورت مند، مدد کا خواستگار، خواہ وہ جسمانی، مالی یا علمی مجبوری کے ہاتھوں سوال کرنے پر مجبور ہو گیا ہو تو وہ سائل ہے اور اس کو انکار کرنے یا جھڑکنے سے منع فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مدد کی ایک صورت یہ بھی بتائی ہے کہ آپ اس کی کسی دوسرے سے سفارش کر دیں تو یہ بھی کافی ہے،

ابن انشاء

''یہ میرے دوست ہیں، بہت شریف آدمی ہیں، آپ کی فرم میں جگہ مل سکے تو......''

''کس قسم کی جگہ؟''

''منشی رکھ لیجئے، جوشاندے کوٹنے چھاننے کا تجربہ رکھتے ہیں لہٰذا آپ کے ہاں میڈیکل افسر بھی ہو سکتے ہیں، علم نجوم میں دخل ہے، آپ کے اسٹاف کے ہاتھ دیکھ دیا کریں گے۔''

''کیا نام ہے؟''

''سید فصاحت حسین۔''

''والد کا نام؟''

''جے کے جنجوعہ چوہدری، جھنڈے خان جنجوعہ۔''

''کیا کرتے ہیں ان کے والد؟''

''جی ان کے والد زندہ ہوتے تو ان کو کام کرنے کی کیا ضرورت تھی، بچارے یتیم ہیں، ان کے والد تو ان کی پیدائش سے کئی سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔''

''والدہ؟''

''جی ان کا سایہ بھی ان کی پیدائش سے دو سال قبل ان کے سر سے اٹھ گیا تھا۔''

''اور رشتہ دار تو ہوں گے؟''

''جی نہیں اور رشتہ دار بھی نہیں کیونکہ ان کے دادا لاولد مرے اور پردادا نے شادی نہیں کی تھی، یہ تنہا ہیں اس بھری دنیا میں۔''

''حال ہی میں سات سال کی طویل اقامت کے بعد جیل سے رہا ہوئے ہیں، وہ تو اب آ کر ان پر وقت پڑا ہے تو نوکری تلاش کر رہے ہیں ورنہ وہ پیسوں میں کھیلتے تھے۔''

''کیا کرتے تھے؟''

''بس دستکاری اپنے ہاتھ کی محنت کا کھاتے تھے، اپنے فن میں وہ دستگاہ بہم پہنچائی تھی کہ بڑے بڑے ان کے آگے کان پکڑتے تھے، وہ تو ان کا ایک شاگرد کچا نکل آیا، اوچھا ہاتھ پڑا اس کا، بٹوے میں سے کچھ نکلا بھی نہیں اور اس کی نشاندہی پر فصاحت صاحب مفت میں پکڑے گئے۔''

''ہمارے ہاں نوکری کے لئے چال چلن کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت پڑتی ہے۔''

''وہ ہم داروغہ جیل سے لے لیں گے، نیک چلنی کی بنا پر ان کو سال بھر کی چھوٹ بھی تو ملی تھی اس کا سرٹیفکیٹ بھی موجود ہے۔''

''تعلیم کہاں تک ہے؟''

''اجی تعلیم، یہ آج کل کے اسکولوں کالجوں میں جو پڑھایا جاتا ہے وہ تعلیم ہوتی ہے کیا؟ ہم نے بڑے بڑے میٹرک پاسوں اور ڈگریوں والوں کو دیکھا ہے گنوار کے گنوار رہتے ہیں۔''

''اچھا تو فصاحت صاحب! آپ عرضی لائے ہیں نوکری کے لئے؟''

''جی لایا ہوں یہ لیجئے۔''

''پڑھ کر سنایئے۔''

''جی عینک میں گھر بھول آیا ہوں۔''

''اچھا تو دیجئے، اس پر تو دستخط آپ نے کیے ہی نہیں اور یہ کیا سیاہی کا دھبہ ڈال دیا ہے درخواست کے نیچے۔''

”حضور یہ دھبہ نہیں ہے، میرا نشان انگشت ہے، دیکھیے نا بات دراصل میں یہ ہے......“

☆☆☆

”دیکھو میاں ہمیں خالص دودھ چاہیے ہو گا۔“

”جی خالص بالکل خاص ہو گا۔“

”اور صبح پانچ بجے دینا ہو گا۔“

”جی پانچ بجے کیسے ہو سکتا ہے کمیٹی کے نل تو چھ بجے کھلتے ہیں۔“

”کتنی بھینسیں ہیں تمہاری؟“

”جی بھینسیں، کیسی بھینسیں؟“

”ہاں ہاں میں بھول گیا تھا کہ تم گوالے ہو۔“

”جی ملتان میں برسوں گوشت ہی بیچتا رہا، پھر اخبار والے پیچھے پڑ گئے تو یہاں چلا آیا۔“

”یہاں کام کیوں نہیں کیا؟“

”جی یہاں جانور پکڑنے کا ٹھیکہ کارپوریشن والوں نے کسی اور کو دے دیا ہے۔“

”تو گویا اب تمہارا صرف دودھ بیچنے پر گزارا ہے؟“

”جی نہیں، گھی کی دکان بھی کر رکھی ہے، آپ کو چاہیے تو رعایت سے دوں گا، گھر کی سی بات ہے۔“

”وہ بھی خالص ہے نا؟“

”خالص سا خالص؟ ایسا خالص تو گائے بھینس کے دودھ سے بھی نہ بنتا ہو گا، اسے چکنا کرنے کے لئے ہم ولائتی گریس ڈالتے ہیں، یہاں کا دیسی مال نہیں ڈالتے، پھر جسم میں تیزی طراری اور چستی پیدا کرنے کے لئے اس میں موبل آئل بھی ملاتے ہیں جو بازار میں کوئی دوسرا دکاندار نہیں ملاتا، یہی تو وجہ ہے کہ ہمارے خریدار ہمیشہ فراٹے بھرتے چلتے ہیں بلکہ دوڑ کے مقابلوں میں اول آتے ہیں۔“

☆☆☆

”فیض صاحب آج کل کیا کر رہے ہیں؟“

”کچھ نہیں بس شاعری کر رہے ہیں۔“

”شاعری؟ بہت دن سے ان کی کوئی چیز نظر سے نہیں گزری، حالانکہ میں ریڈیو کا کمرشل پروگرام باقاعدگی سے سنتا ہوں۔“

”انہوں نے فی الحال بناسپتی گھی اور صابن کے متعلق کچھ کہنا شروع نہیں کیا۔“

”کوئی تازہ مجموعہ آ رہا ہے ان کا؟“

”دست تہ سنگ۔“

”اس کے بعد کا پوچھ رہا ہوں، وہ تو دیکھا ہے۔“

”اس کے بعد کا تیار ہے فقط نام کی وجہ سے دیر ہو رہی ہے۔“

”نام؟ نام میں کیا دھرا ہے؟“

”فیض صاحب کو ایسا نام چاہیے جو دست سے شروع ہوتا ہو جیسے دست صبا، دست تہ سنگ۔“

”میں عرض کروں ایک نام؟ اگر آپ فیض صاحب تک پہنچا دیں تو۔“

”ہاں ہاں ضرور فرمایئے، لیکن ان کی شاعری سے مناسبت رکھنے والا ہو، دست سے شروع ہونے والوں میں

دست پناہ کیسا رہے گا؟“

”دست پناہ؟“

”جی ہاں اسے مختصر کر کے دسپنا بھی کہتے ہیں، دیکھیے کیا مناسبت ڈھونڈی ہے، فیض صاحب کی شاعری آگ ہے آگ۔“

”سچ ہے، بلکہ انگارہ کہیے، فیض صاحب تک یہ نام پہنچا دوں گا، امید ہے کہ سن کر خوش ہوں گے۔“

☆☆☆

قاری کا مصنف سے دلی و جذباتی تعلق ہوتا ہے، ایسا تعلق جوان کے دلوں کو جکڑے رکھتا ہے، ہماری قارئین بھی مصنفین سے ایسی ہی دلی وابستگی رکھتی ہیں اور وہ مصنفین کے بارے میں جاننا چاہتی ہیں کہ ان کی ذاتی زندگی، خیالات، احساسات وہ جاننا چاہتی ہیں کہ کیا مصنفین بھی عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں یا ان کے شب و روز میں کچھ انوکھا ہے ہم نے قارئین کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک سلسلہ شروع کیا ہے ”ایک دن حنا کے نام“ جس میں ہر ماہ ایک مصنف اپنے ایک دن کا احوال لکھیں گی کہ صبح آنکھ کھلنے سے لے کر رات نیند کو خوش آمدید کہنے تک وہ کون کون سی مصروفیات ہے لکھنے کے علاوہ جو وہ انجام دیتی ہے، امید ہے آپ کو یہ سلسلہ پسند آئے گا۔

فوزیہ شفیق

بہت مشکل کام جو ہوتے ہیں انہیں سر انجام دینا ہمیشہ مجھ جیسی لڑکی کو گریزاں کر دیا کرتا تھا، کتنی بار ہمت کی پھر ہار دی، پھر حوصلہ کیا پھر کامیابی نہ ہوئی، اب...... یہ سوچ کر قلم اٹھا لیا ہے جو جیسا لکھا گیا، لکھ ہی دوں گی، چاہے میرے ڈیئر ریڈرز کو پسند نہ آئے۔

میری صبح کا آغاز الحمدللہ جلدی ہو جاتا ہے، فجر کی نماز کے بعد گرمیوں میں سونا میرا معمول ہے، سچ پوچھیں تو آنکھیں ہی نہیں کھلتیں، تو کیسے جاگوں۔

اس کے بعد آٹھ نو بجے کبھی دس گیارہ بھی بج جاتے ہیں اٹھتے، پھر فریش ہونے کے بعد امی کے پاس آ جاتی ہوں، ٹی وی چل رہا ہوتا ہے، جس پہ کوئی مارننگ شو یا ڈرامہ دیکھتے اگر امی نے ناشتہ نہ کیا ہو تو ان کے ساتھ ناشتہ کرتی ہوں اس کے بعد اپنا چھوٹا موٹا جو کام ہو کر لیا کرتی ہوں، ورنہ تو زیادہ تر فیس بک آن کرتی ہوں، گھر کی صفائیاں اور دیگر کام تو میری چھوٹی بہنوں کی ذمہ داری ہوتی ہے، اس کے بعد دوپہر کے کھانے کی تیاری میں لگ جاتے ہیں، آدھا دن اس کام میں

گزر جاتا ہے، کھانے کے بعد اگر دل کرے تو ذرا آرام کر لیا، ورنہ پھر کچھ پڑھ لیا، یا ٹی وی دیکھ لیا، (خاصی لکی ہوں ناں میں)

شام کے کاموں کی ذمہ داری میری ہوتی ہے، برتن دھونا، آٹا گوندھنا، کبھی کبھی روٹی پکانا بھی، امی کو چائے بھی میں بنا کے دیتی ہوں، سب کو میرے ہاتھ کی چائے بہت پسند ہے جبھی چائے پینے کے لئے ہمیشہ مجھے آواز پڑے گی، چاہے میں لکھ کیوں نہ رہی ہوں۔

چھوٹے موٹے کاموں کا یہ سلسلہ رات گیارہ بجے تک چلتا ہے، یہاں تک کہ بابا آ جاتے ہیں، انہیں کھانا دینا چائے بنا کے پیش کرنا بھی میرا کام ہے جسے ہرگز میری ذمہ داری یا ڈیوٹی نہ سمجھا جائے، امی کے ساتھ ساتھ بابا جان کی خدمت میری خواہش ہے، اللہ کا احسان ہے کہ اللہ نے اس کی توفیق بخشی ہے کہ تھوڑا بہت ان کا حق ادا کرتی ہوں امی کے پیر دبانا ان کے چھوٹے موٹے کام سر انجام دینا مجھے ہمیشہ روحانی تسکین سے ہمکنار کرتا ہے، (دعا ہے رب کریم ہمیشہ مجھے اس سعادت سے سرفراز فرمائے رکھے آمین) رات کو جب میں بستر پہ جاتی ہوں تو کچھ دیر سیاہ آسمان کو دیکھنا اور خالی ذہن کے ساتھ کچھ نہ سوچنا سوچنا مجھے مرغوب ہے خاص کر اپنے ناولز کے کرداروں کے ساتھ وقت گزارنا ہوتا ہے تب مجھے، مکمل سکون کے ساتھ، ایسے میں وقت رک سا جاتا ہے، یا بہت تیزی سے گزرتا ہے مجھے اندازہ نہیں ہو پاتا، ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے اپنے کرداروں سے باتیں کرنا پسند ہے۔

اس کے بعد میں دعا مانگتی ہوں، اپنی امی کے لئے بالخصوص بابا جان کے لئے بہنوں کے لئے سب کے لئے، مجھے ہمیشہ امی کے لئے بابا کے لئے دعائیں مانگنا سکون دیتا ہے، آپ سے بھی گزارش ہے ان کی صحت تندرستی اور ہمارے سروں پہ سلامتی کی دعا کیجئے گا آمین۔

یہ تو عام دنوں کی روداد ہے، جب مجھے لکھنا ہوتا ہے ان دنوں میں گویا خود سے بھی بچھڑ جاتی ہوں، میرے کردار میرے اعصاب پہ سوار ہو جاتے ہیں (ایسا صرف سلسلے وار ناولز لکھتے ہوتا ہے) میں کہانی کو بہت کم سوچتی ہوں، میں کہانی کو زیادہ اہمیت بھی نہیں دیتی، ہاں کرداروں کو ضرور دیتی ہوں، میں اک اک ڈائیلاگ نہیں سوچتی، میں بس کہانی کے پلاٹ کو سوچ کر لکھنا شروع کر دیتی ہوں، شاید جبھی اتنی جلدی لکھ لیتی ہوں۔

جب لکھتی ہوں تو پھر مجھے کھانا پینا مجھے بھول جاتا ہے، چائے کے بھاپ اڑاتے مگ ہوتے ہیں اور میں، نو دس بجے سے رات دس گیارہ تک لکھنا معمول ہے میرا، بیچ میں تب تب اٹھتی ہوں جب امی ڈانٹ کر احساس دلاتیں ہیں کہ مجھے اپنا بیاہ نہیں تو تھوڑا خیال ضرور کرنا چاہیے، اللہ پاک ان کی یہ محبتیں یہ ڈانٹ ہمیشہ میرے لئے سلامت رکھے آمین۔

بس یہی ہے میرے ایک دن کی روداد۔

☆☆☆

سینتیسویں قسط خلاصہ

مسز آفریدی کو جہان کے نکاح کی خبر مشتعل کر دیتی ہے، شاہ ہاؤس میں آ کر وہ اچھا خاصا واویلا مچا کر ژالے کو ساتھ لے جانے پہ مصر ہوتی ہیں، مگر ژالے ان کی بجائے جہان کی طرف داری کر کے اپنی محبت اور وفا کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

آفس جاتے ہوئے معاذ کو نامعلوم افراد اغواء کر لیتے ہیں، یہ خبر پرنیاں کے ساتھ شاہ ہاؤس کے مکینوں پر بجلی بن کر گرنے والی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

جیسے جیسے گاڑی آگے بڑھتی جارہی تھی، اس کا دل اسی تیزی سے ڈوبتا جارہا تھا، چادر میں سر تا پا خود کو چھپائے وہ بار بار بیگ میں موجود ریوالور کو چھو کر اپنے آپ کو مضبوط بنارہی تھی، ٹیکسی اس کی مطلوبہ جگہ ہوٹل کے آگے جا کر رک گئی، زینب نے باہر نکل کر کرایہ ادا کیا تھا اور ٹریفک کے اژدھام سے بوجھل سڑک کے دوسری جانب موجود ہوٹل کو سر اٹھا کر دیکھا، جس کے ایک کمرے میں تیمور اس کا منتظر تھا، اس کے دل میں خوف دکھ اور گھٹن کا ایک گہرا احساس اترنے لگا، بیگ کا اسٹریپ کاندھے پہ ڈالتے ہوا کے جھونکے کی شرارت کے باعث چادر کا کونہ اس کے چہرے سے ہٹ گیا تھا، جسے اگلے لمحے اس نے پھر سیٹ کر لیا، مگر یہاں پولیس اسٹیشن سے واپس آتا سگنل پہ گاڑی روکے ہوئے جہان کی یونہی اتفاقاً نگاہ عین اسی پل اس پہ اٹھی تھی، ٹیکسی سے نکلتی اس لڑکی پہ اسے زینب کا محض گمان گزرا تھا مگر چہرے سے اسی پل ڈھلک جانے والی چادر نے جہان کو حیرت و غیر یقینی کے احساس نے منجمد کر ڈالا تھا، اسے قطعی سمجھ نہیں آرہی تھی اگر وہ یہاں ایسے موجود تھی تو اس کے پیچھے وجہ کیا ہو سکتی تھی، وہ اپنی جگہ سے حرکت کرنے کے بھی گویا قابل نہیں رہا، مگر زینب اس کی موجودگی اس کی کیفیات سے بے خبر اپنے دھیان میں آگے بڑھ گئی تھی، اس کے رخ ہوٹل کی عمارت کی جانب تھا اور اٹھتے قدموں میں گھبراہٹ ولڑکھڑاہٹ بہت واضح...... جہان کے دماغ میں جیسے یکبارگی کچھ کلک ہوا تھا، اگلے لمحے وہ گاڑی یونہی اسٹارٹ چھوڑ کر سرخ چہرے مشتعل انداز میں بنا کچھ مزید سوچے سمجھے اس کے پیچھے بھاگا تھا، اس کے ذہن کے گوشے میں بج اٹھنے والی گھنٹی بہت تیز اور خطرناک سمت کی جانب اشارہ کرتی تھی، زینب کو اس نے ہوٹل کے داخلی دروازے پہ جالیا تھا۔

''کیا کرنے آئی ہو تم یہاں پہ زینب......؟'' اس کا راستہ اچانک روک کر وہ اتنے خطرناک تاثرات کے ساتھ استفسار کر رہا تھا کہ زینب جو اس کی غیر متوقع آمد پہ ہی شاکڈ ہو گئی تھی اس سوال پہ جیسے خوف کی شدت کے باعث باقاعدہ لرزنے لگی، رنگ بالکل فق ہو گیا تھا، دھڑکنیں خطرناک حد تک تیز ہو گئیں، اس اچانک پڑنے والی افتاد نے اس کے حواس سلب کر لئے تھے، جہان نے شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتے اس کا بازو اپنی جارحانہ گرفت میں جکڑ کر ایک طرح سے اسے اپنے ساتھ گھسیٹا تب وہ ان تمام حساسات سے نکل کر گویا تڑپ اٹھنے کے انداز میں اس کی گرفت سے نکلنے کو مچل گئی تھی۔

''چھوڑیں مجھے بھی......! میں کہہ رہی ہوں مجھے چھوڑیں۔'' جہان کے چہرے کے خوفناک تناؤ سرد بر فیلی سنجیدگی، آن کی آن میں اتر آنے والے آنکھوں کے خون سے وہ جتنی بھی متوحش تھی وہ ایک طرف مگر یہ بھی طے تھا جو اسے کرنا تھا وہ ہر صورت کرنا تھا، تیمور اس وعدہ خلافی پہ طیش میں آ کر کچھ بھی معاذ کے ساتھ غلط کر سکتا تھا، جو اسے ہرگز ہرگز بھی گوارا نہیں تھا، انجام سے تو بے پرواہ ہو ہی گئی تھی وہ...... یہ تو اچانک ہونے والا جہان کا سامنا اسے گھبراہٹ و سراسیمگی سے دوچار کر گیا تھا، مگر یہ وقتی عارضی احساس تھا، ورنہ اس کے عزائم میں کوئی لچک نہیں تھی، جہان پہ مگر جیسے اس کی التجاء کا اثر ہوا تھا نہ ہی مزاحمت کا...... زینب کوئی پیش نہ چلتی پا کر غم و غصے سے پاگل ہونے لگی، اس مقام پہ آ کر وہ کیسے ہار جاتی جبکہ سب کچھ داؤ پہ بھی لگ چکا تھا، اعتماد پوزیشن، سب کچھ، اسے اور

کچھ نہ سوجھا تو ذرا سا جھکتے جہان کے ہاتھ پہ پوری قوت سے دانت گاڑھ دیئے تھے، جہان کی گرفت معمولی سی ڈھیلی ہو سکی تھی مگر اتنی نہیں کہ وہ خود کو چھڑا پاتی، البتہ اس کے قدم ضرور تھم گئے تھے، اگلے لمحے زمین آسمان زینب کی نگاہوں میں گھومنے لگے، جہان کے ہاتھ کا زناٹے دار تھپڑ اس کے حواس چھین کر لے گیا تھا، ماحول اور لوگوں کی پرواہ کیئے بغیر اگر وہ ایسا کر چکا تھا تو زینب ہی اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہنے دیا تھا، چادر میں لپٹی ہوئی لڑکی کو اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا خوبرو امیر کبیر نوجوان...... صرف یہی تماشا کم دل آویز نہیں تھا، بیچ شاہراہ کے جس سے راہ گیر محظوظ ہو سکتے تھے کہ اس پہ عورت پہ اٹھنے والا مرد کا ہاتھ...... دلچسپی اور رنگینی کو گراں قدر بڑھا گیا، کئی تو اگلا قدم اٹھانا پلک جھپکنا بھی بھول گئے۔

''ہاتھ ہولا رکھ پتر! زنانی عورت کو اس طرح بازار میں تماشا نہیں بناتے۔'' ایک بزرگ نے نزدیک آ کر جہان کو تنبیہہ ضروری خیال کی تھی، جس پہ کان دھرے بغیر جہان نے ایک طرح سے زینب کو اٹھا کر ہی گاڑی کی سیٹ پہ پٹخا تھا اور دروازہ لاکڈ کر دیا، وہ سر تا پا شعلوں میں گھرا ہوا تھا جیسے۔

''کس سے ملنے آئی تھیں تم یہاں......؟ جواب دو مجھے......؟'' جہان اپنی جگہ پہ آ کر بیٹھا تو دھماکے سے دروازہ بند کرتے ہوئے اس خون آلود نظروں سے دیکھا، جو حواس باختہ تھی اور شدتوں سے روتی تھی، اس سوال پہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے بلکہ گھورنے لگی۔

''تیمور سے ملنے...... اور میں اس سے ملے بغیر ہرگز نہیں جاؤں گی، دروازہ کھولو۔'' وہ خود کو سنبھال کر آنسو پونچھتے حلق کے بل چیخی مگر اس وقت اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا، جب ایک بار پھر جہان کا اس پہ ہاتھ اٹھا تھا۔

''اف...... تم جیسی ہی بد بخت عورتیں ہوا کرتی ہیں جنہیں غیرت کے نام پہ قتل کرنا ناگزیر ہو جایا کرتا ہے، تمہارا یہ روپ اتنا گھناؤنا ہے کہ نفرت ہو رہی ہے مجھے اس وقت تم سے۔'' زینب کی جانب سے وحشائی کے مظاہرے نے جہان کو صحیح معنوں میں پاگل کر ڈالا تھا، اس کی آنکھوں سے لہو ٹپکنے لگا تھا تو چہرے پہ اتنی نفرت سمٹ آئی تھی جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہ رہا تھا، شدید غیض و غضب کی جانب اشارہ کرتی پیشانی کی رگ ابھر آئی تھی، اس نے دانت سختی سے بھینچ رکھے تھے اور گاڑی فل اسپیڈ پہ چھوڑ دی تھی، زینب کو ہر لحاظ سے اپنے ہار جانے کا یقین ہوا تو وجود میں سے جان نکلتی محسوس کرتی بے دم انداز میں بیٹھی رہ گئی، بے بسی کے مظہر آنسو کتنی شدتوں سے بہتے رہے تھے۔

☆☆☆

پرنیاں کی حالت اور ذہنی کیفیت کے پیش نظر زیاد نے اسے نیند کی دوا دے کر سلانے کی تاکید کی تھی، ژالے نے دودھ میں یہ دوا حل کر کے بڑی مشکلوں سے پرنیاں کو پینے پہ مجبور کیا تھا، چند لمحوں میں ہی پرنیاں پہ غنودگی اور پھر مکمل غفلت طاری ہوتی چلی گئی تھی، عدن بھی سو رہا تھا، ژالے نے دونوں پہ کمبل درست کیا اور کمرے سے باہر آ گئی، مما کے کمرے میں جھانکا، وہ جائے نماز پہ بیٹھی نظر آئیں، ہاتھ دعا کے انداز میں پھیلے ہوئے تھے اور آنکھیں تسلسل سے آنسو لٹا رہی

تھیں، ژالے کا بوجھل دل مزید بھاری ہونے لگا، آہستہ روی سے چلتی وہ اپنے کمرے میں آئی اور بیڈ پہ سوئی فاطمہ کے پاس آ کر اس کے نرم سلکی بال سہلانے لگی، اسی پل اس کا کچھ فاصلے پہ دھرا فون گنگنا اٹھا تھا، نیم تاریک کمرے میں فون کی اسکرین کا مدھم اجالا پھیلنے لگا، جب تک اٹھ کر اس نے فون اٹھایا، بیل بند ہو چکی تھی، اس نے نمبر چیک کیا، مسز آفریدی اور نیلما کی لاتعداد مسڈ کالز تھیں، مسز آفریدی کو وہ کال بیک کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اسکرین پہ پھر نیلما کا نمبر جگمگانے لگا، ژالے نے اس کی کال ڈسکنیکٹ کی تھی اور مسز آفریدی کا نمبر ملایا۔

''آ گئی ماں کی یاد......؟ ابھی بھی کیا ضرورت تھی زحمت کی......؟ مر جاتیں تو صورت دیکھنے کا تکلف برتا ہوتا۔'' مسز آفریدی جانے کیوں بھری بیٹھی تھیں، چھوٹتے ہی شکوے شکایات کا دفتر کھول لیا، ژالے گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

''ممی پلیز! میں آل ریڈی بہت اپ سیٹ ہوں، مجھے اور پریشان نہ کریں براہ کرم!'' اس کے سرد مہری سے ٹوکنے پہ دوسری جانب مسز آفریدی طنزیہ ہنسی ہنسنے لگیں۔

''اچھا......؟ تو تم بھی پریشان ہو سکتی ہو......؟'' بات ایسی تھی جس نے ژالے کو ناگواری سے ہمکنار ہی کیا۔

''کیوں......؟ میں پریشانیوں سے مبرا کر دی گئی ہوں......؟'' اس کے حلق میں کڑواہٹ گھلنے لگی۔

''دوسروں کو پریشان کرنے والے خود پریشانیاں کہاں پالا کرتے ہیں۔'' مسز آفریدی کے لہجے میں واضح تلخی واضح تنفر تھا، ژالے کو خود پہ جبر کرنا محال لگنے لگا۔

''آپ کو ابھی بھی لگتا ہے ممی! کہ میں نے پریشان کیا ہے آپ کو......؟'' وہ جیسے تھک کر سوال کر رہی تھی۔

''اس میں کوئی شک نہیں ہے بیٹا! تم سے بڑی بھی کوئی بے وقوف ہو گی عورت بھلا......؟ اپنے ہی شوہر کو تقسیم کر کے بیٹھ گئیں۔'' وہ طنزیہ سرد انداز میں پھنکارنے لگیں، ژالے کو چہرے پہ زہر خند پھیلنے لگا۔

''اگر سمجھا جائے تو یہ بے اختیاری فعل بھی ہو سکتا ہے ممی! تقدیر کا فیصلہ بھی، جس کے سامنے انسان ازل سے بے بس رہا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہو، اگر آپ نے کسی سازش کے تحت یہ کام دھڑلے سے کر لیا تھا تو پھر میں تو مکافات عمل کے حصار میں ہوں، کیسے بچ سکتی تھی اس اذیت سے، آپ سمجھ لیں میں تو اپنے طور پہ آپ کے گناہ یا غلطی کی تلافی اور ازالے کی کوشش میں مصروف ہوں۔'' تمام تر تلخی کے باوجود وہ جیسے رو پڑی تھی، مسز آفریدی کو کہاں توقع تھی اس سے ایسے انداز میں آئینہ دکھلانے کی، وہ تو سنانے میں گھر گئی تھیں۔

''کیا بک رہی ہو ژالے! اندازہ نہیں ہے تمہیں شاید۔'' وہ حواسوں میں لوٹی تھیں تو زور سے غرائیں، ژالے کے ہونٹوں پہ شکستگی سے بھرپور مسکان اتر آئی۔

''آپ پریشان نہ ہوں ممی! جیسے آج تک اس معاملے میں میری زبان بند رہی ویسے ہی ہمیشہ بند رہے گی، اس وقت تو آپ کو کسی اور مقصد سے کال کی ہے۔'' وہ بولی تو اس کی آواز

بھراہٹ کا شکار تھی، مسز آفریدی کی ناگواری ہنوز قائم دائم رہی۔

''بولو......؟'' ان کا انداز واضح سرد پن لئے تھا۔

''معاذ بھائی آپ کی تحویل میں ہیں ممی! انہیں چھوڑ دیں، بس بہت ہو گئی ہے۔'' وہ کچھ ایسے یقین ایسی رکھائی سے بولی تھی کہ مسز آفریدی حق دق رہ گئیں۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے ژالے؟ اتنی بدگمان ہو گئی ہو مجھ سے کہ......'' اس الزام نے انہیں صحیح معنوں میں آپے سے باہر کر ڈالا تھا، دکھ الگ تھا۔

''بہت بڑی غلطی ہوئی مجھ سے جو تمہیں ان بدتہذیب اجڈ لوگوں میں بیاہ دیا، اتنے کینہ پرور یہ لوگ کہ تمہیں یوں میرے خلاف اکسانے لگ گئے ہیں؟ ہر وہ کام جو تمہارے گھر میں غلط یا خراب ہو گا، اس کی ذمہ داری مجھ پہ عائد ہو گئی اب؟'' وہ جیسے آتش فشاں لاوے کی مانند پھٹ پڑی تھیں لہجے سے بلبلاہٹ دکھ اور گہرا ملال بھی چھلک رہا تھا، ژالے تو ان کے یوں پھپھک اٹھنے پہ خود کنفیوژ ہو کر رہ گئی۔

''تو آپ......اس کا مطلب ہے...... یہ کام آپ نے نہیں کیا؟ مم......مگر اس دن آپ کہہ دھمکی دے کر گئی تھیں تو۔'' ژالے اتنی ہی پزل ہو گئی تھی کہ سپٹاہٹ میں بے ربط بے اوسان ہوئے گئی، مسز آفریدی نے متاسفانہ انداز میں گہرا طویل سانس کھینچا تھا۔

''شاباش ہے میری بچی! بہت خوب غیروں سے کیسا شکوہ جب اپنی اولاد ہی فرد جرم عائد کرنا شروع کر دے۔'' وہ جیسے روہانسی ہو گئی تھیں، ژالے کو حقیقتاً تاسف و ملال اور شرمندگی نے آن لیا، مسز آفریدی کا ہر انداز ہی ان کی بے گناہی کا ثبوت پیش کر رہا تھا، جو بھی تھا وہ کبھی اپنے کسی بھی جرم سے مکرتی نہیں تھیں، بلکہ اپنا کارنامہ فخر سے جتلانے کی عادی تھیں۔

''سوری مما! مجھے مس انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہے، آپ مائنڈ نہ کریں پلیز!'' اس نے منمنا کر کہا مگر مسز آفریدی کا غصہ کہاں تمام ہوا تھا، جبھی وہ اس کے گلے پڑنے لگیں۔

''مائنڈ تو تم نے ایسا کیا ہے کہ دل چاہ رہا ہے، واقعی ایسا کوئی کارنامہ انجام دے کر مزہ چکھ دوں شاہ دوں کو، انہیں بھی پتا چلنا چاہیے میری اپروچ کا اور بے وقوف لڑکی غصے میں کہی ہر بات پوری کرنے والی تھوڑی ہوتی ہے مگر تم......''

''آئی ایم ساری ممی! ایکسکیوز کر رہی ہوں ناں میں۔'' ژالے نے ایک بار نہیں بار بار ان سے معذرت کی اور بڑی مشکلوں سے ان کا موڈ بحال کر پائی تھی، ان کا فون بند ہونے پہ ژالے بے جان سی بیٹھ گئی، ایک امید تھی، جو پھر سے مایوسی میں ڈھل گئی تھی، اس کا دل گھبراہٹ کا شکار ہونے لگا، معاً اس کے فون پہ ایک بار پھر کال آنے لگی، اس نے ہڑبڑا کر فون سامنے کیا، اس مرتبہ پھر نیلما کی کال تھی، ژالے نے منقطع کرتے کرتے جانے کس جذبے کے تحت کال ریسیو کر لی۔

''جی......؟'' اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی خشک اور سرد ہوا، وہ بہت پہلے ہمیشہ کو نیلما سے خفا ہو گئی تھی، اسے نیلما سے دائمی شکایتیں تھیں۔

''کیسی ہو جان نیلم!'' وہ اس کی آواز سنتے ہی چہکی۔

''کیوں فون کیا ہے؟'' ژالے نے مخصوص قسم کے سرد پن سمیت سوال کیا تھا، جو صرف نیلما

کے لئے ہی مخصوص تھا، دوسری جانب گہرا سکوت چھا گیا، پھر وہ بولی تو لہجہ و انداز یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔

"ہنی...... میری جان! کبھی تو مجھ سے بھی اچھے طریقے سے بات کرلیا کرو، تمہیں تو اندازہ بھی نہیں ہوگا کہ مجھے برباد کرنے والوں میں نہ سہی مگر مجھے زندہ درگور کرنے والوں میں تمہارا نام بھی شامل ہوگیا ہے۔" نیلما کے لہجے و آواز میں ایسا کرب تھا جو براہ راست ژالے کے دل پہ حملہ آور ہوا تھا، یہ وار بہت شدید تھا، ژالے کے اعصاب شدید تناؤ سمیت لائے، اندر دور تک سناٹا پھیل گیا، وہ کچھ بولنے حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں رہی، بات جتنی بھی تلخ تھی مگر کیا شک کہ حقیقت سے بہت قریب تھی، اسے لگا یکلخت اس کے حلق میں کانٹے اگ آئے ہوں، خاموشی اور یہ سناٹا ہر سو بڑھنے لگا، بے پناہ اذیت کے ہمراہ یہاں تک کہ نیلما نے خود ہی اسے مخاطب کرلیا تھا۔

"ژالے! اک بات کہنی تھی، آخری خواہش سمجھ لو، اس کے بعد میں ملک سے باہر چلی جاؤں گی تو کبھی تم سے کچھ طلب نہیں کروں گی۔" اس کی خاموشی سے اپنے تئیں مایوس ہوکر وہ نئی انداز میں اگلی بات شروع کرچکی تھی، ژالے کے وجود کو خفیف سا جھٹکا لگا۔

"پاکستان سے ہمیشہ کے لئے چلی جائیں گی......؟" اس کی آواز بہت مدھم تھی، جیسے ڈوب رہی ہو۔

"ہاں...... ہمیشہ کے لئے، اٹلی میں شادی کررہی ہوں ناں، آؤ گی مجھ سے ملنے؟ اس نوجوان سے بھی ملواؤں گی تمہیں، مجھے پورا یقین ہے، وہ تمہارے دولہا سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے۔" اس کے لہجے میں انداز میں انوکھا سا فخر در آیا، ژالے نے محسوس کیا تھا اور گہرا سانس بھرا۔

"ہنی میں نے سنا ہے تمہاری شادی بھی شاہ فیملی میں ہوئی ہے، کتنا عجیب اتفاق ہے ناکہ وہ لڑکا بھی شاہوں کا ہی ہے، جسے میں نے اٹھوایا ہے۔" جوش مسرت میں اس کے منہ سے ایک فضول بات بھی نکل گئی تھی، جس پہ اس نے زبان دانتوں تلے دابی جبکہ ژالے اسی قدر چونکتی پوری جان سے ہل کررہ گئی تھی۔

"اٹھوایا ہے...... کیا مطلب؟" وہ مضطرب ہوتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، اس کا دل بہت خوف کے احساس سمیت تیز تیز دھڑکنے لگا، نیلما نے ابھی یہ بھی کہا تھا، اس لڑکے کا تعلق بھی شاہ فیملی سے ہے، اس کے اعصاب وحشت اضطراب اور تناؤ کا بیک وقت شکار ہورہے تھے، دوسری جانب نیلما کا وہ حساب کہ بتا کر پھنس گئی تھی، اب وہ بات پلٹنا چاہ رہی تھی مگر ژالے اسی ایک نقطے پہ اٹکی اس سے سب اگلوا لینے کے درپے اسی ایک بات کے پیچھے پڑی رہی تو نیلما کو مجمل انداز میں سہی مگر بتانا پڑا تھا۔

"ہاں ہنی...... دراصل وہ لڑکا کچھ پسند نہیں کرتا تھا مجھے...... بہت سوبر اور ڈیسنٹ ہے، میں تو اس کے بڑے بھائی یعنی کزن سے شادی کی خواہاں تھی مگر قسمت سے وہ ہاتھ لگ گیا، قدرت کو شاید یہی منظور تھا، جوڑے تو آسمانوں پہ بنتے ہیں ناں، سنا ہی ہوگا تم نے۔" خجالت سے تدبر کی جانب کا عنصر ابھی اس نے بہت تیزی سے طے کیا تھا، وہ کتنے مدبر انداز میں ہی اب اسے سمجھا رہی تھی، جبکہ ژالے کا رنگ اب فق ہونا شروع ہوچکا تھا، شک کی گنجائش ہی نہ رہی تھی گویا، اس

شرمناک صورتحال نے ژالے کا دماغ ماؤف کرنا شروع کردیا تھا۔

"آپ کہہ رہی ہیں، آپ ہمیشہ کے لیے جارہی ہیں تو پھر ملنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی میں، کہاں ملیں گی مجھ سے؟ اپنے گھر پہ ہی مل لیں، کسی ہوٹل میں شاہ یا شاہ کی فیملی میں مجھے کوئی دیکھ نہ لے، مجھے ڈر ہے۔" خود کو سنبھال کر ٹوٹتے اعصاب کو جوڑ کر حاضر دماغی کا ثبوت پیش کرنا اس وقت بہت کٹھن مرحلہ تھا، وہ اسی کٹھن مرحلے سے گزر رہی تھی، جو ہوا تھا جس انداز میں ہوا تھا، اس کے لئے راز داری شرط تھی، وہ کسی کو انوالو کیے بنا اپنی ایما پہ یہ سب کرنا چاہتی تھی، اسے کیا کرنا تھا، یہ اس کا ذہن سرعت سے سوچنے میں مشغول تھا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو ژالے! تم واقعی ملنے آؤ گی مجھ سے؟ اگر یہ ناممکن کام ممکن ہوا ہے تو مجھے اب پورا یقین ہو چلا ہے، معاذ بھی شادی پہ راضی ہوگا مجھ سے۔" وہ سرشار ہنسی ہنس رہی تھی، ژالے نے خود کو کانٹوں پہ برہنہ پا محسوس کیا تھا گویا، جبھی ہونٹ بھینچتے ہوئے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

"اس نوجوان کا پورا نام کیا ہے؟ جس سے شادی کرنا چاہتی ہیں آپ؟" وہ سینے میں گڑھی شک کی آخری کیل بھی کھینچ لینا چاہتی تھی، اس سوال کو کرتے اس کے لہجے میں مرتی ہوئی ژالے کی انا کرلا رہی تھی، عزت سسک رہی تھی، دھک دھک کرتے دل کے ساتھ شدت کی خواہش تھی کاش اس کا یہ پختہ یقین غلط ثابت ہو جائے، مگر لازم نہیں ہر دعا قبول ہو "معاذ حسن شاہ!" نیلما کی تصدیق نے اس کی آنکھ کی دہلیز پہ ٹھہرے کرب میں ڈوبے آنسوؤں نے ضبط کا دامن چھوڑ دیا، وجود کے ہر مسام سے پسینہ پھوٹ نکلا، فون اس کے ہاتھ کی گرفت سے چھوٹ کر نیچے جا گرا تھا۔

☆☆☆

لفظ ٹوٹے لب اظہار تک آتے آتے
مر گئے ہم تیرے معیار تک آتے آتے
ہم سمجھتے تھے کہ کچھ وقت لگے گا شاید
اک انکار کو اقرار تک آتے آتے
ہاتھ رکھنا پڑا سینے پہ ہمیں بھی آخر
دل کہاں رہتا ہے دلدار تک آتے آتے
اک لمحے کی مسافت بھی بڑی ہوتی ہے
ہم کو اک عمر لگی یار تک آتے آتے

نیلما نے اس کی بندشیں کھول دی تھیں، ان چار دنوں میں معدے میں خوراک کے نام پہ اک ذرہ بھی نہیں جاسکا تھا، اس کی ساری توانائیاں نچڑ گئی تھیں مگر نیلما کے لئے کوئی گنجائش پھر بھی اس کے کسی انداز سے ظاہر نہیں ہوتی تھی، اتنے دنوں سے نہایا نہیں تھا، طبیعت میں کسلمندی کے ساتھ بے زاری و اکتاہٹ بھی تھی جھنجلاہٹ و خفگی بھی، نیلما نے حسب عادت اشعار پڑھتے ہوئے اسے کھانا پیش کیا تو معاذ نے سابقہ طنطنے اور نخوت کا مظاہرہ کیے بغیر پیٹ کے تقاضے کے مطابق کھانا شروع کردیا تھا، نیلما سامنے بیٹھی مسکراتی پیار لٹاتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''کافی پیئو گے یا چائے بنوا دوں؟ اس کے بعد ہاتھ لے کر فریش ہو جاؤ، تمہارے شایان شان لباس منگوایا ہے میں نے، مجھے تو ایسے بھی پیارے لگ رہے ہو مگر سمجھ سکتی ہوں تم بہت ایری ٹیٹ ہو رہے ہو۔'' کھانے سے فراغت کے بعد اس نے ٹرے دور سرکائی تھی جب نیلما نے بڑے صلح جو انداز میں مزید التفات کی بارش برسائی، معاذ کے حلق میں کڑواہٹ گھلنے لگی، اس نے سر اٹھا کر نیلما کو دیکھا نہیں گویا گھورا تھا۔

''نو تھینکس، اتنے احساسات کی ضرورت نہیں، کھانا بھی اس لئے کھایا کہ تین دن بعد حرام بھی حلال ہو جایا کرتا ہے۔'' اس جواب نے نیلما کو ششدر کر کے رکھ دیا، وہ ہونقوں کی طرح آنکھیں پھاڑ کر اسے گھورنے لگی، چڑھی ہوئی تیوری کے ساتھ مگر معاذ نے پروا نہیں کی تھی۔

''اس کا مطلب تمہاری اکڑ ابھی بھی ختم نہیں ہوئی؟'' وہ جیسے بھبھک گئی تھی، متوقع شکست یا پھر اتنی جاں کاہی کا بے کار جانا اسے صدمے سے چور کرنے کو کافی تھا، معاذ نے کاندھے اچکا دیئے۔

''ہار تسلیم کرنا مرد مومن کا شیوہ نہیں ہے۔'' اب کے معاذ نے دل جلانے والی مسکان لبوں پہ سجائی تھی، بھوک مٹی تھی تو مرتی ہوئی صلاحتیں پھر سے بیدار ہو گئی تھیں، وہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔

''دیکھو اگر کوئی حماقت کرنے کی کوشش کرو گے تو خوامخواہ مارے جاؤ گے، بھول جاؤ اس بات کو کہ میری مرضی کے خلاف تم یہاں سے نکل سکتے ہو، دروازے کے باہر اسلحہ بردار میرا آدمی کھڑا ہے جس کا کام ہی تمہیں واچ کرنا ہے۔'' وہ ہرگز دھمکی نہیں دے رہی تھی، اس کے باوجود معاذ کو خائف نہیں کر سکی، وہ جواباً کاندھے جھٹکتا بے فکرے انداز میں مسکرانے لگا۔

''اس اہم ترین اطلاع کا بہت شکریہ، آپ اور کچھ کہنا چاہیں گی نیلما آنٹی؟'' معاذ نے جیسے اسے زچ کرنے کا آغاز کیا تھا، نیلما کی دودھیا رنگت ایکدم سے تمتما اٹھی، آنکھوں میں بے بسی اور شرارے پھوٹنے لگے تھے، اس سے قبل کہ وہ کچھ بولتی ملازمہ اہم اطلاع کے ساتھ چلی آئی۔

''میم! آپ سے کوئی لڑکی ملنے آئی ہے۔'' نیلما نے چونک کر اسے دیکھا، اس کے چہرے پہ پہلے حیرت پھر کسی خیال کے تحت یکلخت روشنیاں سی جگمگا اٹھیں، کچھ کہے بغیر وہ تیزی سے پلٹی اور بھاگنے کے انداز میں دروازے سے نکل گئی، معاذ نے اس درجہ جوش و خروش اور ترنگ کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا تھا اور کچھ نا سمجھتے ہوئے آگے بڑھ کر دریچے کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکنے لگا۔

نیلما جس وقت طویل اور سنسان راہداری عبور کر کے ڈرائینگ روم میں آئی اس کا سانس بے قاعدہ پھول رہا تھا، سیاہ چادر میں سر تا پا ڈھکی وہ نازک لڑکی ژالے کے علاوہ کوئی اور نہ تھی، اس کے باوجود نیلما کو اپنی بصارتوں پہ اپنی خوش بختی پہ یقین آ کر نہ دیتا تھا، یہ ایسا خواب تھا جو اس نے جاگتی آنکھوں سے بارہا دیکھا تھا، یہ ایسا خواب تھا جس کی اسے کبھی تعبیر نہ ملتی تھی، اب جبکہ وہ سامنے تھے، پاس تھی نیلما کو اس حقیقت پہ خواب کا گمان ہونے لگا تھا۔

''ژالے......ہنی......! میری جان، میری جان!'' اس نے نم آنکھوں سے ڈرتے ڈرتے اسے چھوا اور ہنس کر روئی اور جیسے رو کر ہنسی، ژالے نمناک نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''تم سچ مچ میرے پاس ہو ناں؟ میرے سامنے۔'' اس کا لہجہ سرگوشیانہ تھا، خواب آسا، ژالے پہ عجیب سی جذبات کا غلبہ تھا، جن کا اسے اس سے قبل کبھی تجربہ نہ رہا تھا، اس نے کچھ بولنا چاہا مگر زبان نے ساتھ نہیں دیا، وہ بھیگی آنکھوں سے سر اثبات میں ہلانے لگی۔

''مجھے یقین دلاؤ ہنی! میرے گلے لگ جاؤ پلیز۔'' نیلما نے بانہیں کھول دیں، پھر بے قراری سے اسے بازوؤں میں سمو کر سینے میں بھر لیا، ژالے کا دل بے تحاشا گداز ہو رہا تھا، وہ جیسے پلاسٹک کی گڑیا میں ڈھل گئی، نیلما کی شدتیں اس کی دیوانگی و بے قراری اس کی ہر ہر حرکت سے ہی نہیں، اس کے بے ربط فقروں سے بھی عیاں تھی۔

''مجھے کچھ نہیں کھانا، آپ مجھے ان سے ملوائیں پلیز۔'' نیلما کے ایک آرڈر پہ ژالے کے سامنے طویل میز لوازمات سے سج گئی تھی، اصرار کے جواب میں ژالے نے نرمی سے ٹوکا تو نیلما کا چہرہ اتر سا گیا۔

''یہ تو بتاؤ، تم مجھ سے ملنے آئی ہو یا اس سے؟'' سوال طنزیہ نہیں تھا، دکھ کی شدت کی انتہا پہ جا کر ہوا تھا، ژالے بے انت خفت کا شکار ہوتی نظریں چرا گئی تھی، نیلما کو اس کے احساسات کی کیا خبر ہو سکتی تھی، ہاتھ بڑھا کر اس کا گال سہلانے لگی۔

''میں آج کا سارا دن تمہیں اپنے پاس رکھوں گی ژالے! تمہاری تصویر اپنی نظروں میں محفوظ کرنے کے لئے، اتنا وقت دو گی مجھے؟'' وہ سراپا سوال بنی نظر آئی تھی، کتنی حسرت تھی اس کے ہر انداز میں، ژالے میں انکار کی سکت نہیں رہی، وہ کیسے بتاتی وہ اپنی جان ہی نہیں اپنا گھر گرہستی یہاں تک کہ جہان کا اعتماد بھی داؤ پہ لگا آئی تھی، مگر اب یہاں اس مقام پہ عجلت کا مظاہرہ کام بگاڑ بھی سکتا تھا، وہ حد درجہ محتاط تھی۔

''تمہیں میرا خیال آ ہی گیا ہنی، کیا میں سمجھوں کہ تمہارے دل میں میرے لئے نرم گوشہ پیدا ہوا ہے؟'' نیلما کی آنکھوں میں خوش امیدی تھی مگر خوف ناامیدی کی چادر میں لپٹی ہوئی ژالے کے الفاظ ہی کسی بھی ایک تاثر کو تقویت دے سکتے تھے، وہ جانتی تھی جبھی اس کے ہونٹوں پر اضمحلال بکھرنے لگا تھا، وہ کیا کیا مجبوری بتاتی اسے۔

''یہی سمجھ لیں، خود ماں بننے والی ہوں ناں شاید، اس لئے۔'' وہ جانے کس رو میں کہہ گئی تھی، جبکہ نیلما کو خوشگوار حیرت نے آن لیا، وہ کچھ دیر یونہی اسے جگمگاتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی پھر مسکرا دی۔

''بہت پیاری لگو گی ماں بن کر، اللہ تمہیں اولاد کی بھرپور خوشیوں سے نوازے آمین۔'' یوں بزرگانہ انداز میں دعا دیتی ژالے کو وہ بہت الگ بہت عام سی عورت لگی، جو معصوم بھی ہوتی ہے، بے ریا بھی، مخلص بھی ہوتی ہے، وفادار بھی، عام ہو کر بے حد خاص عورت، کاش وہ سچ مچ یہی ایک روپ رکھتی ہوئی، ژالے کا دل سسکنے سا لگا۔

''یہاں لیٹ جاؤ ژالے میرے پاس۔'' وہ اسے اپنے بیڈ روم میں لے آئی تھی، پھر صرف کہا نہیں تھا، پکڑ کر اسے لٹا بھی دیا، ژالے نے مداخلت نہیں کی، وہ اس کی ہستی کو تاراج کرنے آئی تھی، اس سے قبل وہ اسے اپنی ذات سے کوئی خوشی دے سکتی تو ملامت کا احساس قدرے کم بھی پڑ

سکتا تھا، نیلما خود اس کے پاس بستر پہ ٹک گئی، اس کی نگاہوں میں بیک وقت خوشی بھی تھی اور نا تمام حسرتیں بھی۔

''تم اگر برا نہ مانو تو...... تو میں تم سے پیار کرلو ژالے۔'' اجازت طلب کرتے ایک عورت کی ممتا میں انجانی بلک تھی، آنکھوں میں صحراؤں کی دھول انکار کے خدشے کے ہمراہ بھی اڑتی دکھائی دیتی تھی، وہ بہت حرماں نصیب رہی تھی، عمر بھر ہر جائز خواہش کو ترسنے والی، اسی پہ جھجکی وہ کتنی یاس آزردہ آواز میں اجازت طلب کررہی تھی، ژالے کا دل شرمندگی رنج کے بے کراں احساس سے لبریز ہوا تو آنکھیں اس حرماں نصیب عورت کی بے بسی پہ برس پڑی تھیں، اس میں کچھ کہنے کی تاب نہیں تھی، محض سر ہلایا تھا اور خود آنکھیں بند کرلیں، نیلما جو ہمیشہ پیاسی زمین رہی تھی اس پہ گھنگور گھٹا بن کر برستی تھی، پتا نہیں وہ محبت کے ممتا کے اس بے بہا خزانے سے اسے سیراب کر رہی تھی یا خود کو، اس وقت وہ بدنام اسٹیج فنکارہ نہیں ممتا کے ترستے ہوئے جذبوں سے لبریز دل رکھنے والی ایک عام عورت تھی، جسے اس کی اولاد صدیوں کے انتظار کے بعد ملی تھی، ژالے کے ذہن سے بھی اس کا ماضی اس کا کردار سب محو ہوگیا تھا، اس نے اپنی بانہیں پھیلائی تھیں اور نیلما کے وجود کو جکڑ لیا تھا، دونوں طرف آسودگی تھی، دونوں طرف آنسوؤں کی برسات تھی، جانے کتنی دیر بیت گئی، دلوں کا بوجھ تھا کہ ہلکا ہونے میں ہی نہیں آتا تھا، یہاں تک کہ آنسو ختم ہوگئے، ژالے نے نیلما کے کاندھے سے سر اٹھایا تو خود کو اس کی میٹھی پیار بھری نظروں کے حصار میں پایا تھا، مگر ژالے کی آنکھوں میں آگاہی کا کرب بھی تھا اور تھکن بھی۔

''مجھے اب واپس جانا ہوگا۔'' اس کی نگاہ وال کلاک پہ اٹھی تو حواس یکلخت بیدار ہوگئے تھے، نیلما نے اس کا ہاتھ پکڑ کر توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔

''اک بات کہوں بنی!'' انداز کی بے قراری پہ ژالے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''میں خود کو اس قابل نہیں پاتی کہ تم سے معافی طلب کرسکوں، لیکن جہاں مجھ پہ اتنا بڑا احسان کیا ہے وہاں اک اور کرم کردو مجھ پہ پلیز، مجھے...... مجھے...... اک بار اپنی زبان سے ماں کہہ کر پکارلو۔'' بات مکمل ہونے سے بھی پہلے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی، ژالے تھرا سی گئی۔

''میری اس شدید خواہش کو پورا کردو ژالے! مجھے میری نظر میں سرخرو کردو۔'' وہ اسی طرح زارو قطار رو رہی تھی، ژالے کا سکتہ ایک چھناکے سے ٹوٹا تھا، وہ تڑپ کر آگے ہوئی تھی اور ایک بار پھر اسے بازوؤں میں بھرلیا تھا۔

''امی...... پلیز امی، مت روئیں، مجھے اس طرح شرمندہ مت کریں۔'' اس کے آنسو چنتے وہ خود بھی سسک اٹھی تھی، جبکہ نیلما نے اس معتبر احساس کو پاکر خوشی و انبساط کے ساتھ فخر کے احساس میں گھر کر اسے دیکھا۔

''امی......!'' اس کی نگاہوں میں حیرت و خوشی کا دلنشین امتزاج ابھرا، ژالے نے سر کو اثبات میں ہلاتے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا۔

''یہ لفظ آپ کے لئے ہی تھا امی...... میری اصل اور حقیقی ماں کے لئے، کہ ماں جو ہو وہ ممی نہیں ہوتی اور جو ممی ہو وہ کبھی ماں نہیں ہوسکتی۔'' اس کی آواز میں اس کی آنکھوں میں نامعلوم دکھ کی

آمیزش گھلی ہوئی تھی، نیلما نے اس کی بات کا مقصد سمجھا تھا اور جیسے تفاخر اور خوشی کے احساس سے بے حال ہوگئی، اس نے سرخروئی مانگی تھی اور اسے سرخروئی مل گئی تھی، خدا ایسے بھی نواز دیا کرتا ہے، اپنے بندوں کے ذریعے بندوں کو خوشی و فخر سے ہمکنار کرتا ہے، اس سے بڑھ کر کیا سرخروئی ہوسکتی تھی کہ ژالے نے مسز آفریدی کو جھٹلا کر اسے سچائی کے مرتبے پہ فائز کیا تھا، وہ رونا بھول کر کھلکھلانے لگی، ژالے دکھ سے بھری نظروں سے اسے دیکھے گئی، زندگی انہیں عجیب موڑ عجیب دوراہے پہ لے آئی تھی، جہاں بے بسی تھی، مجبوریاں تھیں، لاچاری تھی، شرمندگی و تاسف تھا، ملال تھا، رنج تھا۔

''ایک بات میں بھی کہوں امی!'' اس نے بہت آہستگی سے نیلما کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، نیلما نہال ہوگئی تھی بلکہ قربان ہونے لگی۔

''سو باتیں کہو میری جان! سو باتیں اور بلا جھجک کہو۔'' اس نے مہکتے انداز میں کہہ کر ژالے کی پیشانی چومی۔

''آپ میری بات مانیں گی؟'' ژالے کے دل میں انجانے خدشے اور درد ہلکورے لینے لگا، نیلما نے اسے بغور دیکھا تھا، پھر عجیب انداز میں مسکرائی۔

''تم اگر مجھ پہ یہ احسان نہ بھی کرتیں ژالے اور مجھ سے کوئی بات منوانا چاہتیں میں تب بھی تمہاری بات رد نہیں کرتی، کہہ کر تو دیکھتیں، اب کہہ کر دیکھ لو، آزما لو۔'' نیلما کے انداز میں محبت تھی، سخاوت تھی، عنایت تھی، وفا تھی، بے تحاشا خلوص تھا، ژالے کو اپنی غرض اپنی سوچ پہ ندامت نے آن لیا، اس کا دل کٹنے سا لگا، وہ کتنی دیر کچھ نہیں کہہ سکی، زندگی کے کس مرحلے پہ آکر نیلما نے اس کا دل جیتا تھا، جب اس کے پاس اس بدنصیب عورت کو دینے کے لئے کچھ بھی نہیں بچا تھا اس کے پاس، وہ بے دردی سے ہونٹ کچلنے لگی، پلکیں جھپک کر آنسو اندر اتارتے اس نے نیلما کو مضطربانہ انداز سے نظر دیکھا۔

''معاذ حسن کو چھوڑ دیں امی، پلیز امی!'' اس نے ایک دم سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ان پہ چہرہ جھکاتے ہوئے اس کے ہاتھ پہ بوسہ ثبت کیا، نیلما کو شاک لگا تھا جیسے، مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے سکڑتے سکڑتے بالکل غائب ہوگئی، اس نے تحیر و غیر یقینی کی کیفیت میں گھرتے ژالے کی جانب دیکھا تھا۔

''کیا کہا تم نے؟ میرا مطلب ہے ایسا کیوں کہا تم نے؟'' وہ ہنوز شاکڈ تھی، ژالے نے ہونٹ بھینچ لئے۔

''تم جانتی ہو اسے؟ اور اس کے باوجود یہ کہا ہے کہ میں...... میں تمہیں سب کچھ بتا چکی ہوں؟'' الفاظ نیلما کے حلق سے جیسے پھنس کر نکل رہے تھے، اس کی آنکھوں میں کرب گہرا ہوتا جا رہا تھا، وہ جیسے ابھی تلک غیر یقین تھی، ژالے نے نظریں چرالیں، وہ خود کو عجیب مشکل میں گھرا اذیت میں مبتلا محسوس کررہی تھی۔

''جی...... اس کے باوجود...... اور امی...... پلیز مجھ سے وجہ نہ پوچھیئے گا۔'' اس نے آنسو بہاتے ہوئے اتنی عاجزی سے کہا تھا کہ نیلما اسے دیکھتی رہ گئی، کچھ دیر ساکن رہی، پھر آہستگی سے

سر جھکا لیا تھا۔
''نہیں پوچھتی......ٹھیک ہے، سمجھ لو چھوٹا شاہ آزاد ہو گیا اور کچھ؟'' نیلما کی آواز میں صرف بھراہٹ نہیں اتری، لہجے میں ٹوٹتے کانچ کی بھی چھنک تھی، ژالے کے دل میں کوئی کیل گڑھ گئی، وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اس میں اتنی تاب نہیں تھی کہ وہ ٹوٹ جانے والی مکمل طور پر ٹوٹ جانے والی نیلما کا دکھ کی دراڑوں سے اٹا چہرہ دیکھ لیتی، حالانکہ دل کتنا تڑپا تھا، زندگی بھر بیٹی نہ بننے والی عمر بھر ماں کو تڑپانے والی خود غرض بیٹی اک لمحے میں ماں کو تہی دست کر دینے والی دنیا اجاڑ دینے والی ماں کا چہرہ دیکھ لے، عورت ماں بن جائے تو عظیم رتبے پہ فائز ہو جایا کرتی ہے، نیلما جیسی عورت نے بھی اس رتبے کی لاج رکھ لی تھی، وہ اس عورت پہ فخر کر سکتی تھی، جس کو اس نے ہمیشہ شرمندگی کا باعث جانا تھا، مگر وہ پتھر کی ہو جانے کے خوف سے پلٹی نہیں تھی، لیکن پتھر کا ہو جانے کے لئے پلٹنا شرط بھی نہیں ہوتا۔

☆☆☆

''اللہ! اللہ! بس کرو پلیز، میرے حال پہ رحم کرو، میں گلے مل مل کر تھک گیا ہوں۔'' معاذ جس طرح اچانک غائب ہوا تھا، ویسے ہی چلا بھی آیا، اس کی آمد کے ساتھ ہی شاہ ہاؤس میں جیسے زندگی جاگ اٹھی تھی، رجو کی نگاہ ہی سب سے پہلے اس پہ پڑی تھی، جس طرح وہ عجیب وغریب آوازیں نکالتی چلاتی ہوئی اندر بھاگی تھی، اس سے معاذ خود تشویش کا شکار ہو کر رہ گیا کہیں خدانخواستہ شکل تو نہیں تبدیل ہو گئی، پھر تو ایک دم سے ماحول بدل گیا تھا، جو جہاں کہیں بھی تھا، اس کے گرد جمع ہو گیا، جو گھر پہ نہیں تھے انہیں خوشی خوشی فون کر دیئے گئے، مما اور ماما جان نے کم وبیش بھی تیس سے چالیس بار گلے لگا کر اسے پیار کیا تھا، گویا اس کے صحیح سالم واپس آ جانے پہ انہیں یقین ہی نہ آتا ہو، آنکھیں خوشی اور تشکر کے احساس سمیت بار بار چھلکتی تھیں، مما اور ماما جان کے علاوہ وہ جب زینب بھی اسی پاگل پن کا شکار ہوتی تیسری سے چوتھی بار اس کے گلے لگ کر روئی تو معاذ نرمی سے سہی مگر جھنجلا گیا تھا۔
''افوہ......کیا ہو گیا ہے اللہ کی بندی اتنے دنوں سے نہایا نہیں ہوں، مجھے تو خود اپنے آپ سے وحشت ہو رہی ہے، مگر تم لوگوں کو جیسے پرواہ ہی نہیں اور چمٹے جا رہے ہو، ویسے بھی کچھ تاثم میری بیوی کو بھی تو دو میرے قریب آنے کا، دیکھو بے چاری کا سب سے زیادہ برا حال ہو رہا ہے میرے فراق میں۔'' معاذ کی وہی مخصوص باتیں تھیں، جہاں روئی روئی سی نڈھال پرنیاں جھینپی، وہاں زینب بھی خفت زدہ رہ گئی تھی، ایسے میں کچھ فاصلے پہ موجود جہان کی آنچ دیتی نظروں کا احساس اسے سر تا پا جھلساتا چلا گیا تھا، اس کی حماقتوں سے صرف وہی تو آگاہ ہوا تھا اور اس دن سے اتنا شدید خفا تھا کہ بات کرنا تو دور کی بات اسے دیکھنا بھی ترک کر رکھا تھا گویا، اب جبکہ معاذ نے آتے ہی مسز آفریدی اور تیمور دونوں کو اس جرم کی فہرست سے خارج کر دیا تھا تو سب سے زیادہ زینب ہی خوف سے سرد پڑنے لگی تھی، اگر تب جہان اسے بروقت وہاں سے نہ پکڑ لاتا تو تیمور کے ہاتھوں وہ کسی ذلت آمیز انجام سے ہمکنار ہو سکتی تھی، اس کا تصور بھی دہلا دینے والا تھا، اسے جہان پہ یکدم کتنا پیار بھی آیا تھا، مان اور فخر بھی محسوس ہوا تھا، وہ واقعی گھنیری چھایا تھا اس کے

لئے، مضبوط پناہ گاہ اور وہ......کتنا ستاتی رہی تھی اسے، کس قدر تنگ کرتی رہی تھی، اسے شرمندگی نے آن لیا، مگر یہ سوچ کر بھی دل کو تسلی دے لی تھی، وہ جہان کو منا لے گی، وہ اسے سب بتا دے گی۔
''ہاں بیٹے! آپ فریش ہو جاؤ، نہاؤ دھوؤ، میں اپنے بیٹے کی پسند کا کھانا اپنے ہاتھ سے بناتی ہوں۔'' مما اب ساری بیماری بھولے ہشاش بشاش چاک وچوبند تھیں، ماما جان مسکرائے گئی تھیں، معاذ شکر مناتا ہوا اٹھا۔
''یار پرنیاں! میں ابھی تمہیں بھی ملتا ہوں، مگر اس سے پہلے نہا لوں، اپنا کامریڈ کہاں ہے؟'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے کی جانب آ گیا تھا، پرنیاں نے اپنا ہاتھ اس کے بازو کے نیچے سے گزار کر سر اس کے کاندھے سے ٹکا دیا۔
''وہ لوگ کون تھے معاذ! جنہوں نے آپ کے ساتھ ایسا کیا......اور کیوں؟'' اس نے دل میں مچلتا ہوا سوال معاذ سے کر لیا تھا، معاذ نے دانستہ لاعلمی کا اظہار کرتے کاندھے جھٹک دیئے۔
''دفع کرو یار! جو بھی تھے ہمیں کیا، میں آ گیا ہوں نا تمہارے پاس بالکل ٹھیک ٹھاک۔'' پرنیاں نے سر اٹھا کر پرتشویش نظروں سے اسے دیکھا تھا، پھر مضطرب سی بولی۔
''اگر خدانخواستہ انہوں نے پھر......؟''
''لگتا تو نہیں ہے میری جان کہ وہ ایسا کریں، دیکھو ناں اگر ان کا اس قسم کا ارادہ ہوتا تو ابھی کیوں چھوڑتے مجھے، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں تو انہوں نے کسی اور کے مغالطے میں مجھے کڈنیپ کیا تھا، جیسے ہی ان لوگوں کو اس غلطی کا احساس ہوا فوراً مجھے چھوڑ دیا۔'' اس کا سر سہلاتا ہوا وہ رسانیت سے کہہ رہا تھا، پرنیاں نے بغیر کسی اور کہ کے یقین بھی کر لیا مگر اگلا سوال بھی کر دیا تھا فکرمندانہ انداز میں۔
''ان لوگوں نے آپ پہ تشدد تو نہیں کیا معاذ؟'' اس کی نگاہوں میں تشویش لہرائی تھی، معاذ نے نفی میں سر ہلاتے جھک کر اس کے سر پہ بوسہ ثبت کیا، پرنیاں کی تشویش اس کی فکرمندی اس کی محبت اس کا ڈھیروں خون بڑھا رہی تھی گویا۔
''کم آن بیوی! میں کوئی مجرم تھوڑی تھا، جو وہ تشدد کرتے، اوکے میں جب تک باتھ لوں تم......تم چائے بنا لاؤ، ترس گیا ہوں تمہارے ہاتھ کی چائے کو۔'' معاذ نے اس کا ذہن بٹانے کو ہی کام سے لگایا تھا، پرنیاں نے سر ہلایا اور اس کے کپڑے وارڈ روب سے نکال کر واش روم میں رکھ کر پلٹی تو اسے دیکھ کر یکدم ٹھٹک گئی تھی۔
''آپ تو کہہ رہے تھے تشدد نہیں کیا......پھر یہ نشان کیسے ہیں آپ کے جسم پہ؟'' معاذ بے خیالی وہیں شرٹ اتار چکا تھا، پرنیاں کی نگاہ انہی سرخ نشانوں پہ اٹکی تھی جو اس کے سینے سے لے کر بازوؤں اور کاندھوں پہ جگہ جگہ ابھرے ہوئے تھے، یہ پیراشوٹ کی اس رسی کے نشان تھے جن سے اسے چار دن تک مسلسل باندھے رکھا گیا تھا، جو سخت گرفت کے باعث اس کے گوشت اور کھال کے اندر تک اتر گئی تھی، بلکہ معمولی سی بھی جنبش پہ رگڑ پڑنے سے یہ پیراشوٹ اس کی کھال کو ادھیڑتا رہا تھا، جبھی خون نکل کر جم چکا تھا، پرنیاں ہراساں وبے قراری ایک ایک زخم کو چھو کر دیکھتی

ارو پڑنے کو تیار تھی، معاذ نے اسے بازو کے حصار میں لے کر خود سے لگا لیا تھا۔

''اتنی معمولی بات پہ رو رہی ہو، میری بیوی کو ہرگز اتنا کمزور نہیں ہونا چاہیے پرنیاں!'' اس کے ریشمی بال سہلاتا وہ گویا اسے بہلایا تھا، پرنیاں ہچکیاں بھرتی خود پہ ضبط کی کوشش کرتی رہی۔

''ان لوگوں نے تشدد کیوں کیا ہے آپ پہ......؟'' اس کے آنسو ہنوز معاذ کے سینے میں جذب ہو رہے تھے، وہ گہرا سانس بھر کے بے بس سا اسے دیکھنے لگا۔

''افوہ یار کسی کی اتنی مجال نہیں تھی کہ ڈاکٹر معاذ حسن پہ ہاتھ اٹھا لیتا، ہاتھ کاٹ کے نہ پھینک دیتا میں۔'' اس کی خفگی و ناراضگی سے کہنے پہ بھی پرنیاں کو یقین آسکا نہ کوئی تسلی ہوئی تھی، بلکہ الٹا شاکی ہونے لگی۔

''کیوں کر جھٹلا سکتے ہیں مجھے معاذ! یہ نشان ایسے نہیں جیسے ہنٹر سے مارا گیا ہو۔'' سسک کر کہتی وہ پھر اس کے زخم سہلا رہی تھی، معاذ کے لبوں کی تراش میں دلفریب مسکان اتر آئی۔

''بہت پیاری لگ رہی ہے مجھے اپنی بیوی یوں اپنے لئے پریشان ہوئی روتی ہوئی، مگر اتنی نہیں جتنی وہ میرے لئے مسکراتی، مجھ سے خوش ہوتی یا پھر مجھ سے پیار کرتی اچھی لگتی ہے۔'' وہ ایک دم ٹون بدل گیا تھا، پرنیاں کے گلابی چہرے پہ بہت سرعت سے حجاب کا رنگ پھیلا مگر جب اسے دیکھا تو نگاہوں میں شکایت اتر رہی تھی۔

''اس قسم کی باتوں سے آپ بہر حال میرا دھیان نہیں بٹا سکتے، بتانا تو پڑے گا لازمی۔'' نروٹھا پن اس کے انداز میں اتر آیا تھا، معاذ بے ساختہ ہنستا چلا گیا، پھر جھک کر اس کی پیشانی پہ بہت نرمی سے اپنے ہونٹ رکھ دیتے تھے۔

''چیلنج مت کرو جان معاذ! میں تو اپنی ایسی باتوں سے لمحوں میں تمہارا دھیان بٹا سکتا ہوں، جانتی نہیں ہو تم مجھے...... کہ۔''

بہکے بہکے سے انداز بیاں ہوتے ہیں
آپ ہوتے ہیں تو پھر ہوش کہاں ہوتے ہیں

وہ چہکا تھا، پرنیاں گہرا سانس بھرتی فاصلے پہ ہوئی، انداز میں خفگی بھی تھی، جھینپ کا تاثر بھی جیسے معاذ نے محسوس کیا تھا جبھی اس کا بازو پکڑ کر پھر خود سے قریب کر لیا۔

''خفا ہو گئی ہو؟'' سوال ہوا تھا، پرنیاں کی آنکھیں پھر آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

''کتنا رلاتے ہیں، کتنا ستاتے ہیں معاذ! بہت دکھ دیتے ہیں ہمیشہ اور آپ کو احساس بھی نہیں ہوتا ہے۔'' شکوے کا انداز بھی معاذ کو دلنشین لگا تھا، کہ وہ پہلی بار خود اس طرح اس سے لپٹ کر روئی تھی، وہ تو جیسے باغ بہشت میں آ گیا تھا۔

''میری جان! میری جان! آپ کے شوہر نامدار کو کسی خوف کے باعث ہی انہوں نے بے ہوشی کی حالت میں رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا تھا، یہ نشان اسی کے ہیں، چار دن تک ایک ہی پوزیشن میں بندھا رہا ہوں، حال مت پوچھو۔'' اس نے منہ لٹکا لیا تھا دانستہ، پرنیاں کے اعصاب کو دھچکا لگا، آنکھیں دکھ رنج اور حیرت کے شدید احساس سے پھٹ کر رہ گئیں۔

''خدا غارت کرے انہیں، کیسے ظالم لوگ تھے، رکیں میں پہلے کوئی دوا لگاتی ہوں، پھر ہاتھ

لیجئے گا۔'' وہ تڑپ ہی تو اٹھی تھی، بھیگی آواز میں کہتی دراز کھول کر کھسر پھسر کرنے لگی، معاذ مسکرایا تھا۔

''کم آن یار! اتنا نازک نہیں ہوں، کیوں فکر کر رہی ہو اتنی۔'' وہ اس کی پریشانی کم کرنے کو ہی کہہ رہا تھا، مگر وہ یوں ٹوکے جانے پہ روٹھ سی گئی۔

''ابھی بھی فکر نہ کروں؟ دیکھ رہے ہیں کیا حالت ہو چکی ہے؟''

''بیوی اس مسیحائی کی خواہش تو میں بھی رکھتا ہوں قسم سے، مگر پلیز پہلے فریش تو ہونے دو، سخت بے چین ہو رہا ہوں اس پسینے سے، اتنے دن پہلی بار اپنی ہوش میں نہیں نہایا، مجھے تو لگ رہا ہے اگر چند منٹ بھی مزید اسی طرح اور گزرے تو بے ہوش ہو جاؤں گا۔'' بے چارگی سے کہتا وہ بڑھی ہوئی شیو کو کھجا کر بولا تو پرنیاں بے اختیار مسکرانے لگی تھی۔

''اوکے جائیں۔'' اس نے خود معاذ کو واش روم کی جانب دھکیل دیا۔

☆☆☆

باتھ لینے کے بعد ابھی وہ کھانا ہی کھا رہا تھا جب جہان اس کے سر پہ آکر سوار ہو گیا۔

''اگر وہ مسز آفریدی نہیں تھیں، تیمور بھی نہیں تھا، تو پھر کس نے اغواء کیا تھا تمہیں معاذ!'' معاذ جو اس کی آمد کے ساتھ ہی مقصد بھی سمجھ گیا تھا اور گہرے بے چارگی آمیز سانس بھر رہا تھا، اس سوال پہ مزید عاجز ہوتے اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''میرے باپ...... تجھے ہی بتاؤں گا، مگر کچھ تو صبر بھی بندے کو کرنا چاہیے، تھوڑی تہذیب سیکھ، مجھے اپنی بیوی کے ساتھ تھوڑا ٹائم گزارنے دے، ترسا ہوا ہوں اس کی شکل ڈھنگ سے دیکھنے کو۔'' معاذ نے سراسر تجاہل برتا تھا، وہ تجاہل ہی برتنا چاہتا تھا، اس نے جو کچھ وہاں دیکھا تھا، وہ ناقابل یقین تھا، اسے نہیں لگتا تھا یہ بات جہان سے کہنے والی تھی۔

''بکو مت معاذ! میری پریشانی کا تمہیں اندازہ نہیں ہے شاید اور یہ جو بہانے بنا رہے ہو ناں جانتا ہوں کتنے رومینٹک ہو تم۔'' معاذ کو گھورتے ہوئے وہ صحیح معنوں میں اس کی طبیعت صاف کر گیا تھا، معاذ کا تو پورا منہ کھل گیا تھا گویا۔

''ہائیں...... کیا مطلب! ساری دنیا میں میں بیچارا رومینٹک، گستاخ ہٹ دھرم مشہور ہو گیا اور تم......''

''بسا اوقات انسان کی شخصیت کا محض ایک رنگ ایک پہلو ہی اجاگر ہو پاتا ہے، ورنہ تم در حقیقت کتنے سیلف کنٹرولڈ ہو کس حد تک خود کو کمپوزڈ کر سکتے ہو میں سب جانتا ہوں۔'' اب کے جہان کی مسکان میں بہت محبت بہت پیار تھا اس کے لئے، معاذ کے ہونٹوں پہ جوابی مسکان جو اتری اس میں وہ فخر وہ اعتماد تھا جو ان دونوں کی دوستی میں ہمیشہ ایک دوجے کو سمجھنے جاننے کا گواہ بن کر ان کے درمیان بستا رہا تھا، مگر جب بولا تو وہی رٹ تھی۔

''سچ کہہ رہا ہوں جے! ہم دونوں اتنے دن اتنے کرائسس میں رہے ہیں، مجھے ذرا اپنی بیوی سے دکھ سکھ تو کرنے دے، اس نے رو رو کر دیکھا نہیں اپنی حالت کتنی خراب کی ہوئی ہے۔'' وہ ہنوز غیر سنجیدہ تھا، جہان اس جواب پہ اسے بے دریغ گھورنے لگا۔

''ایسے تو میں تمہاری جان نہیں چھوڑوں گا، یہ تمہاری حسرت رہے گی کہ مجھ سے پہلے تم پرنیاں کوناٹم دے سکو گے۔''

''ہاں ظالم سماج آثار تو مجھے بھی یہی لگتے ہیں۔''

تمنا ہے میرے دل کی کہ میں اور بس وہ ہو
یہ وہ حسرت ہے جس حسرت پہ خود حسرت کو حسرت ہے

''ہاہ...... ہاہ، کیسے کیسے ہجر و وصال کے سلسلے میں جوا کٹھے ہوتے ہیں مگر کوئی موقع بھی تو ملے اور...... میں نے تو کبھی دوسری شادی بھی نہیں کی، پر تو پھر بھی ہمیشہ میری بیوی کی سوکن کا کردار نبھاتا رہا، ذرا جو شرم آئی ہو تمہیں۔'' وہ بے تھکان بول رہا تھا، مصنوعی آہیں بھر رہا تھا، جہان مسکراہٹ ضبط کیے اسے گھورنے کا فریضہ سرانجام دیتا اور اس کے سنجیدہ ہونے کا منتظر بیٹھا تھا کہ اس پل اسے باہر سے پیغام آ گیا تھا، پولیس آفیسر ڈرائینگ روم میں اس کا منتظر تھا۔

''میں آتا ہوں ابھی۔'' وہ عجلت میں اٹھ کر چلا گیا، معاذ بھی اس کے پیچھے کمرے سے نکلا مگر راہداری میں ہونے والے ژالے کے سامنے سے اس کے قدموں کی رفتار سست ہوتے بالکل ختم گئی، معاذ پہلی بار اسے بہت دھیان سے کسی حد تک تعجب سے دیکھ رہا تھا، ژالے اسے دیکھ کر خیر مقدمی انداز میں مسکرائی تھی، اس کی اندرونی کیفیت سے یکسر بے خبر رہ کر۔

''بخیریت واپس مبارک ہو معاذ بھائی! الحمد للہ آپ صحیح سالم آ گئے، رب نے بہت کرم فرمایا۔''

''بیشک بجا فرمایا، مگر بھابھی رب اپنا کرم اپنا رحم بندوں پہ بندوں کے ذریعے نازل فرماتا ہے، اس بات کو تو تسلیم کرتی ہوں گی آپ۔'' معاذ کا انداز ژالے کو بہت غیر معمولی لگا تھا، جبھی اس نے چونک کر اسے دیکھا، معاذ کی نظروں کی گہرائی اس کے چہرے کے تغیر کا باعث بنی تھی، اس کی نظریں گھبراہٹ کا تاثر لئے بے اختیار جھک گئیں، کچھ کہے بغیر وہ وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی جب معاذ نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے ہی اسے پکارا تھا، ژالے رک گئی تھی، مگر ہر انداز خائف تھا، گھبراہٹ عیاں کرتا ہوا، اس نے نظریں نہیں اٹھائی تھیں، چہرے کے ہر حساس حصے میں سرخی نمایاں ہو رہی تھی، جو اس کے اندرونی خلفشار کی واضح غماز تھی، معاذ کو اس پر ترس بھی آیا، مگر یہ بات ایسی تھی کہ وہ اس الجھن کا سرا پانا چاہتا تھا، ورنہ شاید اس کا دماغ پھٹ جاتا۔

''آپ گھبرائیے نہیں بھابھی! اور جو بات میں آپ سے کرنے جا رہا ہوں اسے پلیز تحمل سے سنیئے گا۔'' معاذ اسے اپنے ہمراہ آنے کا اشارہ کرتا ڈائننگ ہال میں آ گیا تھا اس وقت یہاں ہی کسی کی آمد کا احتمال نہیں تھا، رات کا کھانا کھالیا گیا تھا۔

''ایسی کون سی بات ہے؟'' ژالے کے چہرے پہ کئی رنگ آ کر گزر گئے تھے، بھید کھلنے یا کھل جانے کا احساس اس کی ٹانگوں کو بے جان اور رنگت کو سرسوں کی مانند زرد کر چکا تھا، معاذ کو خدشہ محسوس ہوا اگر وہ مزید کھڑی رہی تو گر جائے گی، جبھی اسے بیٹھنے کو کرسی پیش کی تھی اور بیٹھنے کا اشارہ کیا، ژالے یوں بیٹھ گئی جیسے اب کھڑے رہنے کی واقعی تاب نہ رہی ہو، دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ وہ آنکھوں میں ہراس لئے ایسے یوں دیکھتی تھی گویا پھانسی کا مجرم جلاد کو دیکھتا ہے۔

''آج آپ کہیں گئی تھیں؟'' سوال کرنے کے بعد معاذ نے اپنی زیرک ذہانت سے پر آنکھیں اس کے چہرے پہ گاڑھ دیں، ژالے کا دل دھک سے رہ گیا، آنکھیں لمحے کے ہزارویں حصے میں پانیوں سے چھلک گئی اس نے ہونٹ یوں بھینچ لئے، گویا کبھی نہ بدلنے کا عہد باندھ لیا ہو، معاذ اسے دیکھتا رہا۔

''آپ نیلما سے ملی ہیں آج۔'' اب کی مرتبہ سوال نہیں ہوا تھا اسے اطلاع بھی نہیں دی گئی، بس فرد جرم عائد ہوا تھا، باقی کیا رہ گیا تھا، اس کے آنسو بہہ نکلے، وحشت کے مظہر آنسو، یعنی معاذ اسے وہاں دیکھ چکا تھا، اب اسے بنا جرم کے سزا ملنی تھی، حالانکہ اپنے طور پہ تو بھلائی کی تھی اس نے، مگر اس بھلائی کے باوجود نیلما جیسی عورت سے اگر اس کا تعلق ظاہر ہو گیا تھا، تو پھر جرم نہ ہوتے ہوئے بھی سزا کی مستحق تھی وہ۔

''آپ کو کیسے معلوم ہوا تھا کہ مجھے اغواء کرنے والی نیلما ہے اور اصل حیرانی تو مجھے اس بات پہ ہے کہ وہ جو اپنے نظریئے سے ایک انچ سرکنے کو تیار نہیں تھی، آپ کے کہے کیسے چھوڑ دیا مجھے......؟'' وہ سوال پہ سوال کر رہا تھا، ژالے کی قوت گویائی سلب ہوئی تھی جیسے، اس حد تک سراسیمہ اور بے اوسان نظر آ رہی تھی کہ اسے معاذ کی آواز بھی نہیں سن رہی تھیں، سماعتوں میں شور ہی اتنا تھا۔

پیروں تلے سے زمین کا نکل جانا، یا آسمان سر پہ نہ رہنا کیسا احساس ہو سکتا ہے، وہ اس وحشت کے احساس سے دوچار تھی۔

''پلیز بھابھی! اس طرح مت روئیں کہ مجھے خود اپنا آپ مجرم لگنے لگے، میرے ذہن میں جو الجھنیں ہیں، انہیں سلجھانا ہی مقصد نہیں ہے، عین ممکن ہے، آنے والے کسی کڑے وقت میں اللہ مجھے ہی آپ کا مددگار بنانا چاہتا ہو اس راز کو یہاں اس انداز میں عیاں کرنے کا یہ مثبت مقصد بھی تو ہو سکتا ہے۔''

وہ مضطرب سا وضاحت پیش کر رہا تھا تو اس کی وجہ ایک تو یہ بھی کہی جا سکتی تھی کہ وہ ژالے سے بہت عقیدت و محبت رکھتا تھا، بہت عزت کرتا تھا اس کی، وہ نازک سی پیاری لڑکی اپنے بہترین اوصاف کی بدولت ان کے خاندان کے لئے اب تک رحمت و برکت کا ہی باعث ٹھہری تھی بلاشبہ، اسے دکھ دینے کا تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ، جبھی جہان کے علم میں لائے بغیر طور پہ اس معاملے کو ہنڈل کرنا چاہتا تھا، ساری حقیقت جان لینے کے بعد ہی یہ فیصلہ ہونا باقی تھا کہ جہان کو باخبر کیا جانا چاہتے تھا یا نہیں، اگر ژالے نے ان پر بڑے بڑے احسان کیے تھے تو یہ نیکی ان احسانات کا معمولی بدلہ ہی ہو سکتی تھی۔

''آپ میری بہن ہیں، یقین کر سکتی ہیں کہ زینب سے زیادہ عزیز ہیں مجھے، کبھی سوچیئے گا بھی نہیں کہ آپ کے کردار پہ آپ کی ذات پہ ذرا سی بھی آنچ میری وجہ سے آئے گی۔'' معاذ نے اسے کانپتے لرزتے پا کر ہی اپنا ہاتھ مشفقانہ انداز میں اس کے سر پہ رکھا تھا، ژالے نے آنسوؤں سے جل تھل نظریں اٹھائیں، وہ باوقار شاندار بے حد وجیہہ شخص چہرے پہ سچائی کا نور لئے اسے دیکھ رہا تھا، ژالے ایکدم سے جیسے ہلکی پھلکی ہونے لگی، اسے معاذ کی بات پہ رتی برابر بھی شبہ نہیں تھا اس کی

شخصیت کا ایسا معتبر روپ وہ پہلی بار اس سے مل کر بھی دیکھ چکی تھی، جب اس نے خودکشی جیسے حرام فعل سے اسے ایسے ہی مدبرانہ انداز میں سمجھا بجھا کر روکا تھا، اسے یقین ہوا معاذ کا اصل اور حقیقی روپ یہی ہے۔

”اگر آپ مجھے نہیں بتانا چاہتیں تب بھی کوئی بات نہیں، میں ہرگز آپ کو فورس نہیں کروں گا، لیکن ایک ایڈوائز ضرور ہے، اسے بڑے بھائی کا حکم بھی سمجھ لیں بیشک، آئندہ کبھی بھی، میں تو کیا ہماری فیملی پہ کتنی بھی بڑی بھاری مشکل کیوں نہ آن پڑے، آپ اس قسم کی بہادری نہیں دکھائیں گی، ہماری غیرت کو ہرگز یہ گوارا نہیں ہے اوکے۔“ آخر میں جس طرح معاذ کا لہجہ دوٹوک اور قطعی ہو گیا تھا، وہ ژالے کو گہرا سانس بھرنے پہ مجبور کر گیا، اس نے بے اختیار سر کو نفی میں جنبش دی، اسے لگا معاذ کو سب بتلانا ناگزیر ہو چکا ہے۔

”آپ یقیناً میرے متعلق کچھ غلط سوچ رہے ہیں بھائی جبکہ حقیقت......“

”میں ہرگز کچھ غلط نہیں سوچ رہا ہوں بھابھی! مجھے آپ کے کردار پہ بھی شبہ نہیں، ڈونٹ یو وری۔“ وہ گھبرا کر کہنے جا رہی تھی، کہ معاذ نے اسے ٹوک دیا تھا، جس طرح بات کے اختتام پہ وہ مسکرایا وہ اس کے صاف دل ہونے کی جانب اشارہ کرتا تھا، مگر ژالے بے سکون ہی رہی، مضطرب نظروں سے اسے ایسے دیکھتی جیسے اس کی اس آخری بات کا ہی یقین نہ کر سکی ہو، ہونٹ کچلتی، انگلیاں مسلتی ہوئی بے حد بے قرار۔

”وہ...... میری ماں ہیں، میری سگی ماں!“ ٹپ ٹپ آنسو اس کی دراز ریشمی پلکوں سے پھسلے تھے اور اس کے دودھیا مخملیں ہاتھوں کو بھگو گئے، معاذ کے سر پہ جیسے آسمان ٹوٹ پڑا تھا، وہ بھونچکا سا اس کی شکل دیکھتا رہ گیا، انکشاف ہی ایسا شاک میں مبتلا کر دینے والا غیر یقینی کی حد تک حیران کن تھا، اس کی گویا قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔

”ممی کے ناروا سلوک کی بدولت وہ آج اس ذلت بھری زندگی کو جینے پہ مجبور ہوئی ہیں، انہوں نے ان پہ کوئی ایک ستم نہیں کیا، میری پیدائش پہ انہوں نے مجھے چھین لیا امی سے اور انہیں گھر سے نکال دیا، میرے ذہن میں ان کے خلاف اتنا زہر بھرا کہ عمر بھر ان سے نفرت کرتی رہی میں بھی، مگر اب...... اب یہ محض اتفاق تھا بھائی کہ مجھے امی سے آپ کی بات کا معلوم ہو گیا، میں خود کو روک نہیں سکی اور جو کبھی ان سے نہیں ملی تھی، جو کبھی ان سے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی، آپ کی خاطر اپنے گھر کے سکون کی خاطر خود کو ان کے پاس جانے آپ کو چھڑوانے چلی گئی۔“ وہ زار و قطار روتے ہوئے کہہ رہی تھی، معاذ ہنوز شاکڈ تھا، اس کی آنکھوں سے غیر یقینی استعجاب اور صرف تحیر ہی جھانکتا تھا۔

”نیلما...... وہ آپ کی سگی ماں تھیں بھابھی...... ریئلی مدر؟“ وہ متعجب سا بولا تھا، ژالے نے آنسو پونچھتے ہوئے سر کو دکھ بھرے انداز میں اثبات میں جنبش دی۔

”آپ کو بھی یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ میری سگی ماں ہیں، کسی کو بھی یقین نہیں آ سکتا ہے، وہ اس وقت صرف سینتیس سال کی ہیں، سولہا سال کی تھیں جب ڈیڈ سے ممی نے ان کا نکاح اولاد کی غرض سے ہی کروایا تھا، سترہ سال کی تھیں جب میری پیدائش ہوئی، ممی شادی کے بیس سال بعد بھی

بے اولاد رہی تھیں، ڈاکٹرز نے انہیں بانجھ قرار دے دیا تھا، اولاد کی خواہش کو دبا نہیں سکیں، جبھی انہوں نے ڈیڈ کی شادی اپنی نوعمر ملازمہ سے کروا دی، جو گوٹھ سے لائی گئی تھی، ان کے پیش نظر مقاصد اور تھے، جبکہ امی معصوم بے ریا اور سادہ تھیں، ان کی سازشوں سے آگاہ کیسے ہو سکتی تھیں، مگر جب آگاہ ہو بھی گئیں تو ان کی لاچاری ان کی غربت ثابت ہوئی، میری پیدائش تک ممی نے امی کو بامشکل برداشت کیا، پھر روایتی سازشوں کے جال میں پھانس کر ڈیڈ سے طلاق دلوا کر گھر سے نکال دیا، وہ اگر انہیں صرف طلاق دلواتیں اور گھر سے نکلوا دیتیں تب بھی امی کی زندگی اتنی تلخ نہیں ہو سکتی تھی، جتنی ممی کے بعد کے ظلم کی بدولت ہو گئی، مگر انہوں نے انتہا پسندی سے کام لیتے ہوئے امی کو بازار حسن میں بیچ دیا، محض چند ہزار کے عوض، تاکہ وہ پھر کبھی ان کی زندگی میں دخل نہ دے سکیں اور اپنی مصیبت خود ہی بھگتتی رہیں، امی تب میچور نہیں تھیں، پھر ظلم کی چکی میں پس کر نکلی تھیں، جبھی اس ماحول سے فرار حاصل کرنے کی بجائے اسی میں رچتی چلی گئیں، یہ ان کی ایسی غلطی تھی جس پہ میں انہیں کبھی معاف نہ کر سکی، وہ اتنی بری نہیں تھیں، جتنا ممی نے انہیں بنا ڈالا تھا، ممی اپنے آدمیوں کو اس کے خلاف غلط خبریں پھیلانے پہ لگا چکی تھیں، تاکہ میں (جو امی کی کوششوں کی بدولت اس سارے راز سے واقف ہو چکی تھی جو ممی نے ہمیشہ مجھ سے چھپایا تھا) امی سے نفرت کرتی رہوں اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی رہیں، میں ہمیشہ نفرت ہی دیتی رہی امی کو ان کی محبتوں کے جواب میں، بھائی امی جتنی بھی بری تھیں، مگر وہ ایک بہترین ماں رہی ہیں، میری اتنی نفرتیں بھی ان کی محبت میں کبھی کمی نہیں کر سکیں، انہوں نے میری دھتکار کو بھی میری جانب اختیار کیے راستوں پہ اندھا دھند بھاگنے سے نہیں رکنے دیا، انہوں نے کبھی میری کسی خوشی یا غم کے موقع پہ مجھے نظر انداز نہیں کیا، انہوں نے کبھی میرے کسی ستم کو مجھ پہ نہیں جتلایا، وہ سرتاپا محبت تھیں وہ سر تا پا محبت بنی رہیں، مگر میں اتنی ہی کم ظرف تھی کہ اگر کبھی ان کے پاس گئی بھی تو اپنے مفاد کے پیش نظر، انہوں نے پھر بھی اپنی آخری پونجی میرے حوالے کر دی، بغیر کسی رد و کد کے، بغیر کسی احسان کے، میں نے کہا آپ مجھ سے نہ پوچھیے گا میں ایسا کیوں کر رہی ہوں، انہوں نے اپنی زبان کو سی لیا، میں نے کہا میں آپ کو آئندہ کبھی نہیں مل سکتی، انہوں نے اپنا دل مار ڈالا، مائیں تو ایسی ہی ہوتی ہیں ناں بھائی، بیٹیاں ایسی نہیں ہوتیں جیسی میں ہوں۔“ ژالے کی ہچکیاں بندھ رہی تھیں، معاذ پتھرایا ہوا کھڑا تھا، صرف اس کے نہیں نیلما کے بھی دکھ پہ دکھی، اس کے مضبوط اعصاب اس وقت شل ہو رہے تھے، لمحے یونہی سرکتے پھسلتے رہے، دونوں ہی اپنی اپنی جگہ شدید ترین اذیت کے عالم میں تھے۔

”جے کو پتا ہے؟ میرا مطلب ہے یہ ساری باتیں؟“ وہ خاص تاخیر سے خود کو سنبھال سکا تو ایک فطری سوال کیا تھا، ژالے نے ہتھیلی سے باری باری آنکھوں کو رگڑا اور مضمحل انداز میں سر کو نفی میں جنبش دی۔

”اور میں بتانا بھی نہیں چاہوں گی، کیا فائدہ۔“ وہ بے حد یاسیت سے کہہ رہی تھی۔

”آپ کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مجھے اسے نہیں بتانا ہے۔“ معاذ نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا تھا، ژالے نے ممنون و مشکور نظروں سے اسے دیکھا اور بھیگی پلکیں جھپکیں، معاذ گہرا سانس

بھرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''معاذ بھائی مجھے آپ سے معذرت کرنی تھی کہ...... امی کی غلط فہمی کی بناء پر آپ کو......'' وہ دروازے پہ پہنچ چکا تھا جب ژالے کی خفیف آواز پہ بے ساختہ پلٹا اور کسی قدر ناراضگی سے اسے دیکھا تھا۔

''پلیز بھابھی! مجھے شرمندہ نہ کریں، آپ قابل احترام ہیں تو آپ کے حوالے سے وہ از خود ہمارے لئے محترم ہوتیں، ویسے بھی انصاف پسندی سے سوچا جائے تو انہیں اس نوبت تک پہنچانے والے ہم جیسے ہی لوگ ہیں، ہم بھی کچھ نہ کچھ کردار تو نبھاتے ہیں اپنے رویوں سے ایسے لوگوں کی تباہی میں، ہم بہر حال خود کو معاشرے سے الگ نہیں کر سکتے، ہماری سب سے بڑی غلطی ہی یہی ہے کہ ہم برائی کی بجائے برائی کرنے والے کو نفرت سے دیکھتے ہیں، حالانکہ کوئی بھی پیدائشی برا نہیں ہوتا، مجرم کو مجرم بنانے کے عناصر پیدا کرنے والے بھی ہم ہوتے ہیں جس برائی کا آغاز برسوں قبل مسز آفریدی کے مفاد سے شروع ہو کر نفرت و عناد پر ختم ہوا اسے ہم جیسے خود کو پاکباز اور معتبر سمجھنے والے لوگوں نے اپنی نفرت اور تمسخر کا حصہ ڈال کر منطقی انجام تک پہنچا دیا، کاش کہ اپنے اپنے طور پہ ہم اپنی اصلاح کا بیڑا اٹھالیں تو ایک بہترین نظام اور مہذب معاشرہ خود بخود تکمیل کے مراحل طے کرلے گا۔'' معاذ متاسفانہ انداز میں کہہ کر پلٹ کر باہر چلا گیا، جبکہ ژالے اس کی باتوں کے اثر کے ہمراہ نڈھال سی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی، اس نے غلط کہاں کیا تھا، اس غلطی اس بگاڑ میں اس کا بھی حصہ شامل تھا، اس کا جو بنتی تھی، جسے یہ زیب نہیں دیتا تھا، وہ پھر رونے لگی تھی، یہ آنسو بہت گہرے ملال اور پچھتاوے کے تھے۔

☆☆☆

اس کو فرصت ہی نہیں وقت نکالے محسن
ایسے ہوتے ہیں بھلا چاہنے والے محسن
یاد کے دشت میں پھرتا ہوں میں ننگے پاؤں
دیکھ تو آ کے کبھی پاؤں کے چھالے محسن
کھو گئی صبح کی امید اور اب لگتا ہے
ہم نہیں ہوں گے جب ہوں گے اجالے محسن
حاکم وقت کہاں میں کہاں عدل کہاں
کیوں نہ خلقت کی زبانوں پہ لگیں تالے محسن
وہ جو اک شخص متاع دل و جاں تھا نہ رہا
اب بھلا کون میرے درد سنبھالے محسن

وہ صبح سے کچن میں گھسی ہوئی تھی، بہانہ مصروفیت کا بنا کر مقصد سب سے کٹنا تھا، دل اتنا ٹوٹا ہوا تھا کہ بار بار آنکھیں چھلک جاتی تھیں، کتنے دنوں سے وہ بار بار چھپ چھپ کر روتی تھی، حالانکہ شاہ ہاؤس میں تو خوشیوں کے رنگ پھر سے اترنے لگے تھے، زیاد اور نوریہ کی شادی کی آج

ڈیٹ فکس ہوگئی تھی، مگر اس کا دل ملول کا ملول رہا تھا تو وجہ جہان کی ناراضگی ہی تھی، کتنے دن ہو گئے تھے اس ایک بات کو، مگر جہان کا رویہ اس کے ساتھ تبدیل ہو کر نہیں دے رہا تھا، وہ اس سے بات کرتا تھا نہ اس کی بات کا ہی جواب دیتا تھا، بات یہیں تک رہتی تب بھی ٹھیک تھا، مگر وہ تو اس کی باری کے دنوں میں بھی اس کے کمرے میں آنا چھوڑ چکا تھا، یعنی اتنا خفا تھا اس سے یا اتنی نفرت کرنے لگا تھا کہ اس کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں رہا تھا، بھرم رکھنا اس سے بڑھ کر کون جانتا تھا، مگر وہ سب کے سامنے بھی ضرورتاً اس سے مخاطب ہونا ترک کر چکا تھا، تو کیا کسی نے یہ گریز نہ پایا ہوگا؟ یہ چپقلش محسوس نہ کی ہوگی؟

کی ہوگی لازمی، مگر...... مگر جہان نے پرواہ کرنا چھوڑ دی تھی، یہ بھی نہیں تھا کہ زینب نے اسے منانے یا صفائی پیش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، جس روز معاذ گھر لوٹا تھا، زینب اتنی ہی ریلیکس ہوگئی تھی کہ فی الفور جہان کے سامنے ساری بات رکھ کے اسے منالینا چاہتی تھی، یہ اتفاق تھا کہ اس روز باری بھی زینب کی تھی، یعنی جہان کو اس شب اسی کے ساتھ ہونا تھا، زینب کے لئے یہ اطمینان کافی تھا، فاطمہ کو سلانے کے بعد اس نے خود کو بہت دنوں بعد توجہ دی تھی، ٹی پنک بہت خوبصورت پیروں کو چھوتی فراک کے ساتھ پرل کا نازک سا سیٹ، ہونٹوں پہ اس نے نیچرل کلر کی لپ اسٹک کا ہلکا سا ٹچ دیا تھا، بالوں کو سلجھا کر اس نے کمر پہ یونہی کھلا چھوڑ دیا تھا، جہان کا انتظار شروع ہوا تو بستر کے کنارے ٹکے ٹکے اس کی آنکھ لگ گئی تھی، دوبارہ اس وقت ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی جب آہٹ محسوس کی تھی، اس نے خمار آلود گلابی ڈوروں سے سجی نیم وا آنکھوں سے دیکھا، جہان وارڈ روب کے پاس کھڑا نظر آیا تھا، وہ سرعت سے سیدھی ہوئی اور اپنے لباس سے الجھتی آ کر اس کے پہلو میں کھڑی ہوگئی۔

''آج بہت دیر کیوں کر دی آپ نے جے! میں انتظار کر رہی تھی۔'' ریشمی بے ترتیب بالوں کی کچھ لٹیں اس کے شبنمی گالوں کے گرد لہرا رہی تھیں، آنکھیں ستاروں کی مانند دمکتی تھیں وہ ادھ کھلے گلاب کی مانند نظر آتی تھی، بے حد حسین بے حد تر و تازہ، جہان نے ایک نگاہ ڈال کر چہرہ پھیر لیا، زینب نے اس کی خفگی کو صاف محسوس کیا، اس کا دل سینے میں بے طرح دھڑ دھڑایا، مگر بظاہر نارمل انداز میں گویا ہوئی۔

''آپ ہٹیں میں نکالتی ہوں کپڑے۔'' اس کے بازو پہ اپنا ہاتھ رکھتی وہ جیسے ہی بولی، جہان نے بے حد متنفرانہ انداز میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا، اس کے چہرے پہ کسی لچک کا کوئی تاثر نہیں تھا جو زینب کی حساسیت کو بری طرح ادھیڑ کے رکھ گیا، بے بسی شرم خفت و خجالت مل جل کر اس کی آنکھیں بھگو گئی، دھڑکنیں چیخنے لگیں۔

''میں جانتی ہوں آپ خفا ہیں۔'' سر جھکائے آنسو پیتی وہ افسردگی سے کہہ رہی تھی، جہان نے جیسے ان سنی کر دی، جس چیز کی تلاش تھی شاید وہ نہیں ملی، جبھی زور سے دروازہ بند کرتا وہ باہر جانے کو پلٹا تھا کہ زینب تڑپ کر اس کے راستے میں آ کر کھڑی ہوگئی۔

''کہاں جا رہے ہیں؟ میری بات تو سنیں۔'' وہ رو ہی پڑی تھی، جہان نے سرد نظروں سے

اس کا چہرہ دیکھا۔

''راستے سے ہٹو۔'' وہ بے حد روڈ ہو رہا تھا، زینب کو اور شدتوں سے رونا آیا، جہان کا یہ روّیہ تو کبھی نہیں سہا تھا اس نے۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں، مم...... میں اس روز تیمور سے ملنے نہیں اسے شوٹ کرنے کے ارادے سے گئی تھی، میرے پاس جو گن اور......''

''تمہیں کیسے سمجھ آئے گی کہ مجھے تمہاری ان فضول باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' وہ پھنکار کر ڈپٹنے کے انداز میں اتنے رہانت آمیز لہجے میں بولا تھا کہ زینب اپنی بات اپنے الفاظ تک بھول کر اسے فق چہرے سے دیکھنے لگی۔

''آپ......'' معاً اس نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا کہ جہان نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔

''تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں، تمہارے دیگر کیا مقاصد تھے، یہ سب تم اس روز مجھے بتا چکیں صرف بتا نہیں چکیں، تم یہ ثابت بھی کر دیتیں اور میں تمہیں وہاں سے اگر ساتھ لے کر آیا تھا تو اس کی وجہ صرف ہمارے خاندان کی عزت کا سوال ہی تھا، ورنہ تم بہرحال شروع سے اپنی مرضی کی مالک تھیں ہو......اور رہو گی، میں تمہارے نزدیک کیا حیثیت رکھتا ہوں، آئندہ تمہیں یہ بتلانے کی زحمت نہیں ہوگی۔''

وہ جس حد تک تلخ ہوا تھا جتنے غصے میں تھا جس قدر بری طرح سے ہرٹ ہوا تھا، اس کے لہجے و انداز سے بھی وہی رنگ چھلکتے تھے اور زینب کی ہستی کو تاراج کرتے چلے گئے تھے، وہ پل بھر میں سرد پڑ چکی تھی، آنکھوں تلے جیسے اندھیرے چھا رہے تھے، آنسو بے اختیار بہنے لگے، معاً وہ یکدم پلٹی، بھاگ کر بستر پہ دھرا اپنا فون اٹھایا اور واپس آ کر جہان کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اسے تھمانا چاہا۔

''یہ...... میرا فون...... آپ رکھ لیں، میں کبھی بھی اس شیطان سے بات نہیں کرنا چاہوں گی، لیکن اگر فون میرے پاس رہا تو آپ کو یقین نہیں آ سکے گا کہ میں......'' جہان نے بے حد درشتی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچا تو فون چھوٹ کر نیچے دونوں کے قدموں کے درمیان جا پڑا، وہ کتنا مشکل لگ رہا تھا، آنکھوں میں اترتی لالی اور چہرے کی بڑھتی ہوئی سرخی زینب کو خائف کرنے کو کافی ثابت ہو رہی تھی۔

''میں ایسی فضول پابندیوں کا لگانے والا کون ہوتا ہوں، ایسی پابندیوں سے ویسے بھی کسی پہ سرکشی کے دروازے بند نہیں کیے جا سکتے۔'' جہان کا لہجہ اشتعال آمیز تھا، زینب کو جیسے کسی نے چابک رسید کیا، آنکھوں میں آنسو بھرے وہ اسے بے بسی کی نگاہ سے دیکھے گئی۔

''میں نے مان لیا، مجھ سے غلطی ہوئی، لالے کی وجہ سے میں بہت اپ سیٹ ہو گئی تھی بے جا! جو اس نے دھمکیاں دی تھیں، مجھے کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا، وعدہ کرتی ہوں، آئندہ کچھ نہیں چھپاؤں گی آپ سے معاف کر دیں مجھے پلیز۔'' بہتے آنسو ملتجی انداز اور زینب جہان کیسے نظر انداز کرتا، مگر اس وقت غصہ اتنا شدید تھا، اعتماد اس بری طرح مجروح تھا کہ اس پہ کسی بھی چیز کا اثر نہیں ہوا۔

''میں منافق نہیں ہوں زینب! منافقت برداشت نہیں کر سکتا، آج کے بعد تمہیں کم از کم مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی، معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔'' سرد تر سنجیدہ لہجے میں کہتا وہ پلٹ کر ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا، زینب کو یقین نہیں آ رہا تھا، یہ وہی جہان ہے، وہ اس رات ہی نہیں اس کے بعد بھی اس کا انتظار کرتی رہی، مگر وہ اسے موقع نہیں دے رہا تھا کہ کسی ازالے کا، کسی معافی تلافی کا، مگر زینب ہمت نہیں ہار رہی تھی، وہ ہر صورت اسے منانا چاہتی تھی، جبھی بار بار اسے متوجہ کرنے مخاطب کرتی رہی تھی، ناشتے کی ٹیبل پہ، کھانے کی میز پہ، اس کی توجہ کا مرکز صرف وہی ہوا کرتا، سلائس پہ مکھن لگا کر اسے پیش کرتی، جہان بریڈ سے دستبردار ہو جاتا، وہ چائے بنا کر دیتی، جہان کو جوس کی طلب ہو جاتی۔

''بریانی خاص کر آپ کے لئے بنائی ہے بے جا!'' کھانے کے دوران اس نے سب کے سامنے اسے مخاطب کیا تھا اور ڈش اس کے سامنے کی، زیاد کھنگارنے لگا، معاذ کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ہمیں تو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔'' معاذ نے پرنیاں کی مصروفیات کو نشانہ بناتے مصنوعی آہ بھری۔

''آپ بھی لے لیں۔'' زینب نے ہی ڈش اس کی جانب سرکائی تھی۔

''تم کیوں نہیں لے رہے ہو بے جا!'' معاذ نے جہان کا گریز محسوس کر لیا تھا، اس کے انداز میں حیرانی تھی۔

''کچھ تیزابیت ہو رہی ہے آج کل، نہیں کھا سکتا۔'' جواب بھی معاذ کو دیا تھا، زینب اسے دیکھتی رہ گئی۔

''کچھ اور بنا لاؤں؟ بتا دیں جو پسند کریں۔'' زینب پھر اسی سے مخاطب تھی، جہان نے ناچار سر نفی میں ہلایا، مگر اسے دیکھے بنا، زینب کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا لگنے لگا، اسے لگا اگر وہ ایک لمحہ بھی وہاں ٹھہری تو سب کے بیچ پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی، جہان کی بے اعتنائی سہنا اس کے بس کی بات رہی ہی نہ تھی، جبھی تیزی سے اٹھ کر وہاں سے آ گئی تھی۔

یہ تغافل تیرا نیا تو نہیں
مجھ سے تو بے خبر تھا پہلے بھی

کچن میں آ کر وہ منہ پہ پانی کے چھپاکے مارتی بے قراری سے روتی رہی تھی، اس سے کچھ نہیں کھایا جا سکا، بھابھی برتن سمیٹ کر کچن میں لا کر رکھ رہی تھیں، وہ وہیں رخ پھیرے کھڑی دھوتی رہی، ان کے منع کرنے کے باوجود، اسے حالات سے فرار چاہیے تھا، جو اسی صورت ممکن تھا، مگر نہیں جانتی تھی، اس کی ہزار پردہ داری کے باوجود گھر میں موجود تینوں جہاندیدہ خواتین ان کے بیچ موجود سرد مہری کو محسوس کر چکی ہیں، پرنیاں کا معاملہ الگ تھا، وہ عدن کی مصروفیات میں کھوئی رہتی تھی، دن بھر گرد و پیش کا ہوش اسے کم ہی رہتا تھا، رہی سہی کسر معاذ پوری کیے رکھتا، وہ جتنی دیر گھر ہوتا اس کی خواہش ہوتی پرنیاں بس اسی پہ توجہ دے، وہ اس کی عدم توجہی نہیں سہہ سکتا

تھا، اگر کبھی بھولے سے بھی پرنیاں اس توجہ میں معمولی غفلت کرتی تو اگلے کئی دنوں کو وہ اپنا موڈ اس سے خراب کر کے اس کے حواس چھین لیا کرتا تھا، مما کی خود کوشش ہوتی، معاذ کی موجودگی میں عدن کو زیادہ تر خود اپنے پاس رکھیں، جہاں تک ژالے کی بات تھی تو زینب کو یقین تھا وہ بھی مما کی طرح اس بات سے انجان نہیں رہی ہے، اسے سب سے زیادہ خفت ژالے کے سامنے ہی محسوس ہوتی تھی، آنکھوں کی نمی پونچھ کر اس نے یاسیت آمیز سانس کھینچتے اس نے نل بند کر کے ہاتھ خشک کیے اور دودھ نکال کر فریج بند کی اور دودھ گرم ہونے کو چولہے پہ رکھ دیا، فاطمہ زیادہ تر ژالے اور جہان کے پاس ہی ہوا کرتی تھی، اس سے جتنا بھی خفا تھا وہ، مگر فاطمہ سے ذرا سی بھی غفلت نہیں برت سکا تھا جہان، زینب کی تقویت کا سب سے بڑا باعث یہی محبت تھی جہان کی، وہ رخ پھیرے سنک پہ فیڈر دھو رہی تھی، جب جہان اپنے دھیان میں اندر آیا تھا اور آگے بڑھ کر فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالتے اسے دیکھے بنا بولا۔

''ایک کپ چائے بنا کر دو مجھے ژالے!'' زینب نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا، اسی پل جہان کی نگاہ بھی اٹھی تھی، نگاہوں کا یہ تصادم زینب کے لئے تباہ کن تھا تو جہان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا، خوب صورت پرنٹ کے پنک کلرز کے لباس میں دوپٹہ شانوں پہ سلیقے سے پھیلائے وہ گلاب کے پھول جیسے روئی روئی آنکھوں والی لڑکی اتنی اٹریکشن اپنے اندر ضرور رکھتی تھی کہ جہان تمام تر ناراضگی کے باوجود اپنا دل اس کی جانب کھنچتا محسوس کرنے لگا، مگر یہ لمحاتی کیفیت تھی، اگلے لمحے وہ سر جھٹک چکا تھا۔

''رکیں جے! میں بنا رہی ہوں چائے۔'' اسے تیزی سے کچن سے باہر جاتے پا کر زینب سرعت سے پکاری تھی، جہان کے قدم ٹھٹکے اور چہرے کے عضلات تن گئے تھے۔

''آپ کو اس زحمت کی ضرورت نہیں ہے۔'' اسے دیکھے بغیر وہ درشتی سے کہہ گیا، لہجے میں بے پناہ تلخی تھی، زینب کو اس کا رویہ اب ابھی تکلیف تو دیتا تھا، مگر وہ اب اس کی عادی بھی ہوتی جا رہی تھی۔

''مگر آپ تو کہہ رہے تھے......''

''تمہیں نہیں کہا تھا۔'' جہان کا لہجہ تنک بھی تھا اور جتلاتا ہوا بھی، اسے اس کی حیثیت، اس کا مقام، زینب کا چہرہ پھیکا پڑنے لگا۔

''آپ مجھے معاف نہیں کریں گے جے تو مر جاؤں گی میں، آپ کا یہ رویہ زہر قاتل ہے میرے لئے۔'' وہ سسکی دبا کر جیسے منت کے انداز میں بولی تھی، جہان بے حس بنا کھڑا رہا۔

''میرا اعتبار کر لیں جے! میرے ہر رویے کے پیچھے آپ کو کھونے کا خوف لاحق تھا اور بس...... اس کے باوجود مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے آپ سے سب چھپایا، اس نے مجھے ٹریپ ہی اس طرح کیا تھا کہ......'' اسے تھم جانا پڑا، دودھ ابل کر کیتلی کے کناروں سے باہر آ رہا تھا، وہ ایکدم گھبرا گئی، بجائے برنر آف کرنے کے اس نے تیزی سے حرکت میں آتے کیتلی کو اٹھانے کی کوشش کی تھی، یہ اس کی غیر حاضر دماغی اضطراب کا واضح ثبوت تھا، نتیجہ ظاہر تھا، اس کے حلق سے

ہلکی دبی ہوئی چیخ پھر کرب آمیز کراہیں نکلی تھیں، تڑپ اٹھنے کے انداز میں یکدم پیچھے ہاتھ کھینچ لینے کے باوجود تپش اپنا اثر دکھا چکی تھی، اس نے دھندلائی ہوئی نظروں سے متاثرہ ہاتھوں کو دیکھا، گلابی پوریں ایکدم سرخ ہو رہی تھیں، ان سے اٹھنے والا جلن کا کرب آمیز احساس اس کے پورے وجود میں پھیلتا جا رہا تھا، ٹپ ٹپ کتنے آنسو بے اختیار ہو کر برسے تھے، مگر اس کی توجہ کا مرکز نہ متاثرہ ہاتھ تھے نہ یہ آنسو، وہ کانپتے ہونٹوں اشکبار آنکھوں سے جہان کو تک رہی تھی، جو دروازے کے پاس کھڑا ساکن نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا، پھر وہیں سے پلٹ کر باہر چلا گیا، زینب جیسے سکتے میں آ گئی، اسے یقین ہی آ کر نہیں دیتا تھا کہ جہاں اسے ایسے تکلیف میں چھوڑ کر بھی جا سکتا ہے، وہ بھی اتنی بے اعتنائی سے، اس کے آنسوؤں میں جیسے یکدم بہت شدت آ گئی تھی، کوئی لاوہ تھا جو پھوٹ پڑا تھا اور تھمنے کے امکان نہیں تھے، اسے مما کی بات یاد آئی، جو انہوں نے اس کے اور جہان کے بیچ موجود سرد مہری کو محسوس کرنے کے بعد اسے سمجھانے کو کہی تھی۔

''ہمیشہ یہ بات یاد رکھنا زینی بیٹا! مرد کتنا ہی چاہنے والا کیوں نہ ہو، مگر اس کا دل آسمان کی طرح وسیع ہوتا ہے جس میں ایک وقت میں بہت سے چاند سما سکتے ہیں، عورت کے لئے اس کی محبت چاند کی مانند ہی ہوتی ہے، دیکھنے میں بہت تیز چمکدار خیرہ کن مگر بڑھنے گھٹنے والی، اسے کبھی بھی غلط رویوں کے سورج کے مقابل نہیں لے کر آنا، ورنہ یہ گھٹ جائے گی اور ہمیشہ کے لئے اس پہ گرہن لگ جائے گا اور اگر مرد کی محبت پہ گرہن آ جائے تو کبھی یہ محبت ویسی اجلی بے غرض اور چمکدار نہیں رہتی، اس کا دامن تنگ سے تنگ پڑتا چلا جاتا ہے، اتنا تنگ کہ پھر عورت کا دم گھٹنے لگتا ہے، مرد محبت میں اس بچے کی طرح ہوتا ہے جو اپنی ماں کی محبت اور توجہ کا بار بار خواہاں رہتا ہے اور ویسے بھی، اظہار تو بارش کی طرح ہوتا ہے، اسے محبت کے پودے کی تازگی اور نمو کے لئے بھی کبھی کبھی ہلکے ہلکے برستے رہنا چاہیے، تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات......؟'' اس کی خاموشی کو محسوس کرتے انہوں نے اسے ٹوک کر پوچھا تھا، وہ محض سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

''جہان بیٹا ماشاء اللہ سے بہت سمجھ دار ہیں، انہیں اگر آپ سے کوئی شکایت ہے تو مجھے پورا یقین ہے، ہر گز بے جا نہیں ہو گی، آپ کو اپنی اس غلطی کو سدھارنا چاہیے اور اگر وجہ ژالے ہے تو بیٹے اس بچی کا خود پہ احسان اور نیکی کو کبھی فراموش نہ کرنا آپ۔'' زینب یاسیت سے مسکرا دی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے مما! مجھے ژالے سے کوئی شکایت نہیں، میں اس کا احسان بھی کبھی فراموش نہیں کروں گی اللہ نے چاہا تو۔'' اس کا لہجہ مدھم تھا، افسردگی سے لبریز۔

''بجو......!'' ماریہ کی آواز پہ اس نے آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اٹھائیں، وہ اس کے پاس کھڑی تھی۔

''ہاتھ کیسے جل گیا آپ کا؟ جہان بھائی نے یہ مرہم بھیجا ہے، لائیں لگا دوں۔'' زینب کے وجود کے ساتھ جیسے روح پہ بھی غضب کی جلن اتر آئی، جہان کی یہ ہمدردی سے مزید اذیت سے دوچار کر گئی تھی۔

''لے جاؤ یہاں سے، مجھے ضرورت نہیں ہے، نہ ان کی بھیجی دواؤں کی نہ ان کی ہمدردی

کی۔" بھراہٹ زدہ آواز میں کیسی وہ رخ پھیر کر کھڑی ہوگئی کہ، کے ہوتے آنسوؤں پھر ابل پڑے تھے۔

"مگر بجو......!"

"پلیز ماریہ! چلی جاؤ یہاں سے۔" وہ اتنی عاجزی سے بولی تھی کہ ماریہ کچھ دیر بے بس لاچار نظروں سے اسے دیکھتی رہنے کے بعد ڈھیلے قدموں سے پلٹ گئی تھی، زینب پھر اکیلی رہ گئی تھی، اپنے دکھوں اپنی وحشتوں کے ہمراہ۔

☆☆☆

کتنی چاہت چھپائے بیٹھا ہوں
یہ نہ سمجھو کہ مجھ کو پیار نہیں
تم جو آتے ہو میری دنیا میں
اب کسی کا بھی انتظار نہیں

زیاد کی فرمائش پہ معاذ گانا سنا رہا تھا، کورم پورا تھا، بس اک زینب کی کمی تھی، اسے بھی ربنیاں زبردستی کھینچ کھانچ کر لائی اور صوفے پہ جہان کے مقابل دھکیل دیا، وہ سنبھلے بنا جہاں سے ٹکرائی تھی، کاندھے سے کاندھا گھٹنے سے گھٹنا ٹکرا گیا، وہ اپنی جگہ سے ہل کر رہ گیا تھا، مگر اسے نہیں دیکھا، گود میں فاطمہ تھی، دوسری جانب ژالے وہ اس کے علاوہ ہر جانب متوجہ تھا، زینب جس حد تک کنفیوژ ہوئی، جہان اسی قدر بے تاثر نظر آ رہا تھا، زینب نے اس کی بے نیازی کو محسوس کیا اور دل کو خون ہوتا دیکھتی رہی۔

وہ اسے دیکھتی رہی، دیکھتی رہی، اس خواہش اس ضد میں کہ جہان بھی اسے دیکھے، مگر جہان بے خبر تھا، لاتعلق تھا، لاتعلق رہا، اس کی خواہش حسرت میں ڈھلی، ضد ہارتی چلی گئی، آنکھیں آنسوؤں سے دھندلائی تھیں تو جہان کا خوبرو چہرہ اپنا تاثر کھونے لگا، اس نے ہونٹ کاٹے اور نظر جھکا دی، اب وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو کھوج رہی تھی۔

چاند تاروں کی سہانی راتیں
کیسے بھولوں وہ ملاقاتیں
کتنی دلکش ہیں کتنی پیاری ہیں
یاد آتی ہیں تمہاری آنکھیں
دل کی شمع جلائے بیٹھا ہوں
اب تو خود پہ بھی اختیار نہیں
کتنی چاہت چھپائے بیٹھا ہوں
یہ نہ سمجھو کہ تم سے پیار نہیں

معاذ نے گانا ختم کیا، پھر حسان کو دیکھ کر تائیدی انداز میں بھنوؤں کو جنبش دے کر مسکرانے لگا۔

"ہے نا جے!" جہان نے جواباً بے نیازی سے کاندھے اچکا دیئے۔

"کیا مطلب ہے مجھے کیا پتا؟ یہ تمہاری کیفیت بیان کی ہے میں نے، تمہیں نہیں لگتا کوئی منتظر ہے؟" معاذ کی نگاہ لمحہ بھر کو زینب کے گم صم انداز پہ ٹھہری تھی اور جہان کو غصے سے گھورا، جہان پہلے چونکا، پھر کسی قدر خائف ہوتا آنکھ سے اسے کچھ اشارہ کرنے لگا، جسے خاطر میں لائے بغیر معاذ نے نخوت سے نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا تھا، جہان نے اک نظر زینب کے ساکن وجود کو دیکھا تھا پھر گود میں موجود ہمکتی ہوئی فاطمہ کو ژالے کے حوالے کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم اٹھو...... مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ اس کے سر پہ سوار ہوا۔

"پھر کبھی کر لینا یار!" معاذ زینب کی جانب سے تشویش کا شکار ہو چکا تھا، جبھی دامن بچایا، مگر جہان اس کے انکار کو خاطر میں لائے بغیر ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا تھا۔

"افوہ...... کیا ہو گیا ہے تمہیں جے؟" جہان کی اس زبردستی پہ معاذ چلبلا سا گیا تھا۔

"اندر کیا فضول حرکتیں کر رہے تھے تم؟" جہان کے آنکھیں نکالنے پہ معاذ نے حیرانی کا تاثر ضروری خیال کرتے آنکھیں پھیلا لیں۔

"یہ کس قسم کا الزام ہے؟ میں اپنی بیوی سے دس فٹ کے فاصلے پہ تھا، گواہ ہے تو بھی، اتنی دوری سے رومانس۔"

"شٹ اپ معاذ......!" وہ دھاڑا تھا، پھر اس کی گردن اپنے مضبوط ہاتھ میں دبوچ لی۔

"اندر کیا بک بک کر رہے تھے؟" معاذ جان بوجھ کر پھڑ پھڑانے لگا۔

"کوئی ہے؟ ارے یہ مارنے لگا ہے مجھے...... خدارا بچاؤ۔" اس کی اداکاری کمال تھی، جہان نے جھنجھلاہٹ کا شکار ہوتے اسے زور سے دور دھکیل دیا۔

"مجھے صاف لگ رہا ہے تم زینب کے ساتھ مس بی ہیو کر رہے ہو، تم نے شاید غور سے نہیں دیکھا اسے...... ہر گزرتا دن اسے گھلاتا جا رہا ہے، ویسے بھی اب کیا تکلیف ہے تمہیں؟ دیکھو جے...... اگر تم نے نہ بتایا اسے تو میں خود کھول دوں گا تمہارے سارے بھید، یہ بھی کہ جو اس کی شادی کی رات تمہاری حالت ہوئی تھی۔" معاذ کی اعلیٰ پائے کی معلومات پہ جہان یکدم ساکن ہو کر رہ گیا تھا، پھر اسے گھورا۔

"اتنی دھاندلی......؟" اس نے معاذ کو زوردار گھونسہ دے مارا۔

"دھاندلی تم کر رہے ہو۔" معاذ فوراً لال پیلا ہونے لگا، جہان کے اندر تھکن بسیرا کرنے لگی۔

"تم نہیں سمجھتے معاذ کیا کچھ ہو رہا ہے میرے ساتھ۔" اس کی آنکھیں کرب سے بوجھل ہو رہی تھیں، اس پل وہ کتنا مضطرب اور لاچار نظر آ رہا تھا، نڈھال تھکا ہوا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا، ایک بار زینب کو یقین دلا دے کہ تو اسی سے محبت کرتا رہا ہے۔" معاذ نے گویا راستہ دکھایا تھا، جہان نے سرخ ہو کر دہکتی آنکھوں سے اک نظر اسے دیکھا۔

"بتا چکا، مگر یقین دلانا میرے بس کی بات تو نہیں۔" جہان نے سرد آہ بھری تھی، معاذ ششدر سا ہونے لگا۔

''یہ بھی...... کہ وہ ڈائری تو اسی کے لئے لکھتا تھا؟ اور وہ تصویر......؟'' معاذ کی آنکھوں میں سوال اتر رہے تھے۔

''ان سب کی اہمیت خود بخود صفر ہو جاتی ہے معاذ!'' جہان بے دلی سے کہہ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

زینب کی حماقتوں کی داستان اتنی طویل اور فضول تھی کہ اس کے بھائی ہونے کے ناطے معاذ سے شیئر بھی نہیں کی جا سکتی تھی، معاذ نے اب کی بار ٹھٹک کر اسے دیکھا، اس کے ہر انداز سے اتنی تھکن اور بے زاری چھلکتی تھی جو ہرگز نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔

''کیوں ضرورت نہیں ہے جے! پہلے نہ سہی مگر اس بات کا اس کے علم میں ہونا بہت بہتر کر سکتا ہے تمہارے تعلقات کو۔'' اب کے جہان نے جواب نہیں دیا، البتہ اس کے ہونٹوں کی تراش میں ایسی مسکان اتری تھی جس میں خود اذیتی کا رنگ بہت گہرا تھا، معاذ کے واپس کمرے میں چلے جانے کے بعد بھی وہ وہیں کھڑا رہا تھا، زینب کے متعلق اس کا دل آج کل بہت زیادہ غصیلا ہو رہا تھا، کسی ضدی ہٹ دھرم بچے کی مانند...... زینب کے وہ الفاظ اس کی روح پہ تازیانوں کی مانند ضرب کاری کرتے تھے۔

وہ اس سے محبت نہیں کرتی، وہ اس سے کبھی بھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ اس تعلق کو مزید قائم نہیں رکھ سکتی تھی، ان کے بیچ اور کچھ نہ بھی رہا ہو، ان کے بیچ عزت اور بھرم ہمیشہ رہا تھا، یا پھر جہان نے کبھی اپنی کوششوں سے، اپنے ظرف سے اسے بحال رکھا تھا، ٹوٹنے نہیں دیا تھا، پھر زینب نے اس عزت کی دھجیاں کیوں بکھیری تھیں؟ وہ جتنا سوچتا اسی قدر ٹوٹتا چلا جاتا۔

وہ اتنی صاف گو کیوں ہوئی تھی کہ جہان کی مردانگی اس کی عزت نفس کا بھی خیال نہ رکھ سکی، وہ اتنا حقیر کیوں سمجھتی تھی اسے کہ پاؤں کی ٹھوکر سے اس کا اپنی زندگی میں مقام متعین کرتی تھی، وہ انسان تھا، فرشتہ نہیں، پھر کیسے اتنی ذلت سہہ جاتا، کیوں بھلا بار بار اسے موقع دیتا کہ وہ اس کے جذبات سے کھیلتی رہے، اب وہ اسے کیوں منانی تھیں؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

اگر وہ ڈر رہی تھی کہ اس کا بھید کھول دوں گا تو بے جا تھا اس کا ڈر، ہاں البتہ وہ اسے اب چھوڑ نہیں سکتا تھا، اس میں صرف خاندان کی ذلت نہیں تھی، وہ سب سے بھی دور پڑ جاتا، نکاح کو کھیل سمجھنے والوں میں شمار ہونا گوارا نہیں تھا اسے، حلالہ یہ تھوڑی تھا جو زینب سمجھ رہی تھی یا جو زینب کو تیمور نے سمجھا دیا تھا، حلالہ کی اصل حقیقت جو اللہ نے قرآن حکیم میں واضح فرمائی ہے یہی ہے کہ کسی بھی وجہ سے اگر مرد عورت میں طلاق ہو جائے اور عورت اپنی مرضی اور خوشی سے دوسرا نکاح گھر بسانے کی نیت سے دوسرے مرد سے کر لے، پھر اگر کسی وجہ سے شادی ختم ہو جائے یا شوہر کا انتقال ہو جائے اور پہلا شوہر نیک نیتی سے سابقہ بیوی کو عقد میں لینا چاہے اور عورت کی بھی رضا مندی شامل ہو تو یہ جائز صورت ہے، یعنی یہ خود بخود حلالہ ہو گیا، نہ کہ آج کل جو لوگوں کے ذہنوں میں تصور قائم ہو گیا تھا، میاں بیوی لڑائی جھگڑے میں جذباتیت میں آ کر طلاق دے اور پھر پچھتاوے کا شکار ہوتے بیوی کو کسی اور مرد سے نکاح پہ مجبور کرے، بیوی بھی اس کا ساتھ دے اور جس مرد کو

اس کھیل میں شامل کیا گیا، اگر وہ انجان ہے تو اسے دھوکہ دیا، یہ الگ گناہ، اگر وہ انجان نہیں اور اس کھیل میں دانستہ شامل ہوا ہے تو اس پہ اللہ کا غضب ویسا ہی ہے جیسا ان مرد عورت پہ جو دوبارہ ایک ہونے کو نکاح کو مذاق سمجھتے ہوئے ایسا کرتے ہیں یہ ہرگز حلالہ کی جائز صورت نہیں ہے۔

جہان یہ سب جانتے بوجھتے بھلا ایسا غلط کام کیوں کر سکتا تھا، کسی بھی صورت ممکن نہیں تھا، زینب سے اگر وہ خفا تھا، تو اس کا حق بھی محفوظ رکھتا تھا وہ، زینب دھوکے دہی کی مرتکب ہوئی تھی اور ایسی عورتوں کے لئے قرآن میں رب کا حکم ہے'' کہ انہیں مارو اگر یہ باز نہ آئیں تو خواب گاہوں میں ان سے الگ ہو جاؤ۔''

جہان زینب کو نصیحت کرنا چاہتا تھا، سبق سکھانا چاہتا تھا، اس کے باوجود وہ اس کی ہدایت کے لئے بھی رب سے دعا گو تھا، یہ سب تھا، اس کے باوجود اس میں شک نہیں تھی کہ وہ لڑکی اپنی تمام تر حماقتوں کے باوجود اسے عزیز تھی۔

لاؤنج میں محفل ابھی بھی عروج پہ تھی، مگر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے کمرے میں آ گیا، اس کا دل اتنا بجھا ہوا رہتا تھا کہ کہیں نہیں بہلتا تھا، ژالے اسے نہ پا کر ہی ڈھونڈتی ہوئی کمرے میں آ گئی تھی۔

''طبیعت ٹھیک ہے ناں آپ کی شاہ!'' سگریٹ کے کش لیتا گریبان کے سارے بٹن کھولے گم صم جہان اسے ہرگز بھی نارمل نہیں لگا تھا، جہان نے چونکتے ہوئے سرخ نظروں سے اسے دیکھا اور سگریٹ ایش ٹرے میں اچھال دی۔

''ژالے یہ دروازہ بند کر دو اور لائٹ بھی، مجھے آرام کرنا ہے۔'' اس نے شرٹ اتار کر پھینکتے ہوئے کہا، اس کا لہجہ ہنوز بھینچا ہوا تھا۔

''شاہ......! آپ پریشان ہیں؟'' ژالے اس کے نزدیک آ گئی تھی، وہ ایسی بیوی تھی جو اپنے ساتھی کی ہر جنبش سے اس کے مزاج کی کیفیت کو پرکھ لیتی ہے، یہ اضطراب وہ بہت دنوں سے محسوس کر رہی تھی، مگر دانستہ پوچھا نہیں تھا، وجہ زینب تھی وہ جانتی تھی اور زینب کے معاملے میں وہ بہت محتاط رویہ اختیار کرتی تھی، وجہ یہ نہیں تھی اسے زینب کا خیال نہ تھا، ہاں وہ یہ ضرور سوچتی تھی، اس کی کسی بھی حرکت سے زینب کا معمولی سا بھی نقصان کا باعث نہ بن جائے۔

''نہیں ٹھیک ہوں، تم اگر سب کے پاس جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ۔'' جہان نے اسے مطمئن کرنے کو دانستہ لہجے کو نارمل کیا، ژالے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر آہستگی سے اس کے پہلو میں ٹک گئی، اسے اپنا گریز اٹھانا پڑا، اس کا خیال تھا اب اسے بات کرنی چاہیے تھی، زینب اور جہان کا معاملہ بہت سنجیدہ نوعیت اختیار کر رہا تھا، یہی نہیں چاہتی تھی وہ۔

''نہیں میں آپ کے پاس زیادہ ریلیکس رہتی ہوں۔'' ژالے نے دانستہ مسکرا کر اسے دیکھا، جتنی بڑی بات وہ کرنے جا رہی تھی، اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ پہلے جہان کا موڈ بحال کرتی، جہان نے گردن موڑ کر اسے نرم لو دیتی نظروں سے اسے دیکھا، پھر ہاتھ بڑھا کر اسے بازو کے حصار میں لے کر خود سے نزدیک کر لیا۔

''انشاءاللہ تم ہمیشہ میرے نزدیک رہو گی اور ریلیکس بھی۔'' وہ اس کی پیشانی چوم کر نرمی سے کہہ گیا، ژالے کے اندر جنموں کا سکون اترنے لگا، کچھ کہے بغیر اس نے اپنا سر جہان کے کاندھے سے لگا دیا تھا۔

''آپ زینی آپی کے پاس کیوں نہیں جا رہے ہیں شاہ! کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا خدانخواستہ؟'' اس نے بالآخر بات کا آغاز کر دیا تھا، چاہے جتنا بھی ڈرتے ہوئے کیا، اس کے بالوں میں سرسراتی جہان کے ہاتھ کی انگلیاں یکدم ساکن ہو کر رہ گئیں، وہ کچھ نہیں بولا تھا، البتہ ہونٹ باہم بھینچ لئے تھے، ژالے نے اس خاموشی کو اس خاموشی کے کرب کو بہت دل سے محسوس کیا اور اپنا ہاتھ اس کے گال پہ رکھ دیا۔

''شاہ......!''

''پلیز ژالے! اس ٹاپک کو کلوز کرو، وجہ پوچھنے کی ضد لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' جہان کے لہجے میں واضح بے زاری و ناگواری تھی، ژالے کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا تو دل دھک دھک کرنے لگا، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور لجی نظروں سے اسے دیکھا۔

''شاہ پلیز! بیشک وجہ نہ بتائیں مجھے مگر اس ناراضگی کو ختم ضرور کر دیں، یہ بالکل مناسب نہیں ہے، خود سوچیں اگر یہ میں فیل کر چکی ہوں تو گھر کے باقی افراد نے بھی کیا ہے، آپ کی اپنی پوزیشن بھی خراب ہو رہی ہے، زینی آپی کو بھی جانے کتنے مرحلوں پہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو گا اور......''

''ژالے! ہمدردی کے اس احساس کو یہیں پہ دبا دو، فی الحال میں کچھ سننا نہیں چاہتا، یہ بات میں بھی جانتا ہوں کہ محترمہ زینب کے بھی مجھ پہ حقوق ہیں، بلکہ میں تم سے بہتر انداز میں ہی جانتا ہوں اور مزید یہ کہ مجھے یہ بھی پتا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے کیا نہیں۔'' وہ کچھ اس طور بھڑکا تھا کہ اسے جھڑکتا چلا گیا، ژالے تو ژالے دروازے کے باہر معاذ اور جہان کی آپس میں ہونے والی بات چیت سننے کے بعد اس سے اس سلسلے میں بات کرنے آئی زینب یہاں ژالے سے اس کی گفتگو سنتی زینب بھی دنگ کر رہ گئی تھی، اگر اس انکشاف نے حیرت غیر یقینی کے بعد بے پایاں خوشی اور فخر کے احساس کو اجاگر کیا تھا تو اب جہان کی شدید ناراضگی کا احساس اس کی وحشت گھبراہٹ اور اضطراب کا بھی باعث بن گیا تھا، وہ اندر جانے کا ارادہ ترک کر کے وہیں سے پلٹ گئی تھی، تو دو شدید احساس اس کے ہمراہ تھے۔

جہان کے حوالے سے شدید دکھ اور افسردگی کا احساس، ژالے کی محبت اخلاص اور بے مثال اعلیٰ ظرفی کا احساس، اسے ژالے سے عقیدت محسوس ہو رہی تھی، تو جہان پہ بے پناہ غصہ بھی آ رہا تھا اور پیار بھی، اسے یقین تھا وہ جہان کو اب بہت آسانی سے منا لے گی، مگر اسے یہ معلوم نہیں تھا زندگی نے حالات کا رخ اب کس جانب پلٹانا تھا۔

(جاری ہے)

ایلیا نے پمفلٹ کر پڑھا پھر رین کوٹ کی جیب میں اس کو ڈال دیا تھا باہر چھاجوں مینہ برس رہا تھا وہ مین روڈ تک بھاگ کر آئی تھی مین روڈ تک آنے میں اس کا رین کوٹ بھیگ گیا تھا، وہ اپنی کار میں بیٹھ چکی تھی، اسے کار اسٹارٹ کر لی تھی، آسمان کالے بادلوں سے بھرا ہوا تھا۔

کچھ دیر پہلے آسمان پر منڈلانے والے اکا دکا پرندے اب اپنے اپنے آشیانوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے اس غیر متوقع بارش نے اس کا سارا پروگرام ملیا میٹ کر دیا تھا، اسے آج کے دن ترتیب دیئے، اپنے سب پروگرام ملتوی کر دیئے تھے اس لئے اب وہ اپنی عزیز از دوست شہنا سے ملنے جا رہی تھی، لیکن ستیاناس ہو میونسپل کمیٹی والوں کا جو بارش کے دنوں میں گٹروں کے ڈھکن کھول دیا کرتے تھے، اس کی کار کا پیچھے والا ویل گٹر میں جا پھنسا تھا، کار بار بار اسٹارٹ کرنے پر وہ نکل تو آیا تھا، لیکن آگے جا کر کار رک گئی تھی، سڑکیں تقریباً سنسان تھیں کچھ منچلے موسم کو انجوائے کرتے پھر رہے تھے، وہ کار سے باہر آ گئی تھی اور کار سے ٹیک لگا کر ٹھہر گئی تھی، کچھ کاریں اس کے قریب سے گزر گئی تھیں اس کا رین کورٹ بارش میں تقریباً بھیگ چکا تھا، تبھی ایک بائیک انتہائی تیز رفتاری سے اس کے قریب گزری تھی پھر موڑ کاٹ کر اس کے قریب آ رکی۔

''کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں؟'' موٹر سائیکل سوار نوجوان نے ہیلمٹ اتارا تھا، اس کا چہرہ ایلیا کو مانوس سا لگا تھا۔

''میری کار شاید خراب ہو گئی ہے۔'' ایلیا نے ہاتھ مسلتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

''او میں دیکھتا ہوں۔'' وہ بائیک سے اتر آیا تھا اس نے اس سے چابی مانگی تھی ایلیا نے اس کی چوڑی ہتھیلی پر کار کی چابی رکھ دی تھی، اس نے ڈگی کھولی تھی پھر اس کے قریب آیا۔

''ٹائر سے ہوا نکل گئی ہے چینج کرنا ہو گا۔''

وہ کہہ کر چلا گیا پھر ڈگی میں سے ٹائر نکال کر کار کا ٹائر چینج کر دیا تھا، اتنی دیر میں وہ مکمل طور پر بھیگ چکا تھا اس نے چابی اس کو تھما دی تھی۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

''کوئی بات نہیں۔''

''میں نے شاید آپ کو کہیں دیکھا ہے؟'' ایلیا نے دل میں چھپی بات آخر ہمت جمع کر کے کہہ ڈالی تھی۔

''جی ضرور دیکھا ہو گا میں ایک سنگر ہوں اکثر چھوٹے موٹے کنسرٹ کرتا رہتا ہوں مقامی سطح پر۔'' اس نے اختصار سے کہا۔

''جی میں نے آپ کو سنا ہے؟'' ایلیا نے پرجوش لہجے میں کہا اس کی گرم جوشی پر وہ جھینپ سا گیا تھا۔

''ویسے میرا پرسوں بھی کنسرٹ ہو رہا ہے۔''

''اچھا کہاں ہو رہا ہے؟'' ایلیا نے خوشگوار حیرت میں گھر کر پوچھا۔

''یہی قریب مون لائٹ میں شام چھ بجے شروع ہو گا، آپ آیئے گا ٹکٹ کل لے لیجئے گا یا پھر......'' اس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس پر کچھ لکھا اور پھر اس کو تھما دیا۔

''آپ یہ دکھا دیجئے گا وہ آپ کو پاس خود دے دیں گے۔''

''جی میں ضرور آؤں گی، آپ میری وجہ سے بھیگ گئے ہیں۔''

''کوئی بات نہیں میں چلتا ہوں آپ ضرور آیئے گا۔'' وہ کہہ کر بائیک پر بیٹھ گیا بائیک اسٹارٹ کرنے سے پہلے اس نے اس کی جانب دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔

''ویسے آپ کا نام کیا ہے؟''

''میرا نام ایلیا عباس ہے۔''

''نائس ٹو میٹ یو مس ایلیا۔'' وہ کہہ کر چلا گیا تھا اور ایلیا کو بارش کبھی اتنی اچھی نہیں لگی تھی جتنی کہ اب لگ رہی تھی، اس کا جی چاہ رہا تھا اس برستی بارش میں بھیگتی رہے۔

☆☆☆

''پاپا مون لائٹ ہوٹل میں کنسرٹ ہو رہا ہے میں اپنی تمام دوستوں کو لے کر جا رہی ہوں۔'' اس نے کھانا کھانے کے دوران ان کو بتایا۔

''اچھی بات ہے لیکن بیٹا جانی آپ نے کب سے میوزک میں دلچسپی لینا شروع کر دی ہے۔'' ان کی بات پر وہ کچھ حیران رہ گئی تھی۔

''ڈیڈ مجھے شروع سے ہی میوزک میں انٹرسٹ تھا لیکن مما کی طویل بیماری اور ڈیتھ کے بعد سب شوق کہیں کونے میں جا سوئے تھے اب کافی عرصے بعد اپنی جون میں واپس آنے کی کوشش کر رہی ہوں۔'' انہوں نے محبت پاش نظروں سے اپنی بیٹی کو دیکھا جس کو حالات کی ستم ظریفی نے وقت سے پہلے جو بختہ کر دیا تھا ورنہ اس کی عمر کی لڑکیاں تو خواب بنتی ہیں چاند ستاروں سے آگے ان کی سوچ کی رسائی ہی نہیں ہوتی۔

''بہت اچھی بات ہے بیٹا زندگی کا نام چلتے رہنا ہے زندگی کبھی کس کے لئے نہیں رکتی جیسا کہ بہتا پانی وہ بھی نہیں رکتا، اگر رک جائے تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، اگر زندگی رکنے لگے تو اس میں موت کی آہٹ سنائی دینے لگتی ہے، اعزاز آ رہا ہے تم اس کو بھی ساتھ لے جانا وہ بھی انجوائے کرے گا۔''

''نو پاپا میں اس کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گی۔'' ایلیا نے نیپکن سے ہاتھ صاف کیے جبکہ اس کے جواب پر پاپا نے اس کو دیکھا۔

''کیوں بیٹا اعزاز بہت اچھا لڑکا ہے مجھے بہت پسند ہے دوسرا کوئی غیر بھی نہیں ہے تمہارا خالہ زاد ہے تمہاری مما کا دل و جان سے عزیز تھا ان کی بھی یہی خواہش تھی اور دونوں گھرانوں نے بچپن سے تم دونوں کو ایک دوسرے سے منسوب کیا ہوا ہے، بیٹا آنکھوں کا کام خواب دیکھنا ہوتا ہے خواب دیکھا کرو لیکن خوابوں کے پیچھے بھاگنا ان میں رہنا عقلمندی نہیں ہے۔''

آنسوؤں کا گولہ ایلیا کے حلق میں پھنس گیا تھا وہ سرعت سے اٹھ کر اندر چلی گئی تھی، انہوں نے افسردگی سے اس کو جاتے ہوئے دیکھا تھا وہ جانتے تھے ایلیا کی زندگی کے سب رنگ کھو چکے ہیں اور صرف اعزاز ہی ہے جو اس کا اچھا ہم سفر ثابت ہو سکتا ہے وہ ایلیا کے جھڑکنے لاکھ منہ چڑانے کے باوجود ہمہ وقت اس کے اردگرد منڈلاتا رہتا تھا ایلیا کو دیکھ کر اس کی آنکھیں جگمگانے لگتی تھیں یہ اس کی محبت کا واضح اور منہ بولتا ثبوت تھا۔

☆☆☆

''یار! ایلیا بور مت کرو سن سن کر میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔'' شہنا نے کانوں پہ دونوں ہاتھ جما دیئے تھے، ایلیا نے اس کے ہاتھ کانوں سے ہٹائے اور اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''سنو پھر میں اس کو دیکھتی رہ گئی تھی وہ کسی شہزادے کی سی آن بان والا انسان میری کار کو ٹھیک کر کے میرے مقابل کھڑا رہا تھا میں ٹکٹکی باندھے اس کو دیکھ رہی تھی، مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے خواب مجسم حقیقت بن گئے ہو میرا دل ایسے دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آ نکلے گا۔''

"بس کرو ایلیا اتنا حسین و جمیل بھی نہیں ہے سلمان شاہد میں نے اس کو دیکھا ہے نارمل شکل و صورت کا حامل ہے بس آنکھیں گرین ہیں اور گرین آنکھوں والے بے وفا ہوتے ہیں۔"

"ان سب باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ کنسرٹ آج ہے ناں۔"

"آج ہے لیکن ایک مسئلہ ہے۔" ایلیا نے تفکر سے کہا۔

"مسئلہ کیسا مسئلہ؟" شہنا نے تحیر سے اس کو دیکھا۔

"مسئلہ یہ ہے شہنا جی پاپا نے کہا ہے کہ اعزاز کو لے جاؤ اور پھر......" ابھی ایلیا کی بات مکمل بھی نہ ہو پائی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ بجا تھا۔

"یس کم آن۔" اور اندر داخل ہوتے تو وارد کو دیکھ کر ایلیا کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے بھنویں تن گئی تھیں جبکہ وہ خوش اخلاقی سے نہ صرف دعا سلام کر رہا تھا بلکہ اس نے ایک بڑا سا بوکے زبردستی ایلیا کو تھما دیا تھا، اس نے بوکے پٹخنے کے سے انداز میں سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا لیکن اعزاز نے تو جیسے دیکھا ہی نہیں تھا وہ یونہی انجان بن جایا کرتا تھا۔

"اور شہنا جی کیا حال چال ہیں آپ کے کیسی گزری، یقیناً بہت پرسکون رہی ہوگی چہرے کی شادابی بتا رہی ہے۔" وہ دیکھ ایلیا کی جانب رہا تھا اور بات شہنا سے کر رہا تھا، ایلیا کا کوفت سے برا حال ہو رہا تھا وہ اٹھ کر کمرے سے بھی نہیں جا سکتی تھی۔

"میں تو ٹھیک ہوں آپ کہاں غائب ہو گئے تھے جناب!"

"غائب کہاں ہونا تھا امریکہ گیا تھا بزنس کے سلسلے میں کل رات کو آیا تھا اور آج دربار پر حاضری دینے کے لئے کھڑا ہوں۔" وہ شوخ لہجے میں بولا تھا۔

"یہ بتائیں خالی ہاتھ ہی آ گئے ہیں کیا......؟"

"ارے ایسا ہو سکتا ہے کہ میں اتنی دور جاؤں اور خالی ہاتھ واپس آ جاؤں محترمہ بہت سے گفٹ لایا ہوں لیکن آج جلدی میں آ گیا تھا اسی لئے کچھ نہیں لایا خیر اب تو آتا رہوں گا۔"

"بالکل جناب آپ یہ بات نہ بھی بتاتے تو بھی میں جانتی ہوں۔" شہنا نے مسکرا کر کہا وہ اس کی بے تابیوں سے آشنا تھی وہ ہمہ وقت ایلیا کے گھر موجود ہوتا تھا ایلیا اس سے سیدھے منہ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی تھی لیکن پھر بھی وہ ہر دوسرے دن آن دھمکتا تھا لیکن اس کے باوجود اس نے کبھی اپنی حد سے تجاوز نہیں کیا تھا کبھی کوئی چھچھوری حرکتیں نہیں کی تھیں اس نے اپنے جذبات کی لگاموں کو اپنے ہاتھوں سے تھاما ہوا تھا لیکن ایلیا کو کبھی بھی وہ خاص نہیں لگا تھا اور جب کبھی وہ یہ سوچتی کہ اس کو اعزاز کے ساتھ اپنی ساری زندگی گزارنی ہے تو اس کی رگیں تن جاتی تھیں، وہ کبھی بھی اس کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی، یہ آخری بات اس کے دل نے کہی تھی وہ بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہا تھا اور بہت کچھ سمجھ بھی گیا تھا۔

☆☆☆

ایلیا شہنا کو اور اپنی کچھ اور کلاس فیلوز کے ساتھ کنسرٹ پر گئی تھی، سب نے خوب انجوائے کیا تھا، زندگی بینڈ زبردست تھا خاص طور پر سلمان شاہد کی آواز میں جو مٹھاس تھی وہ ناقابل بیان تھی، کنسرٹ کے اختتام پر سب لڑکے لڑکیاں ان سے آٹوگراف لے رہے تھے شہنا بھی ان کا حصہ بنی ہوئی تھی جبکہ ایلیا ایک طرف کھڑی ہوگئی

تھی سلمان شاہد کی نظر اس پر پڑی تھی اور وہ اس بھیڑ کو چیرتا ہوا اس تک آیا تھا۔

"تو آپ آخر آ گئیں۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال کر قدرے اس کی جانب جھکا تھا ایلیا کی پلکیں اوپر اٹھنے کو انکاری ہوگئی تھیں دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔

"آپ کو کیا لگتا تھا کہ میں نہیں آؤں گی۔"

"او سچ بتاؤ میں نے اتنا سوچا ہی نہیں تھا میں تو دعا کر رہا تھا کہ کنسرٹ کامیاب ہو جائے بس۔" اس نے صاف گوئی سے کہا تھا، ایلیا کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا، خفت کی پرچھائیاں اس کے چہرے پر منڈلانے لگی تھیں۔

"ایلیا یہاں کھڑی ہو؟" شہنا اس کو ڈھونڈتی ہوئی ادھر آ نکلی پھر سلمان شاہد کو دیکھ کر بولی۔

"آپ کی آواز بہت خوبصورت ہے۔"

"تھینکس۔" وہ انکساری سے بولا تھا۔

"آپ ٹی وی پروگرامز کی طرف آئیں ناں آج کل تو میڈیا بہت فاسٹ ہے بین الاقوامی سطح تک رسائی حاصل کرنا اب بڑی بات تو نہیں ہے۔"

"بالکل بڑی بات نہیں ہے بس آپ کی چپلیں گھس جاتی ہیں کنٹریکٹ ڈھونڈنے میں آپ کے پاس سفارش نہیں ہے تو آپ کو سپانسر کوئی نہیں کرے گا اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے جیسے بہت سے سنگرز بہت سے بینڈ صرف مقامی سطح پر گاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا شہنا کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا تھا۔

"چلیں ایلیا۔" شہنا نے ایلیا کو ٹہوکا دیا کچھ لڑکے لڑکیاں آٹوگراف لینے سلمان شاہد کے پاس آ گئے تھے جبکہ شہنا نے ایلیا کو کھینچا اور دونوں باہر نکل آئیں، شام ہو چکی تھی، وہ دونوں پارکنگ میں آ گئی تھیں۔

"ایلیا کیا خیال ہے آج ڈنر باہر نہ کیا جائے؟"

"نہیں یار بس گھر چلتے ہیں پاپا آ گئے ہونگے ڈنر میں ان کے ساتھ کروں گی، تم مجھے گھر ڈراپ کر دو۔"

"اوکے جناب!" شہنا نے زیادہ زور و زبردستی نہ کی تھی بلکہ آرام سے اس کو گھر ڈراپ کر دیا تھا وہ خوشی خوشی گھر میں داخل ہوئی تھی اور پاپا اور اعزاز کو ساتھ ڈنر کرتا دیکھ کر وہ چند لمحوں کے لئے ساکت رہ گئی۔

"پاپا اس کے بغیر کیسے ڈنر اسٹارٹ کر سکتے تھے؟"

"سوری ڈیڈ میں لیٹ ہو گئی ہوں۔" اس نے پشیمانی سے سر جھکا لیا۔

"اٹس اوکے مائی ڈیئر یہ بتاؤ تم اعزاز کو اپنے ساتھ کیوں لے کر نہیں گئی تھیں میں نے کہا بھی تھا ایلیا یہ بہت غلط بات ہے بیٹا۔" ان کے بازپرس کرنے پر ایلیا کا چہرہ متغیر ہو گیا تھا۔

"اصل میں انکل ایلیا نے مجھے کہا تھا میں خود ہی ذرا سستی دکھا گیا تھا اصل میں اس دفعہ کے ٹور سے بہت زیادہ تھک گیا ہوں اب گھر جاؤں گا کل تک ریسٹ کروں گا۔" اعزاز نے سرعت سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ ناں ایلیا کھڑی کیوں ہو، کھانا شروع کرو۔" معاً پاپا کو بھی خیال آ گیا تھا، انہوں نے اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا، ایلیا نے پرس سائیڈ پر رکھا اور چیئر کھینچ کر بیٹھ گئی اس نے اپنی پلیٹ میں تھوڑے سے رائس اور سلاد ڈالا تھا پاپا کی اس طرح کی پوچھ گچھ پر اس کا جی مکدر ہو گیا تھا آخر کیوں انہیں اعزاز کے علاوہ کوئی اور دکھائی

نہیں دیتا تھا انہوں نے اس کو اتنی اہمیت کیوں دی تھی۔

''ایلی یہ ڈش ٹرائی کرو ناں بہت سپائسی ہے۔'' اعزاز نے ڈش اس کی جانب بڑھائی تھی اس نے ڈش لے کر سائیڈ پر رکھ دی تھی۔

''کنسرٹ کیسا رہا؟'' اعزاز نے دلچسپی سے اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھا۔

''اچھا تھا۔'' اس نے آہستگی سے کہا اور کھانا کھانے لگ گئی تھی مبادا وہ کچھ اور نہ پوچھنا شروع کر دے۔

وہ ڈنر کر کے ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ اعزاز نے اسے گرین ٹی بنانے کا کہہ دیا تھا پاپا اس کے ہم نوا تھے ایلیا کی کیا مجال تھی کہ وہ ان کے آگے سرتابی کر سکے، اس نے ان دونوں کو گرین ٹی بنا کر دی اور خود نیند کا بہانہ بنا کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی، اس کو اپنے بیڈ پر ایک بڑا سا گفٹ پیک رکھا ہوا نظر آیا تھا اس پر انتہائی خوبصورت چھوٹا سا کارڈ چسپاں تھا جس پر سم ون سپیشل لکھا ہوا تھا اور نیچے اعزاز کے سائن تھے اس نے گفٹ اٹھا کر سائیڈ پہ رکھ دیا تھا اور بیڈ پر چت لیٹ گئی تھی۔

کیا کوئی شخص اپنی تگ و دو سے آسمان پر سے اپنا من پسند ستارا توڑ سکتا ہے جو سب سے زیادہ روشن ہو سب سے زیادہ چمکدار ہو اس کی آنکھوں میں سلمان شاہد کا چہرہ جگمگانے لگا تھا اس نے آسودگی سے آنکھیں موند لیں تھیں۔

☆☆☆

اگلے ہفتے اس نے اور شہنا نے آرٹ کونسل میں لگی پینٹنگ کی نمائش میں جانے کا پروگرام بنایا تھا اور اب کی بار انہوں نے اعزاز کو بھی بلایا تھا اور یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ ایلیا کے بلانے پر وہ نہ آتا وہ تینوں ابھی آرٹ کونسل پہنچے ہی تھے کہ ڈیڈ کا فون آ گیا تھا وہ ایلیا کو گھر بلا رہے تھے، اعزاز ایلیا کے ساتھ ان کے گھر آ گیا تھا، ایلیا کے پاپا بزنس کے سلسلے میں کچھ دنوں کے لئے دوبئی جا رہے تھے وہ چاہتے تھے کہ ایلیا، اعزاز کے گھر چلی جائے ایلیا یہ سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئی تھی۔

''نو پاپا میں کسی کے گھر نہیں جاؤں گی میں اپنے گھر رہوں گی۔''

''ایلیا بیٹا وہ کسی غیر کا گھر نہیں ہے آپ کی سگی خالہ کا گھر ہے میں نے تحسین سے بات کر لی ہے میں تمہیں اکیلا گھر پر چھوڑ کر ہرگز نہیں جا سکتا تم پیکنگ کر لو۔'' ان کے دو ٹوک الفاظ و سخت لہجے نے ایلیا کو اپنی جگہ منجمد سا کر دیا تھا۔

''لیکن پاپا۔'' اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ بات کاٹ کر بولے۔

''کوئی پاپا نہیں کم ان ہری اپ اعزاز تم جب تک یہ فائل دیکھ لو۔'' انہوں نے فائل اعزاز کی جانب بڑھائی اور اس کو چیدہ چیدہ نکات بتانے لگے جبکہ ایلیا مرے قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی اس نے بد دلی سے پیکنگ کی اور نیچے آ گئی، وہ تینوں آگے پیچھے گھر سے نکلے تھے۔

''اعزاز میری بیٹی کا خیال رکھنا۔'' انہوں نے قریب بیٹھے اعزاز سے کہا۔

''انکل آپ بے فکر رہے آپ نہ بھی کہتے تو میں پھر بھی اس کا بہت خیال رکھتا۔''

''جانتا ہوں مائی سن جبھی تو تم اتنے عزیز ہو مجھے۔'' انہوں نے فرط محبت سے اس کو گلے لگا لیا پھر ایلیا کو ساتھ لپٹاتے ہوئے بولے۔

''ایلیا میری جان کوئی ٹینشن ہو کوئی پریشانی ہو تو مجھے فوراً فون کر لینا۔''

''جی پاپا۔'' اس نے سر جھکا کر کہا جبکہ اس کو اعزاز کے گھر رہنا قطعاً اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

☆☆☆

تحسین خالہ اور اعزاز کی چھوٹی بہنیں فاطمہ اور رمشا اور بھائی احمر اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے اور اگلے ہی دن شہنا کا فون آ گیا تھا۔

''ایلیا زندگی بینڈ کا کل کنسرٹ ہے چلو گی۔'' اور ایلیا کو ایسا لگا جیسے خزاں زدہ موسم میں بہار کا جھونکا آ گیا ہو، وہ دونوں وہاں گئی تھی کنسرٹ پہلے سے بھی زیادہ زبردست تھا ان دونوں نے خوب انجوائے کیا تھا کنسرٹ کے اختتام پر آٹوگراف لینے والوں کا تانتا بندھ گیا تھا، اس ہجوم کو دیکھ ایلیا نے شہنا سے کہا۔

''کیا خیال ہے واپس چلیں۔''

''نہیں آٹوگراف تو لینے دو۔'' وہ با ضد تھی، اتنی بھیڑ میں جگہ بنانا ناممکن سا تھا اور ایلیا وہاں رکنا نہیں چاہتی تھی وہ جانتی تھی کہ کھلی اور بند آنکھوں کے یہ خواب کبھی پورے نہ ہو گے اس لئے بہتر ہو گا کہ وہ اپنے قدم پیچھے ہٹا لے، پسپائی اختیار کر لے لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے مقابل اس کی حرکات و سکنات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے، وہ دونوں پارکنگ تک گئی تھیں کہ پیچھے لپکتا ہوا آیا۔

''مس ایلیا بات سنیں۔'' اس کی آواز نے ایلیا کے قدم منجمد کر دیئے تھے وہ ساکت ہو گئی تھی جیسے سلمان شاہد کی آواز نے اس کو مسمرائز کر دیا ہو۔

''جی؟'' اس نے پلٹ کر استفہامیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

''کیا ہم کل مل سکتے ہیں؟'' دماغ کے لاکھ انکار کے باوجود اس کا دل ہاں کہنے کے لئے تڑپنے لگا تھا اس نے بے ساختہ اثبات میں سر ہلا دیا جبکہ شہنا نے اس کو روکنا چاہا تھا لیکن شہنا تو نہیں پس منظر میں جا چکی تھی۔

''اپنا نمبر تو دے دیں۔'' سلمان شاہد نے اس کا نمبر مانگا اور اس نے بغیر کسی پس و پیش کے نمبر اس کو دے دیا۔

جبکہ راستے میں شہنا نے اس کو کچھ کہنا چاہا لیکن ایلیا اس پر الٹ پڑی۔

''پلیز شہنا اب تم ڈیڈ بننے کی کوشش مت کرو وہ مجھے اچھا لگتا ہے۔''

''تم جانتی ہو ناں اعزاز سے تمہارا رشتہ طے ہو چکا ہے پھر بھی۔''

''ہاں پھر بھی۔''

''لیکن تم۔''

''غلط کر رہی ہوں تو کرنے دو۔'' اس نے شہنا کی بات کاٹ کر کہا اور شہنا نے خاموشی اختیار کرنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

☆☆☆

یہ شام ایلیا کی زندگی کی سب سے خوبصورت شام تھی سلمان شاہد اس کے سامنے تھا، اس کو ایسا لگ رہا تھا جیسے ساری کائنات سمٹ کر اس کی ہتھیلی میں آ سمائی ہو لیکن شاید یہ خوشی یکطرفہ تھی وہ معمول سے زیادہ خاموش تھا جیسے کسی بات نے اس کے دل و دماغ کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا وہ اس حصار سے نکلنا بھی چاہ رہا تھا خود کو ایلیا کی باتوں میں مگن و محو کرنے کی سعی بھی کر رہا تھا، لیکن پھر بھی سوچ کی اڑانیں اسی سمت پرواز بھرنے لگی تھی اور وہ جھنجھلا جاتا تھا۔

''کیا بات ہے سلمان آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟'' ایلیا نے مشفقانہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے سر کو جھٹکا تھا۔

''ہم دوست ہیں لیکن ایسا لگتا ہے جیسے آپ مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتے۔'' ایلیا نے

قدرے نروٹھے لہجے میں کہا تو وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"بس کچھ دنوں سے ہم سب پریشان ہیں مقامی سطح پران گنت شو کیے ہیں ہم نے لیکن کوئی بھی بڑی کمپنی ہمیں سپانسر کرنے کو تیار نہیں ہے اور خود کو البم کے لئے بہت پیسہ چاہیے جو کہ ہمارے پاس فی الحال نہیں ہیں اور اگر ہم کہیں اپنا کنسرٹ کرنا چاہتے ہیں تو ہوٹل انتظامیہ تیار نہیں ہوتی ظاہر ہے اب ہائی فائی سوسائٹی کے لوگ مقامی ہوٹلوں میں آنے سے رہے بس اسی بات پر کل ہم سب میں بحث ہوگئی تھی پچھلی بار بھی حیدر کے چچا نے اپنے تھرو ہمیں سپانسر کیا تھا جس کی کوریج کچھ چھوٹے چینلو نے کی تھی لیکن یہ سب کچھ مقامی سطح پر تھا اور میں چاہتا ہوں ایلیا کہ جلد از جلد سیڑھی در سیڑھی شہرت کے آسمان پر پہنچ جاؤں لیکن اس کے لئے بریک ملنا ضروری ہے اور بریک کے لئے لک کا ہونا اور کسی مسیحا کا ہونا از حد ضروری ہے اور شاید یہ دونوں چیزیں ابھی ہمارے پاس نہیں ہیں، پتہ نہیں ایلیا یہ باتیں میں نے تم سے کیسے کردیں ورنہ یہ باتیں تو شاید میں کسی سے بھی نہیں کرتا۔" ایلیا جو بڑے انہماک سے اس کی بات سن رہی تھی چونک گئی، ایلیا کو وہ مایوسی وشکست خوردگی کی سرحدوں پر کھڑا نظر آرہا تھا، اس کے پیر زمین کی تلاش میں سرگرداں تھے۔

"یہ اتنی بڑی بات تو نہیں ہے۔" ایلیا نے کہہ کر جوس پینا شروع کردیا جبکہ وہ ایکدم بھڑک اٹھا تھا۔

"تم جیسے امیر لوگ جو پیدا ہوتے ہی سونے میں تول دیئے جاتے ہو تم لوگ کیا سمجھو گے غریب لوگوں کے مسائل کو مس ایلیا، ذرا اپنے گھر کی فرنشڈ کھڑکیوں کو کھولو تا حد نگاہ تمہیں غربت و افلاس کی چلتی پھرتی اتنی تصویریں نظر آئیں گی کہ تم اپنی آنکھیں بند کرلو گی اور پھر بھی تم یہ بات کہہ سکو گی کہ یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے مس ایلیا۔" اس کے تلخ وترش لہجے نے ایلیا کو کسی حد تک سہما دیا تھا۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا سلمان میرا مطلب یہ تھا کہ میرے کزن کے دوست کا اپنا فائیو سٹار ہوٹل ہے ہم ان سے بات کرتے ہیں وہ ہماری مدد کریں گے۔" اس کے نرم خو لہجے نے سلمان کو کسی قدر خفت کا شکار کردیا تھا۔

"آئی ایم سوری ایلیا شاید میں کچھ دنوں سے بہت زیادہ تلخ ہوگیا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں تم ٹینشن نہ لو۔" وہ ابھی مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اعزاز کالنگ نے اس کی بات ادھوری چھوڑ دی تھی، پاپا واپس آگئے تھے وہ اس کو گھر بلا رہا تھا وہ اس کو خدا حافظ کرتی آگئی تھی وہ ایک بار پھر اس سے معذرت کرنا نہیں بھولا تھا۔

☆☆☆

رات جب سب سو گئے تھے تو وہ اعزاز کے کمرے میں آگئی تھی اس نے ہلکی سی دستک کی تھی اور اس کے آجاؤ کہنے پر وہ اندر آگئی تھی اعزاز اس وقت کسی سے فون پر بات کررہا تھا، اس کو دیکھ کر حیران ہوا تھا لیکن اس نے اپنے تاثرات فوراً چھپالئے تھے وہ کب اس طرح کی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتی تھی۔

"ایلیا تم، خیریت کوئی کام تھا؟" اس کے منہ سے الفاظ ٹوٹی تسبیح کے دانوں کی طرح ادا ہوئے تھے۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"بالکل کرو جی جان سے حاضر ہوں۔" وہ دل وجان سے اس کی جانب متوجہ ہوا تھا اور اس کی اس ہیبا کی پر ایلیا کا سارا لہو منہ پر آگیا تھا۔

"میرے کچھ دوست ہیں، ان کا بینڈ ہے زندگی بینڈ کے نام سے شاید تم نے سنا ہو ان کا کنسرٹ کروانا ہے۔" وہ ہچکچا کر بولی تھی۔

"نو پرابلم۔" وہ اس کو والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"لیکن کیا عثمان کے ڈیڈ اپنے ہوٹل میں....." اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تم فکر نہ کرو میں سب ارینجمنٹ کروا دوں گا...... کچھ اور۔" وہ مسکراتی نگاہوں سے اس کو دیکھنے لگا تھا۔

"یہ کام ہو جائے گا ناں۔" ایلیا نے بے ساختہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"اس طرح کہو گی تو کچھ بھی کرا دوں گا۔" وہ شرارت سے بولا تھا اور ایلیا ایکدم کھڑی ہوگئی تھی۔

"میں چلتی ہوں۔"

"بات تو سنو۔" اس کے پکارنے پر بھی وہ رکی نہیں تھی، وہ بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

"تمہیں کیا لگتا ہے سلمان وہ ہمارا کام کر دے گی ناں۔" حیدر نے گٹار بجاتے سلمان سے پوچھا اس کے ہاتھ تھم گئے تھے۔

"یقیناً بچو تمہارے بھائی نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں ہمارا کام ضرور کرے گی دیکھنا تم، اگر یہ کنسرٹ ہو جاتا ہے ناں تو سمجھو قسمت کا بند دروازہ ہم پر وا ہوگا یہ کنسرٹ ہمارے پہلے کے تمام کنسرٹس سے بڑا اور شاندار ہوگا۔" سلمان کی بات سن کر اسد اور بلال بھی اس کے قریب آپہنچے تھے وہ چاروں ایک ہی فلیٹ میں رہتے تھے فلیٹ کا کرایہ بجلی کے بل کھانے کا خرچہ سب مل جل کر ادا کرتے تھے، سلمان گانے گاتا تھا جبکہ باقی تینوں میوزیشن تھے وہ خود گانے لکھتے تھے اس کی موسیقی ترتیب دیتے تھے اور گانوں کی شاعری اسد لکھا کرتا تھا یوں وہ چاروں ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم تھے، ان کے فلیٹ کے نیچے گاڑی رکی تھی اور باقاعدہ دو منٹ تک ہارن بجا تھا سلمان نے پردہ ہٹا کر جھانکا ایلیا اپنی کار سے نکل رہی تھی۔

"ایلیا آگئی ہے سامان سمیٹو۔" سلمان نے کہنے کے ساتھ ہی صوفے پر جا بجا بکھرے کپڑے تولیے، جرابیں رات کے کھانے کے برتن سمیٹنے شروع کردیئے تھے وہ تینوں بھی اس کے ساتھ مل کر پھیلاوا سمیٹنے لگے تھے، وہ سامان سمیٹ چکے تھے اور دروازے پر دستک ہونے لگی تھی، سلمان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔

"السلام علیکم!" ایلیا نے ایک چھوٹا سا بوکے اس کے حوالے کیا تھا۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو تم؟"

"میں ٹھیک ہوں، آؤ اندر آؤ ناں۔" سلمان نے سائیڈ پر ہو کر اس کو رستہ دیا تھا، وہ سامنے رکھے صوفوں میں سے ایک پر ٹک گئی تھی، اسد نے اس کو کول ڈرنک پیش کی جو اس نے بغیر کسی پس وپیش کے تھام لی تھی، وہ تینوں اپنی اپنی نشستوں پر چلے گئے تھے جبکہ سلمان اس کے قریب آبیٹھا تھا۔

"میں بہت دیر سے انتظار کررہا تھا۔"

"کس کا؟"

"ایک لڑکی کا جس کے آنے سے یہ بارش اور اچھی لگنے لگی ہے۔" اس کی والہانہ نظروں نے ایلیا کا دل تیزی سے دھڑکا رہا تھا، اس کے چہرے پر ان گنت رنگ بکھر سے گئے تھے۔

"اچھا!" ایلیا نے نظریں جھکالیں پھر اس

کی توجہ ہٹانے کے لئے بولی۔
''اگلے سنڈے کا ٹائم ملا ہے یہ ان کا کارڈ ہے تم لوگ کل جاکر ان سے تمام معاملات طے کر لو۔'' اس نے کارڈ اس کے حوالے کیا تھا۔
''سچ ایلیا مجھے یقین نہیں آ رہا یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو جائے گا، تم نے یہ سب کیسے کیا ایلیا۔''
''اچھا اب میں چلتی ہوں پھر ملیں گے۔'' وہ کہہ کر چلی گئی تھی اور وہ چاروں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھے۔

☆☆☆

کنسرٹ بہت شاندار تھا اور اس کنسرٹ کی وجہ سے زندگی بینڈ کو ایک بڑے چینل نے اپنے سینگنگ پروگرام میں مدعو کیا تھا، انہوں نے شہرت کی بلندیوں پر قدم رکھنا شروع کر دیے تھے، پاپا واپس آ گئے تھے اور زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس نے اپنے دل سے اعزاز کے لئے کینہ نکال دیا تھا بلکہ اس نے پاپا سے اس کی تعریف کی تو پاپا کو اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آیا تھا، انہیں ایسا لگنے لگا تھا کہ ایلیا اب اعزاز کے لئے ہاں کر دے گی لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی ایلیا تو نہ صرف سلمان سے کئی کئی گھنٹے باتیں کرتی تھیں بلکہ اکثر وہ ملنے لگے تھے، شہنا نے ایک دو بار اس کو سرزنش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے تو جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا، آج بھی وہ سلمان شاہد سے ملنے اس کے فلیٹ پر آئی ہوئی تھی وہ دونوں اکیلے تھے سلمان نے اس کو چائے بنا کر پلائی تھی اور ایلیا نے موسم کی مناسبت سے پکوڑے بنائے تھے اور اب دونوں ٹیرس پر بیٹھے پکوڑوں اور چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے، کہ وہ تینوں بھی اچانک سے آ گئے تھے انہوں نے سرعت سے پکوڑوں کی پلیٹ اپنے قبضے میں کر لی تھی اور منٹوں میں چٹ بھی کر گئے تھے۔
پھر چاروں نے مل کر اس کو اپنی نئی کمپوزیشن سنائی تھیں، سلمان شاہد کی آواز نے فضا میں ایک حصار سا باندھ دیا تھا، وہ مسمرائز ہو گئی تھی کیا کسی انسان کی آواز اتنی خوبصورت بھی ہو سکتی ہے، اچانک سے بونداباندی شروع ہو گئی تھی، ایلیا اٹھ کھڑی ہوئی سلمان اس کو کار تک چھوڑنے آیا تھا۔
''میں نے تم سے بات کرنی ہے ایلیا۔'' سلمان اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا تھا۔
''ہاں بولو۔''
''ہم اگلے ہفتے ایک ماہ کے لئے لندن جا رہے ہیں، ایک بہت بڑی کمپنی ہمیں سپانسر کر رہی ہے وہاں پر ہمارے کئی کنسرٹ ہیں وہاں سے کمایا گیا پیسہ ہم اپنی البم لانچ کرنے میں لگائیں گے۔'' اس کے الفاظ بم کی طرح ایلیا کے اعصاب پر گرے تھے۔
''تم جا رہے ہو مجھے چھوڑ کر سلمان۔'' اس کا لہجہ رندھ گیا تھا۔
''ہاں ایلیا مجھے جانا ہے۔''
''میں تم سے محبت کرتی ہوں سلمان۔'' اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہونے لگا تھا۔
''میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں ایلیا۔'' سلمان نے اس کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنا چاہا لیکن سوائے ناکامی کے کچھ ہاتھ نہ آیا تھا۔
''تو بس ٹھیک ہے پھر میں پاپا سے بات کرتی ہوں وہ ہماری شادی کر دیں گے پھر میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔'' وہ ضدی لہجے میں بولی سلمان کسی قدر جھنجلا گیا تھا۔
''یہ ممکن نہیں ہے ایلیا۔''
''سب ممکن ہے تم مجھ سے محبت کرتے ہو میں تم سے محبت کرتی ہوں پھر مسئلہ کیا ہے؟''
''لیکن میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا کسی سے بھی اور ویسے بھی میری منگنی بہت بچپن میں ہو گئی ہے میں نے جب شادی کرنا ہو گی کر لوں گا۔''
''تم کچھ بھی کہو تم مجھے اتنی آسانی سے دھوکہ نہیں دے سکتے۔'' وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی جبکہ آنسو اب بھی اس کے گال بھگو رہے تھے۔
''کیسا دھوکہ کہاں کا دھوکا، میں نے کب تم سے کہا تھا کہ میں تم سے شادی کروں گا کب کہا تھا میں نے، تم مجھے اچھی لگتی ہو اور اچھی لگتی رہو گی لیکن میں تم سے شادی نہیں کر سکتا سمجھیں۔'' وہ کہہ کر چلا گیا تھا اور ایلیا کو ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اسے کند چھری سے ذبح کر ڈالا ہو، وہ تکلیف سے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔

☆☆☆

اس نے گھر پہنچتے ہی شہنا کو فون کر کے گھر بلایا تھا وہ آ گئی تھی لیکن اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی اس نے رو رو کر ساری بات من وعن اس کو بتا دی تھی۔
''تمہیں سمجھایا تھا ناں میں نے۔'' شہنا نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ گئی تھی جبکہ ایلیا اس کے گلے لگ کر زارو قطار رونے لگی تھی، تبھی دروازہ بجا کر ملازم نے اعزاز کی آمد کے متعلق مطلع کیا۔
''میں اس سے نہیں ملنا چاہتی، میں اس وقت کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔''
''اچھا ٹھیک ہے میں اس کو کہہ دیتی ہوں کہ تم سو رہی ہو۔'' وہ کہہ کر چلی گئی تھی جبکہ ایلیا نے پھر سے رونا شروع کر دیا تھا، کچھ دیر بعد شہنا واپس آئی تو ایلیا کو فرش پر بے ہوش پایا، وہ ننگے پاؤں اعزاز اور انکل کو بلانے گئی تھی۔

ایلیا کی طبیعت بے حد خراب ہوگئی تھی پندرہ دن ہسپتال میں گزارنے کے بعد وہ گھر آئی تھی ان پندرہ دنوں میں اعزاز ایک منٹ کے لئے بھی اس کی پٹی سے الگ نہیں ہوا تھا، ایلیا خود سے شرمندہ ہو جاتی تھی اس کی وجہ سے کتنے لوگوں کو بے سکون ہونا پڑا تھا۔

''میرا بچہ کیسا ہے اب؟'' پاپا اس کے کمرے میں آئے تھے، جبکہ وہ چھت کو گھورنے میں منہمک تھی، وہ بے اختیار مسکرا دی۔

''میں ٹھیک ہوں پاپا۔''

''بس میری جان ٹھیک رہنا میرے میں مزید کوئی صدمہ برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، میں دیکھ رہا تھا ایلیا تم اندھا دھند بھاگ رہی تھیں، میں تمہیں روکنا چاہتا تھا سمجھانا چاہتا تھا کہ تمہاری یہ تیز رفتاری تمہارے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے، لیکن میں نے سوچا شاید تم سنبھل جاؤ، شاید، لیکن خیر، تم نے اپنے آپ کو سنبھال لیا، میں خوش ہوں میری جان۔''

''پاپا کیا آسمان کے ستارے یونہی چلتے رہتے ہیں ایک جگہ رک جانا ان کے بس میں کیوں نہیں ہوتا۔'' وہ اکثر اوقات ایسی لایعنی باتیں کرتی تھی اور وہ بڑے تحمل سے اس کی باتوں کا جواب دیا کرتے تھے۔

''بیٹا یہ تو قدرت کا نظام ہے، قدرت کے نظام کے آگے کون سرتابی کر سکتا ہے ان کا کام چلتے رہنا ہے لوگوں کو روشن راستہ دکھانا ان کا کام ہے ان کو دیکھ کر خوش تو ہوا جا سکتا ہے لیکن ان کو پانے کی تمنا ان کی خواہش کرنا بیٹا یہ غیر فطری ہے اور جو چیزیں غیر فطری ہو وہ کسی صورت بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔''

''پاپا آپ کو یاد ہے ناں آپ میری شادی اعزاز سے کرنا چاہتے تھے۔''

''ہاں لیکن میں اب تمہیں نہیں کہوں گا میں نے تمہیں کھو کر پایا ہے دوبارہ کھونے کا حوصلہ نہیں مجھ میں۔''

''پاپا میں تیار ہوں۔''

''کیا واقعی؟'' اعزاز دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔

''برخوردار یہ کسی کے کمرے میں آنے کا کون سا طریقہ ہے تم نے تو عورتوں والے کام شروع کر دیئے ہیں۔'' پاپا نے اس کو ڈپٹا تھا لیکن وہ خوش اتنا تھا کہ ان کی ڈانٹ ڈپٹ کو خاطر میں لائے بغیر وہ ایلیا اور انکل کو مٹھائی کھلانے لگا تھا ان دونوں کو خوش دیکھ کر ایلیا مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

ایلیا اور اعزاز کی شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی ایلیا نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا اور انہی دنوں ملازم اس کے پاس فون لے کر آیا تھا وہ شہنا سے کسی مسئلے پہ بات کر رہی تھی۔

''کس کا فون ہے اکرم۔''

''کوئی سلمان شاہد صاحب ہیں۔'' اس کے کہنے پر ایلیا کا دل انتہائی تیزی سے دھڑکنے لگا تھا، اس نے شہنا سے بات سمیٹی اور کال بند کر کے ریسور کان سے لگا لیا۔

''ہیلو۔''

''ہیلو ایلیا میں سلمان بول رہا ہوں کیسی ہو تم؟'' اس کی بے تابانہ آواز نے اس کو اندر تک جکڑ لیا تھا۔

''اب کس لئے فون کیا ہے؟'' ایلیا کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔

''ایلیا میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں تم امریکہ نہیں گئے؟'' اس نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''نہیں ایلیا میں تم سے آخری بار مل کے جانا

چاہتا ہوں پلیز۔''

''لیکن میں تم سے نہیں ملنا چاہتی۔'' وہ ایلیا کی بات کاٹ کر بولا تھا۔

''میں کل پانچ بجے رین ڈے میں تمہارا انتظار کروں گا اوکے بائے۔'' فون بند ہوگیا تھا لیکن ایلیا کی آنکھوں سے آنسو ابھی بھی بہہ رہے تھے۔

اگلے دن وہ ٹھیک پانچ بجے وہاں موجود تھی سلمان شاہد اس کو دیکھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

''مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گی، تم اتنی کمزور کیوں ہوگئی ہو؟'' وہ اس کو دیکھنے لگا تھا اور کبھی اس کی یہ نظریں ایلیا کو سب سے زیادہ اچھی لگتی تھیں لیکن اب یہی نظریں اس کو زہر لگ رہی تھیں۔

''ایلیا میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

''جانتی ہوں میں یہ بات۔''

''نہیں تم نہیں جانتی ایلیا، میں اپنا فیوچر بنانا چاہتا تھا لیکن ان گزرے لمحوں نے مجھے یہ احساس دلایا کہ تم میرے لئے لازم و ملزوم ہو، میں نے تمہارا دل دکھایا ہے، لیکن اب مزید نہیں تم اپنے پاپا سے بات کرو ہم فی الحال منگنی کر لیتے ہیں۔''

''اور تمہاری بچپن کی منگیتر اس کا کیا ہو گا؟''

''میری منگنی نہیں ہوئی ایلیا میں نے تم سے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا تھا۔''

''لیکن میں تم سے پیچھا چھڑانے کے لئے جھوٹ نہیں بولوں گی۔'' اس نے اپنا موبائل نکالا تیزی سے نمبر ڈائل کیا اور موبائل کان سے لگا کر بولی۔

''اب آ بھی جاؤ میں انتظار کر رہی ہوں۔''

''چلو ٹھیک ہے۔'' اس نے موبائل جیسے ہی آف کر کے رکھا تھا، اعزاز آ گیا تھا وہ اس کو دیکھ کر بے اختیار مسکرا دی۔

''اعزاز یہ سلمان ہیں۔'' اعزاز نے آگے بڑھ کر سلمان سے ہاتھ ملایا، پھر وہ بولی۔

''سلمان یہ اعزاز ہیں میرے فیانسی اسی ماہ ہماری شادی ہے اعزاز تم ان کا کارڈ لائے ہو ناں۔'' اعزاز نے مسکرا کا کارڈ اس کے حوالے کیا تھا جبکہ سلمان شاہد بساط الٹ جانے پر تحیر کا شکار تھا، اس کی آنکھیں صدمے سے پھٹی جا رہی تھیں۔

''ہر جگہ بساط نہیں بچھائی جاتی سلمان شاہد، چکنی سڑکوں پر تیزی سے بھاگنے والے منہ کے بل گرتے ہیں۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اعزاز اور وہ جا چکے تھے جبکہ سلمان کی کیفیت ناگفتہ بہ تھی، آخر یہ سب کیسے ہو گیا تھا، وہ بے یقین تھا۔

اور ایلیا کیا بتاتی کہ دو ہفتے قبل حیدر کا فون آیا تھا، اس نے بھی ایلیا کو بتایا تھا کہ سلمان کا پیسوں کی وجہ سے ان تینوں سے زبردست جھگڑا ہوا ہے اور وہ بینڈ چھوڑ کر آج کل سولو گا رہا ہے اور اسی وجہ سے وہ ایک بار پھر ایلیا کو سیڑھی بنانا چاہتا تھا لیکن قسمت نے ایلیا کو اندھے کنویں میں گرنے سے بچا لیا تھا، لیکن قسمت ہر ایک کو ایسا سنہری موقع نہیں دیتی۔

ایلیا خوش تھی کہ اس کے بروقت درست فیصلے نے اس کو کھوٹے کھرے کی پہچان کرا دی تھی۔

☆☆☆

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا

سباس گل

''مما! میں نے کہا نا میں ماڈلنگ نہیں کروں گی، مردوں کی کیسی کیسی نظریں ایک لڑکی کے وجود کو ٹٹولتی ہیں مائی گاڈ، تو مما نیور میں کوئی ڈیکوریشن پیس بن کر لوگوں کے سامنے نہیں آنا چاہتی اور وہ بھی برائیڈل میک اپ میں، آپ اپنی بوتیک کے عروسی ملبوسات کے لئے کسی ماڈل گرل کو بک کر لیں مجھ سے دلہن بن کر اسٹیج پر کیٹ واک نہیں ہو گی۔'' ایشا نے رنجیدہ اور اٹل لہجے میں کہا۔

''تم میں تو سولہویں صدی کی کسی بڑھیا کی روح حلول کر گئی ہے مجال ہے کہ کوئی ماڈرن سوسائٹی والا ڈھنگ اپنایا ہو تم نے، مجھے یقین نہیں آتا کہ تم نے میری کوکھ سے جنم لیا ہے کیسی دقیانوسی سوچ ہے تمہاری، ارے نادان لڑکی! قدرت نے تمہیں حسن کی دولت سے مالا مال کیا ہے تو تم بھی اس دولت سے مال بناؤ، اسٹیج پر تمہاری ایک انٹری تمہارے لئے لاکھوں کے کمرشلز اور شوز لے کر آ سکتی ہے آج کے دور کی سب سے بڑی ضرورت اور حقیقت صرف پیسہ ہے ڈارلنگ، صرف پیسہ، جس کے پاس دولت ہو سمجھو کہ اس کے پاس سب کچھ ہے تم ینگ ہو، اٹریکٹو اور چارمنگ ہو، بڑی بڑی ماڈلز تمہارے آگے پانی بھرتی ہوئی نظر آئیں گی، یہ ڈریس دیکھو کتنے شاندار ہیں اور تم پر تو ایسے سج جائیں گے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جائیں گے، یہ مہندی کا جوڑا ہے اس کے بعد شادی کا جوڑا پہن کر تمہیں اسٹیج پر آنا ہو گا دوسری ماڈلز بھی ہوں گی تمہارے ساتھ لیکن یہ ڈریسز میں نے خاص تمہارے لئے تیار کروائے ہیں تمہیں اتنے شاندار انداز میں ماڈلنگ کی دنیا میں متعارف کرواؤں گی کہ سب بے اختیار واہ واہ کہہ اٹھیں گے۔''

مکمل ناول

بیگم ماریہ جاوید نے اپنی اکلوتی اور چھوٹی بیٹی ایشا کو دیکھتے ہوئے نہایت سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں سمجھنا چاہا۔

''مما! مجھے ایسی واہ واہ کی چاہ نہیں ہے جس میں اپنا آپ عیاں کرنا پڑے سوری میں ماڈلنگ نہیں کروں گی۔'' ایشا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ماڈلنگ تو تمہارا باپ بھی کرے گا۔''

''تو ٹھیک ہے آپ پاپا کو یہ لباس پہنا کر ماڈلنگ کروا لیجیے گا۔''

''شٹ اپ ایشا، میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتی جو کہا ہے تمہیں وہی کرنا ہے ورنہ تمہارا یونیورسٹی جانا ہمیشہ کے لئے بند کروا دوں گی۔'' ماریہ نے اسے دھمکی دیتے ہوئے کہا تو وہ بے چین ہو کر بولی۔

''مما پلیز ایسا تو مت کہیے مجھے آگے پڑھنا ہے ابھی تو میں نے ایڈمیشن لیا ہے۔''

''آگے پڑھنا چاہتی ہو تو ضرور پڑھو لیکن میری بات تمہیں ماننا ہوگی، آخر میرا بھی تم پر کچھ حق ہے تم اپنی مما کے لئے ماڈلنگ نہیں کر سکتیں۔'' ماریہ نے سنجیدہ اور فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''مما!'' وہ اتنا ہی کہہ سکی تھی ماریہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔

''بس...... اب میں کچھ نہیں سنوں گی کل سے تم میرے ساتھ شو کی ریہرسل کے لئے چلو گی، سنبھالو یہ سب چیزیں۔'' ماریہ نے غصے سے کہا اور ملبوسات کے ڈبے اس کے سامنے بیڈ پر رکھ کر اس کے کمرے سے باہر نکل گئیں، وہ بے بسی سے اپنے سامنے بکھرے عروسی جوڑے کو دیکھنے لگی۔

☆☆☆

گاؤں کی روشن صبح تھی، معطر اور تر و تازہ ہوا نٹ کھٹ دوشیزاؤں کی طرح پنگھٹ پر پانی بھرنے کے لئے آنے والی گاؤں کی الھڑ دوشیزاؤں سے اٹھکیلیاں کرتی آگے بڑھتی جاتی تھی اور اپنی سانسوں میں دوشیزاؤں کی زلفوں کی باس بھی شامل کرتی جاتی تھیں، رانی بڑے گھر کی بیٹی تھی، مگر وہ بھی اپنی سکھیوں کے ساتھ پنگھٹ پر پانی بھرنے آتی تھی اور جب سے شہر سے اس کے بھائی اللہ یار خان کا شہری دوست غلام محمد گاؤں چھٹیاں گزارنے آیا تھا اور ہر روز پنگھٹ پر پانی بھرنے آنے لگی تھی، غلام حسین اسی گاؤں میں پیدا ہوا تھا، آٹھویں جماعت تک غلام حسین اور اللہ یار خان نے گاؤں کے اسکول میں اکٹھے تعلیم حاصل کی تھی، اس کے بعد غلام حسین مزید تعلیم کے حصول کے لئے شہر چلا گیا اور میٹرک کا امتحان دینے کے بعد گاؤں آیا تو وہ شہر کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، اس کا گاؤں میں دل نہ لگا اور اپنے اماں ابا سے ضد کی کے شہر میں گھر خرید کر وہیں رہیں تاکہ وہ کالج میں داخلہ لے سکے، چونکہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا اور ضدی اور خودسر بھی تھا جبھی اس کے اماں ابا کو اس کی بات ماننا پڑی اور وہ اپنا آبائی گھر اللہ یار خان کے والد حکمت یار خان کے ہاتھ فروخت کر کے شہر چلے گئے، وقت گزرتا رہا، اللہ یار خان میٹرک سے آگے نہ پڑھ سکا کے بقول اس کے والد کے اسے کون سا نوکری کرنا تھی، زمینیں سنبھالنا تھیں اور ضرورت کے مطابق پڑھنا لکھنا اسے آ ہی گیا تھا اسی طرح اللہ یار خان کم عمری میں ہی زمینداری کے جھمیلوں میں پڑ گیا تھا۔

لڑکیوں کو صرف قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی تھی لہٰذا رانی بھی قرآن پاک کی تعلیم کے علاوہ اسکول تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہ گئی

تھی، چھ برس کے بعد غلام محمد اچانک گاؤں چلا آیا تھا، وہ اونچا لمبا، وجیہہ مرد تھا، سرخ و سفید رنگت بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن میں دیکھنے والا ڈوب جاتے، اسے اپنے حسن کا ادراک تھا جبھی خوب بج سنور کر گھر سے نکلتا تھا، یونیورسٹی میں بھی اس کی کئی لڑکیوں سے دوستی تھی اور اب وہ گاؤں آیا تھا تو اپنے شہری حلیے میں کئی لڑکیوں کے دل کے تار ہلا رہا تھا، شلوار قمیض اور شلوار کرتے میں بھی اس کی شخصیت بہت پرکشش دکھائی دیتی تھی اور لڑکیوں کی طرح رانی بھی اس کے وجیہہ و شکیل سراپے کو اپنے دل و نگاہ میں بسا بیٹھی تھی اور اب اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ غلام محمد کو اپنی نظروں کے سامنے بیٹھا کر اسے دیکھتے عمر بیتا دے، غلام محمد کو اللہ یار خان نے اس کے پرانے مکان میں ہی ٹھہرایا تھا، ملازم ناشتہ گھر پہنچا دیتا تھا اور دوپہر اور رات کا کھانا وہ اللہ یار خان کے ساتھ حویلی میں کھاتا تھا، رانی اسے پنگھٹ پر دیکھنے کی غرض سے جاتی تھی کیونکہ وہ صبح کی سیر کو اسی راستے سے آتا جاتا تھا، ولایتی لباس میں صبح کی سیر کے لئے آتے جاتے غلام محمد بھی رانی کو دیکھتا اور مسکراتا، آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی پیغام اسے دیتا آگے بڑھ جاتا تھا اور رانی کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگتی تھیں، لبوں پر آپ ہی آپ شرمیلی مسکان کھیلنے لگتی، نگاہ بار حیا سے خود بخود جھک جاتی اور وہ آنچل کا کونہ منہ میں دبائے گھڑے میں پانی بھرنے لگتی اور خوابوں کی دنیا میں غلام محمد کے سنگ سفر کرنے لگتی۔

''رانی تیری حویلی میں تو نوکروں کی فوج لگی ہے پھر تو روز روز پنگھٹ پہ کیوں آتی ہے ری؟'' رانی کی سکھی کاسنی نے اس سے پوچھا۔

''میں پنگھٹ پہ پانی بھرنے آتی ہوں۔''

''اور غلام محمد کو دیکھ دیکھ کر آہیں بھرنے لگتی ہوں، ہے ناں۔'' کاسنی نے شرارت سے اسے کہنی مار کر کہا تو وہ گلنار ہو گئی۔

''چل ہٹ۔'' کاسنی کی بات پر وہ شرما کر بولی۔

''تو ہٹ یہاں سے میں بھی پانی بھر لوں۔'' کاسنی نے اسے پرے کرتے ہوئے کہا تو وہ اسے چڑانے کو بولی۔

''ہاں ہاں بھر لے پانی تیرے تو دیدوں کا پانی بھی مر گیا ہے تجھے تو پانی کی زیادہ ضرورت ہے۔''

''اور تیری حویلی میں جو جیسے ڈیم بنا ہے نا۔'' کاسنی نے تپ کر کہا۔

''ہاں بنا ہے تو کیوں جلتی ہے؟'' رانی ہنسنے لگی۔

''میں کیوں جلنے لگی بھلا، جلتی ہے میری جوتی۔'' کاسنی نے باقاعدہ پاؤں زمین پر مار کر جواب دیا تو وہ اس کی حالت و کیفیت سے حظ اٹھاتے ہوئے ہنستی چلی گئی۔

☆☆☆

''بوا! میں کیسے اتنے سارے لوگوں کی نگاہوں کا سامنا کروں گی اور وہ بھی دلہن کے روپ میں، دلہن تو ایک بار بننا ہی اچھا ہوتا ہے نا بوا وہ بھی اصلی والی دلہن۔'' ایشا نے اپنی پریشانی اپنی بوا یعنی دادی سے کہتے ہوئے کہا تو وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

''ہاں بچی دلہن تو ایک ہی بار سجتی ہے پر تیری ماں کو کون سمجھائے؟''

''دلہن کے روپ میں سینکڑوں لوگوں، مردوں کے سامنے ماڈلنگ کرنا مردوں کی بھوکی، حریص اور ہوس زدہ نگاہ کی زد میں آنا کتنا شرمناک، اذیت آمیز اور تکلیف دہ عمل ہوگا بوا،

میں کیا کروں بوا؟ مما کیوں نہیں سمجھیں کے یہ سب صحیح نہیں ہے میں کوئی ڈیکوریشن پیس نہیں ہوں جسے وہ نمائش میں دکھانا چاہتی ہیں، میں بیٹی ہوں ان کی مما کو تو مجھے چھپا کر سینت سینت کر رکھنا چاہیے نہ کہ اشتہار بنانا چاہیے، بوا! وہ مجھے سجا سنوار کر لوگوں کے سامنے پیش کر کے ان سے داد وصول کرنا چاہتی ہیں، اپنے ملبوسات بیچنے کے لئے مجھے بے لباس بے قیمت کرنا چاہتی ہیں، ماڈل گرلز کی کوئی عزت نہیں کرتا بوا، بس سامنے واہ واہ کرتے ہیں اور یہ کتنے فضول ڈریسز ہیں سلیولیس بازو اور بلاؤز برائے نام ہے، دلہن تو ڈھکی چھپی پیاری لگتی ہے نا بوا اور یہ عروسی جوڑے سب کچھ عیاں کر دیں گے بے ہودگی اور بے پردگی کو مما جدید دور کا فیشن کہتی ہیں۔" ایشا ملبوسات کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولی تو بوا نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"صحیح کہتی ہو چندا! دلہن کو تو مکمل ڈھانپ کر سلیقے سے سجا سنوار کر اس کی زینت کو چھپا کر رکھا جاتا تھا ہمارے زمانے میں اور دلہن کا چہرہ بھی گھونگھٹ میں چھپا ہوتا تھا جسے صرف اس کا دولہا اٹھاتا تھا، اب تو ہوا ہی الٹی چل پڑی ہے دلہن کو ہرا ایرا غیرا سر سے پیر تک دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھے جاتا ہے اس کی زیب و زینت ہر مرد کی نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے۔"

"کتنا گناہ ملتا ہے نا بوا اس کام سے یوں غیر مردوں کے سامنے ایسے بے ہودہ لباس پہن کر جانے سے۔" ایشا نے دکھ سے کہا۔

"ہاں بچی تمہاری باتیں سچی اور کھری ہیں مجھے تمہاری سوچ پر ناز ہے، میری گڑیا! لیکن تمہاری ماں کی سوچ کون بدلے اب؟"

"تو اس کا مطلب ہے کہ مجھے یہ گناہ کرنا پڑے گا بوا؟"

"اللہ تجھے ہر گناہ سے، ہر آزمائش اور ہر مشکل سے بچائے رکھے میری بچی، اللہ تیری عزت اور زینت کی حفاظت فرمائے۔" بوا نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور دل سے اس کے لئے دعا کی، ایشا نے دل میں آمین کہا تھا۔

☆☆☆

رانی کی سکھیاں پانی بھر کے جا رہی تھیں اب وہ اپنے گھڑے میں پانی بھر رہی تھی کہ غلام محمد ادھر آ نکلا۔

"رانی!" غلام محمد نے اس کے پاس آ کر پکارا تو وہ ٹھٹا گئی۔

"ہائے اللہ آپ ادھر کیوں آئے ہیں جی؟"

"پیاس بجھانے۔" وہ گہری نظروں سے اس کے سراپے کو جانچتے ہوئے بولا۔

"آپ کو پیاس لگی ہے؟" وہ اس کی معنی خیز بات کا مطلب بھی نہیں سمجھی تھی۔

"ہاں بہت، تمہاری دید کی پیاس۔"

"ہائے اللہ کیسی باتیں کرتے ہیں جی آپ، کوئی سن لے گا، دیکھ لے گا، مجھ کو جانا ہے۔" رانی گھبرا گئی تھی گھڑا اٹھا کر جانے کو پر تولتے ہوئے پریشان لہجے میں بولی، چہرے پر شبنم اتر رہی تھی۔

"رانی! جانا تو مجھ کو ہے واپس شہر لیکن جانے سے پہلے میں تمہیں اپنی ذات کا حصہ بنانا چاہتا ہوں تم میرے سپنوں کی رانی ہو، مجھے اپنا جیون سونپ سکتی ہو رانی۔" غلام محمد نے اس کا ہاتھ تھام لیا آخر میں تو اس نے گھبرا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"آ......آپ لالہ سے بات کرونا جی۔"

"تمہارے لالہ سے میں بہت جلد بات کروں گا اپنی بہن کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدو

تا کہ یہ اس طرح مجھ سے اپنا ہاتھ نہ چھڑا سکے کیوں ٹھیک ہے ناں۔" وہ اس کے چہرے کی گلابیوں اور شادابیوں کو وارفتگی سے دیکھ رہا تھا۔

"مجھ کو نہیں پتا۔" وہ شرما کر ہنستی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"پر مجھ کو پتا ہے کہ تمہارا دل بھی ہمارے دل کے ساتھ دھڑکتا ہے۔" غلام محمد نے پیچھے سے شوخ لہجے میں کہا تو رانی نے مڑ کر شرمیلی مسکان لبوں پر سجائے اسے دیکھا اور پھر تیزی سے حویلی کی جانب قدم بڑھا دیئے اور غلام محمد کے دل کے قدم رانی کی جانب بڑھتے چلے جا رہے تھے، اسے یقین تھا کہ رانی ایک دن اس کی دسترس میں ہوگی کیونکہ وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی۔

رانی انیس برس کی الہڑ دوشیزہ تھی، سرخ سیبوں جیسی رنگت والی، گھنیری سیاہ پلکوں کے دامن میں سبز چمکیلی آنکھوں والی، لمبی سیاہ کالی زلفیں جو کبھی دو چٹیاں بنائے تو کبھی مینڈھیاں گوندھے ہوتیں اس کے متناسب قد اور بھرے بھرے صحت مند جسم پر لہراتی اس کے کم سن اور نوخیز حسن میں مزید اضافہ کرتی تھیں، وہ تو خود مہکتی کلی تھی، اس کے حسن کے چرچے تو پورے گاؤں میں پھیلے تھے لیکن آج تک کسی کو رانی کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی، وہ حکمت یار خان اور زرمینے کی اکلوتی بیٹی اور اللہ یار خان کی اکلوتی بہن تھی اسے بہت عزیز تھی اس میں تو اس کی جان تھی، حکمت یار خان شادی شدہ تھا، شادی کے دو سال بعد اس کی گھر والی پلوشے جو زرمینے (بی بی جان) کی بھانجی تھی امید سے ہوئی تھی تو پوری حویلی میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی، رانی اپنی بھابھی سے بہت پیار کرتی تھی اس کا بہت خیال رکھتی تھی اور دعا مانگتی تھی کہ اللہ اسے چاند سا بھتیجا دے۔

☆☆☆

"اسفی، میٹ مائی ڈاٹر ایشا۔" ماریہ نے ایک وجیہہ شخص سے ایشا کا تعارف کرایا، جو دیکھنے میں بالکل انگریزی فلموں کے ہیرو جیسا تھا۔

"ہیلو بے بی۔" اس نے مسکراتے ہوئے ایشا کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو ایشا ٹھٹا گئی۔

"السلام علیکم!" ایشا نے جواباً سلام کیا تو اسفی نے ابرو چڑھا کر تعجب کا اظہار کیا جبکہ ماریہ نے خود ایشا کا ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا جسے اسفی نے بڑی گرمجوشی تھامتے ہوئے مصافحہ کیا، ایشا کے تن بدن میں جیسے آگ ہی لگ گئی تھی، اس نے بمشکل اپنا ہاتھ اس سے چھڑایا اس لمحے اسے صحیح معنوں میں اپنی ماں پر غصہ آیا تھا جو غیر مرد سے اپنی بیٹی کو اس طرح متعارف کرا کے خوش ہو رہی تھی، اس شخص کی گہری اور تیز نگاہیں اس کے وجود میں کھب رہی تھیں، ایشا کو ماریہ کی بات ماننا پڑی تھی اور وہ ماڈلنگ کی ریہرسل کے لئے ان کے ہمراہ اسٹوڈیو آئی ہوئی تھی۔

"مسز جاوید! آپ کی بیٹی کو تو میں اچھی طرح سے جانتا ہوں بھلا یہ بھی کسی تعارف کی محتاج ہیں۔" اسفی نے مسکراتے ہوئے کہا تو ایشا اس شخص کے سفید جھوٹ پر حیران رہ گئی۔

"رئیلی، تم دونوں ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے ہو کیوں ایشا ڈارلنگ! تم نے پہلے کبھی بتایا ہی نہیں کہ تمہارا کوئی بوائے فرینڈ بھی ہے ویسے مجھے تمہاری چوائس پر فخر ہے۔" ماریہ خوشی سے مسکراتے ہوئے ایشا کے حیرت سے پر چہرے کو دیکھتے ہوئے بولیں تو وہ بمشکل اپنی صفائی دینے کو بولی۔

"نن......نو مما...... میں انہیں نہیں جانتی

میں تو آج ان سے پہلی بار مل رہی ہوں۔"

"اوکم آن ڈارلنگ! میں نے کوئی اعتراض تو نہیں کیا ہے نہ ہی مائنڈ کیا ہے تم تو چھپی رستم نکلیں۔" ماریہ نے ہنس کر اس کی ٹھوڑی پکڑ کر کہا تو شرم سے آب آب ہوگئی۔

"ایشا ڈیئر، آپ کی اور میری شناسائی تو بہت گہری ہے اس کا ثبوت بھی پیش کر سکتا ہوں میں۔" اسفی نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

"آپ خواہ مخواہ مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش مت کریں۔" ایشا نے غصے سے کہا تو وہ ہنس پڑا۔

"خواہ مخواہ او ڈیئر، میرے پاس آپ سے بے تکلف ہونے کا سرٹیفکیٹ موجود ہے دیکھنا چاہیں گی۔"

"تم دونوں کس بحث میں الجھ رہے ہو آؤ ریہرسل شروع کریں۔" ماریہ جو اپنے موبائل پر کسی سے بات کرنے میں مگن ہو گئیں تھیں ان دونوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا تو ایشا تیزی سے آگے بڑھ گئی، اسفی کی نظریں اس کے تعاقب میں بہت دیر تلک رہی تھیں اور ایشا اس کی اس درجہ بے تکلفی پر پریشان اور ہراساں ہو کر رہ گئی تھی، اسفی کے جانے کے بعد اس کی جان میں جان آئی تھی، ایشا کو یہاں کا ماحول پسند نہیں آیا تھا، لڑکے لڑکیاں آپس میں یوں بے تکلف ہو کر باتیں کر رہے تھے جیسے ان کے بیچ کوئی شرعی پابندی یا پردہ ہی نہ ہو، ایشا نے عروسی ملبوسات دیکھ لئے تھے اور اسٹیج پر کیٹ واک کی مشق بھی کر لی تھی، واپسی پر وہ افسردہ تھی جبکہ ماریہ بہت خوشگوار موڈ میں تھیں، ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا اور ایشا گاڑی کی پچھلی نشست پر ماریہ کے برابر بیٹھی تھی۔

"ایشا ڈارلنگ! مجھے بہت خوشی ہوئی ہے یہ جان کر کے تم نے بھی زندگی کو انجوائے کرنا سیکھ لیا ہے، ورنہ تو تمہاری دادی نے تم میں بوڑھی روح گھسا کر رکھ دی تھی، آج کل چادر میں چھپ کر برقعے میں دبک کر گزارہ نہیں ہوتا مردوں کے شانہ بشانہ باہر نکل کر کام کرنا پڑتا ہے اپنا آپ منوانا پڑتا ہے، یہ اکیسویں صدی ہے ڈارلنگ، ماڈرن ایج ہے اس میں سولہویں صدی کے رسم و رواج اپلائی نہیں کیے جا سکتے اور تمہاری ایج تو لائف انجوائے کرنے کی ہے نہ کہ تسبیح پھیرنے کی یہ نیک کام تم اپنی بوا کے لئے ہی رہنے دو اور آج سے بس ماڈلنگ کی طرف دھیان دو، پھر دیکھنا کیسے یہ لوگ تمہارے آگے پیچھے دم ہلاتے پھرتے نظر آئیں گے، دولت، شہرت، نام، مقام سبھی تمہارے قدموں میں پڑے ہوں گے۔" ماریہ نے سنجیدگی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ بیزار ہو کر بولی۔

"مما! میں یونہی ٹھیک ہوں مجھے نہیں چاہیے دولت، شہرت، نام، مقام۔"

"تم ابھی بیس برس کی ہوئی ہو اور تمہیں یہ باتیں سمجھنے کے لئے مزید بیس برس درکار ہیں ڈارلنگ، خیر چھوڑو اس ٹاپک کو یہ بتاؤ کے تم اور اسفی کب سے ایک دوسرے کو جانتے ہو؟"

"مما آئی سوئیر، میں اس شخص سے آج پہلی بار ملی ہوں۔"

"وہ تو بڑے یقین سے تم سے گہری شناسائی جتا رہا تھا اور ثبوت رکھنے کا دعوے دار بھی بن رہا تھا۔" ماریہ نے بیٹی کو کھوجتی، جانچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جیسا وہ خود جھوٹا ہے ویسا ہی اس کا ثبوت بھی جھوٹا ہو گا۔" ایشا نے چڑ کر کہا تو ماریہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ایشا ڈارلنگ! اگر وہ جھوٹا ہے تب بھی میں چاہتی ہوں کے ایسا سچ ہو جائے کیونکہ وہ بہت بڑا بزنس مین ہے مل اونر، فیکٹری اونر ہے کمپنی کا مالک ہے اور تو اور اس کی زمینیں اور باغات بھی سونا اگلتے ہیں، اکلوتا بیٹا ہے وہ اپنے ماں باپ کا یہاں شہر میں اکیلا رہتا ہے ہر کام کے لئے ملازم موجود ہیں، مجھے ایسے ہی داماد کی تلاش تھی، تھینکس گاڈ، کے تم دونوں پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہو اور اسفی کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے، ایشا ڈارلنگ تم اسفی کو زیادہ سے زیادہ وقت دو۔"

"مما پلیز، یہ سب مجھ سے نہیں ہو گا میں آپ کی بیٹی ہوں کوئی بکاؤ مال نہیں ہوں میں یہ گناہ نہیں کر سکتی۔" ایشا نے غصے سے کہا تو ماریہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہنس کر بولیں۔

"ایشا ڈارلنگ! اس دنیا میں ہر چیز، ہر رشتہ، ہر جذبہ فار سیل ہے بکاؤ مال ہے اور سویٹ ہارٹ میں تو تمہارے ہی بہتر اور پر آسائش، آزاد اور محفوظ مستقبل کی غرض سے یہ سب چاہ رہی ہوں۔"

"مما! مستقبل کی کسے خبر ہے نجانے آنے والے کل میں میرے لئے کیا ہے؟ کیا معلوم کے جو آپ میرے لئے سوچ رہی ہیں سب کچھ اس کے الٹ ہی ہونا لکھا ہو؟" ایشا نے گہرا سانس لے کر سنجیدگی سے کہا۔

"اللہ نہ کرے ایسا نہیں سوچتے بے بی، تم دیکھنا میں تمہاری شادی اس شان سے کروں گی کے سارا شہر دنگ رہ جائے گا، اسفی کو بہت سی بیگمات اپنا داماد بنانے کے چکر میں ہیں تم اسے ہاتھ سے مت نکلنے دینا، مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد تمہیں پرپوز کرے گا۔" ماریہ نے مسکراتے ہوئے خوش کن خیال میں گھر کر کہا تو جواب میں ایشا کچھ بولی نہیں بس اندر ہی اندر کڑھتی رہی۔

ایشا اپنے نام کی طرح اجلی، روشن اور شفاف رنگت، صورت اور سیرت کی مالک تھی، بوا کی تربیت نے اسے مشرقیت کے لبادے میں ڈھال دیا تھا، شرم و حیا کا سبق اسے بوا نے ہی سکھایا تھا، وہ پابند صوم و صلوۃ تھی، حالانکہ اس کے ماما پاپا اور دونوں بھائی صوم و صلوۃ سے بے بہرہ تھے، ایشا معصومیت اور محبت میں گندھی ایک حساس لڑکی تھی، خدا نے اسے رنگ روپ بھی ایسا دیا تھا کہ دیکھنے والا نگاہ ہٹانا بھول جاتا، دودھ جیسی رنگت میں گلابیاں گھلی تھیں جب وہ ہنستی مسکراتی تھی، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، ستواں ناک، چمکتی پیشانی، بھرے بھرے یاقوتی لب اور شبنمی رخساروں پر کھلتی بہار، سیاہ دراز زلفوں کا جوبن متناسب قد کاٹھ کے ساتھ صحت مند جسم رکھنے والی ایشا خود کو گھر سے باہر نکلتے ہوئے ہمیشہ بڑی سی چادر میں ڈھانپ کر نکلتی تھی، اول تو وہ بازار جاتی ہی نہیں تھی اور اگر ضرورتاً اور مجبوراً جانا پڑ جاتا تو چہرہ بھی حجاب میں ہوتا تھا اور بوا کو اپنے ساتھ لے کر جاتی تھی، سچ تو یہ تھا کہ وہ بوا کے بغیر کچھ بھی نہیں تھی بوا اس کی سہیلی، ہمراز اور مسیحا بھی تھیں اور ماں بھی، اسے پیار صرف بوا سے ہی ملا تھا، مما پاپا کے پاس اپنی بزنس اور سوشل سرگرمیوں سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی، ان سے صرف ناشتے یا ڈنر پر کبھی کبھار سلام دعا ہو جاتی تھی، پاپا تو بوا کا احوال بھی بس رسماً ہی پوچھا کرتے تھے، بوا نہ ہوتیں تو ایشا تنہا اور اکیلی رہ جاتی، وہ دونوں ایک دوجے کی محبت میں بندھی تھیں، ماریہ امیر باپ کی بیٹی تھیں، فیشن کی دلدادہ تھیں، سو کچھ باپ کی جائیداد کا رعب تھا اور کچھ اپنے حسن اور ذاتی بزنس کی کمائی کا گھمنڈ جو وہ اپنے شوہر کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تھیں، حالانکہ ان

کا آدھا بزنس وہی چلا رہے تھے، ماریہ کی بیوٹی پارلر اور تین بوتیکس تھیں اور وہ ایک فیشن میگزین بھی کچھ عرصے سے نکال رہی تھیں، اپنی بوتیکس اور بیوٹی سیلون کی پبلسٹی کے لئے وہ اپنے میگزین کو عمدگی سے استعمال کر رہی تھیں اور اس بار انہوں نے اپنے نئے ڈیزائن کردہ عروسی ملبوسات کی نمائش کے لئے ایک شو کا اہتمام بھی کیا تھا اور ایشا کو بھی اس شو میں ماڈل کی حیثیت سے متعارف کرا رہی تھیں، ایشا جو ہمیشہ ڈھکی چھپی رہتی تھی اب یوں سب کے سامنے بے پردہ ہونے جا رہی تھی اس غم سے وہ رات بھر سو نہیں سکی تھی، اس نے پاپا سے بھی بات کی تھی مگر وہ بھی یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ۔

''بیٹا! ایک فیشن شو ہی تو کرنا ہے ذرا سی کیٹ واک سے اگر تمہاری مما خوش ہو سکتی ہیں تو کر لینے میں کیا حرج ہے؟ تمہاری عمر کی لڑکیاں تو ایسے مواقع کی تلاش میں رہتی ہیں اور تمہیں تو گھر بیٹھے اتنا اچھا موقع مل رہا ہے اسے ضائع مت کرو کل کے شو کی تیاری کرو۔'' اور ایشا اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

''شاید اسی دور کی قدریں، اخلاقیات اور ترجیحات بدل گئی ہیں جبھی تو والدین اپنی جوان بیٹیوں کو شوبز کی چکا چوند میں بخوشی دھکیل رہے ہیں۔'' ایشا نے تاسف اور دکھ سے سوچا تھا۔

آج فیشن شو تھا، ایشا کا دل صبح سے گھبرا رہا تھا، بوا نے اس پر آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر دم کیا تھا، ایشا نے خود بھی فجر کی نماز کے بعد آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا تھا، مگر پھر بھی اسٹیج پر سینکڑوں لوگوں بالخصوص مردوں کے سامنے دلہن کے روپ میں جانے کے خیال سے اسی کا دم نکلا جا رہا تھا۔

''بوا! میرا دل بہت گھبرا رہا ہے کہیں کچھ غلط نہ ہو جائے۔'' ایشا نے روہانسی ہو کر بوا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی کیفیت عیاں کی۔

''میری بچی اللہ ہے نا وہ تیری حفاظت کرے گا میری تیرے ماں باپ نے تو نہیں سنی پر وہ اللہ سائیں تو سنتا ہے نا وہ تیری حفاظت کرے گا۔'' بوا نے اس کا ماتھا چوم کر کہا حالانکہ دل تو ان کا بھی سہما ہوا تھا۔

''بوا! یہ کسی محاذ جنگ پر نہیں جا رہی جو آپ اس قسم کی باتیں کر رہی ہیں آ جائے گی رات تک شو ختم ہوتے ہی چلو ایشا۔'' اسی وقت ماریہ ایشا کو لینے چلی آئیں تو بوا کی بات سن کر بولیں۔

''بہو! بچی کو بے مول نہ کر ابھی بھی وقت ہے اسے بے پردہ کرنے سے باز رہ۔'' بوا نے انہیں سمجھانے کی آخری کوشش کی۔

''ایشا میری بیٹی ہے میں اس کے بارے میں بہتر ہی سوچ رہی ہوں آپ اس کی فکر نہ کریں اپنی فکر کریں۔'' ماریہ نے غصے اور بدتمیزی سے جواب دیا اور ایشا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتی ہوئی وہاں سے لے گئیں، بوا نے بھیگتی آنکھوں سے دور جاتی ایشا کو دیکھا اور اس کے لئے ڈھیروں دعائیں مانگ ڈالیں۔

ایشا کو مشرقی دلہن کا روپ دینے کے لئے خاص طور پر اس کے نرم ملائم کومل سے ہاتھوں پر مہندی کے خوبصورت ڈیزائن بھی بنائے گئے تھے۔

دن شو کی ریہرسل میں گزر گیا، شام کو شو کا وقت ہوا تو تمام ماڈل گرلز اپنے اپنے میک اپ اور گیٹ اپ کے ساتھ اپنی اپنی باری کے انتظار میں بیک اسٹیج پر آ بیٹھیں، ایشا نے تین عروسی جوڑے زیب تن کرنے تھے، جن گولڈن اور گرین کلر کا ایک جوڑا تھا، دوسرا میرون اور گولڈن کلر کا تھا اور تیسرا بہت ہی شوخ گلابی

رنگ کا تھا، تمام جدید فیشن کے خوبصورت ڈیزائن والے ملبوسات تھے اور ایشا نے ہاف سلیوز والے لہنگے پہننے کو ترجیح دی تھی کیونکہ باقی سلیولیس اور مختصر بلاؤز کے جدید لہنگے تھے، اسٹیج پر جانے سے پہلے جب ایشا تیار ہو کر کھڑی تھی تو اسفی اس کے پاس چلا آیا۔

''واہ کیا روپ ہے میری دلہن کا دل چاہتا ہے......''

''شٹ اپ، آپ فضول گوئی سے پرہیز کیجئے۔'' ایشا نے غصے سے دبے دبے لہجے میں کہا اس وقت ایشا اور اسفی کے چہروں پر کیمرے کی لائٹ پڑی تھی، ان دونوں کی تصویر فوٹو گرافر نے اپنے کیمرے میں محفوظ کر لی تھی، ایشا اس وقت کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی، ماریہ اندر اسٹیج پر تھیں، میوزک کی آواز اور ماریہ کی کمپیئرنگ کی آواز بیک اسٹیج تک آ رہی تھی۔

''بڑا نخرہ ہے دلہن بی بی کا اور کیوں نہ ہو خدا جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آ ہی جاتی ہے، رہ گئی فضول گوئی تو محترمہ ابھی کچھ دیر بعد جب آپ اسٹیج پر نمودار ہوں گی تو بہت سی زبانیں فضول گوئی کی مرتکب ہوں گی، بہت سی آنکھوں میں شیطانی چمک ابھرے گی، ہوس بیدار ہو گی اور کتنے مرد تمہیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھیں گے اور تمہاری دھڑکنوں کو قریب سے سننے کی آواز میں مچلیں گے، یہی نہیں تمہارا یہ فتنہ انگیز روپ اخبارات و رسائل کی زینت بنے گا تو لوگ تمہیں نہ صرف چھو سکیں گے بلکہ چوم بھی سکیں گے۔'' اسفی نے اس کے قیامت خیز سراپے کو بغور دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیخ اٹھی۔

''اسٹاپ اٹ پلیز، چلے جائیں آپ یہاں سے۔''

''میں تو آپ کو لے کر ہی یہاں سے جاؤں گا اب۔'' وہ آرام سے مسکرا کر بولا۔

''مطلب؟'' اس نے ہراساں ہو کر اسے دیکھا اس کی نیلی آنکھوں میں عجیب پر اسراریت تھی، وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔

''ایشا، کم آن ڈارلنگ! تمہاری باری آنے والی ہے چلو آگے۔'' اسی وقت ماریہ وہاں چلی آئیں اور تیزی سے بولیں ماریہ نے سلیولیس اونچی شرٹ اور ٹراؤزر پہن رکھا تھا، قمیض کا گلا انتہائی بڑا تھا آگے پیچھے سے بدن چھلک رہا تھا، دوپٹے کے نام پر ایک پٹی سی گلے میں لپٹی ہوئی تھی، اس پر بالوں کو بوائے کٹ اسٹائل چمکتا دمکتا میک اپ ایشا کو اپنی ماں کے حلیے نے شرمندگی سے دوچار کر دیا۔

''او ہائے اسفی، تم یہاں کیوں کھڑے ہو اندر جا کر بیٹھو نا۔'' ماریہ کی نظر جونہی اس کے برابر میں کھڑے اسفی پر پڑی وہ فوراً بولیں۔

''تھینک یو مسز جاوید، دراصل میں اپنی بیوی کو لینے آیا تھا آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے میری بیوی کو دلہن بنا دیا، اب رخصتی بھی کر دیجئے اپنی ایشا ڈارلنگ کی میرے ساتھ تاکہ میں بھی اپنی دلہن کے ساتھ یہ شب بلکہ اپنی گولڈن نائیٹ انجوائے کر سکوں۔'' اسفی نے مسکراتے ہوئے مدھم آواز میں کہتے ہوئے ان دونوں پر حیرتوں کے پہاڑ توڑے۔

''اسفی ڈارلنگ! یہ مذاق کا وقت نہیں ہے شو ختم ہو جائے پھر اس موضوع پر بات کریں گے ابھی تو ایشا کو اسٹیج پر پرفارم کرنا ہے تم اسے بعد میں لے جانا مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' ماریہ نے اپنی پریشانی اور حیرت پر قابو پاتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا، جبکہ ایشا اس سرخ و سفید رنگت والے نیلی نیلی آنکھوں والے وجیہہ

شخص کی دیدہ دلیری پر ٹنگ کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

"مسٹر جاوید اور مسز جاوید بھی آ گئے چلیے اچھا ہوا اب رخصتی آپ دونوں کی موجودگی میں ہو گی۔" اسفی نے جاوید اختر کو آتا دیکھ کر ان سے کہا۔

"خیریت ایشا اسٹیج پر نہیں گئی اب تک۔" جاوید اختر نے آتے ہی سوال کیا۔

"ایشا اسٹیج پر نہیں جائے گی بلکہ دلہن کے سیج پر جائے گی جو میں نے اپنے گھر میں اس کے لئے سجا رکھی ہے، یہ میری دلہن ہے اسے دیکھنے کا حق صرف مجھے حاصل ہے یہ اسٹیج پر نہیں جائے گی، بلکہ میرے ساتھ جائے گی چلو ایشا۔" اسفی نے پر اعتماد لہجے میں کہا اور ایشا کا ہاتھ پکڑ لیا تو جیسے تب وہ ہوش میں آئی فوراً بدک کر پیچھے ہٹی۔

"میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی — میں تمہاری کچھ نہیں لگتی۔ تم...... تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"ایشا، اسفی یہ کیا تماشا ہے؟ اندر کمرے میں آؤ دونوں۔" ماریہ غصے میں ایشا کا ہاتھ پکڑ کر قریبی کمرے میں چلی آئیں وہ بھی ان کے پیچھے ہی آ گئے۔ ایشا نے روتے ہوئے کہا۔

"مما! یہ جھوٹا ہے میں تو اسے جانتی بھی نہیں ہوں۔"

"تم چپ رہو۔" ماریہ نے غصے سے کہا اور پھر اسفی کی طرف متوجہ ہوئیں جو بہت فاتحانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"اسفی تم بتاؤ معاملہ کیا ہے؟ ایشا تمہیں جانتی ہے تمہارے ساتھ کوئی بھی رشتہ ماننے سے انکاری ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ تمہاری بیوی ہے کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ یہ تمہاری بیوی ہے؟"

"ثبوت، یہ رہا نکاح نامہ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا مسٹر اینڈ مسز جاوید؟" اسفی نے اپنے کوٹ کی جیب میں سے ایک سفید کاغذ نکال کر ان کی جانب کیا بڑھایا ایشا کی جان ہی نکال ڈالی تھی، وہ واقعی نکاح نامہ تھا اس کے جعلی ہونے میں ذرا برابر بھی شبہ نہیں تھا، ماریہ اور جاوید اختر دونوں کے بغور نکاح نامہ دیکھا تھا، ایک ماہ پہلے کی تاریخ درج تھی۔

"اب بھی انکار کرو گی کہ تم اسفی کی بیوی نہیں ہو بولو۔" جاوید اختر نے غصے سے ایشا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں نہیں ہوں میں اس شخص کی بیوی، یہ جھوٹا ہے فراڈ ہے، میں تو اسے جانتی تک نہیں ہوں۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"اسفی اب تم کیا چاہتے ہو؟" جاوید اختر نے ایشا کے آنسوؤں کی پرواہ کو بھی نظر انداز کر دیا اور اسفی سے مخاطب ہوئے۔

"ایشا کی رخصتی۔"

"مگر اس وقت نہیں ہم..."

"جاوید صاحب، ابھی نہیں تو کبھی نہیں ایشا کو میں آپ دونوں کے سامنے رخصت کرا کے لے جانا چاہتا ہوں ورنہ یہ کام میں آپ دونوں کی شمولیت کے بغیر بھی کر سکتا تھا۔" اسفی نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔

"جاوید میری بات سنو۔" ماریہ جاوید اختر کا بازو پکڑ کر سائیڈ پر لے گئیں، ایشا مسلسل رو رہی تھی۔

"جاوید، ہمیں اس وقت اسفی کی بات مان لینی چاہیے اور اسفی ایک دولت مند لڑکا ہے کروڑوں کی جائیداد اور بزنس کا مالک ہے ابھی ہم ایشا کو اس کے ساتھ رخصت کر دیتے ہیں اور بعد میں شادی کی تقریب منعقد کر لیں گے، شکر ہے

کہ ایشا نے کسی ڈھنگ کے آدمی سے شادی کی ہے میں تو ایشا کو بیوقوف ہی سمجھتی رہی آج تک۔" ماریہ نے آہستگی سے کہا مگر ایشا اور اسفی کے کان کھڑے تھے وہ دونوں ان کی سرگوشیانہ گفتگو بھی واضح طور پر سن چکے تھے۔

"مگر مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ایشا ایسا انتہائی قدم اٹھا سکتی ہے ہم تو خود اسفی کو اپنا داماد بنانا چاہتے تھے انکار تو نہ کرتے اس رشتے سے پھر انہیں کورٹ میرج کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور پھر ایشا کیوں انکار کر رہی ہے اس شادی سے؟" جاوید اختر نے فکر مند لہجے میں سوال اٹھائے۔

"ایشا نے آج تک کوئی ایسی ویسی حرکت کی جو نہیں ہے کچی عمر ہے دل کے کہنے میں آ کر یہ قدم اٹھا لیا ہوگا جبھی اب شرمندگی سے انکار کر رہی ہے جانتی تو ہے نا کہ ہم اسفی سے اس کی شادی کرنا چاہ رہے تھے، اب اسفی شاید ایشا کا یہ قیامت ڈھاتا روپ اتنا دلہن سا روپ دیکھ کر [illegible] رکھ پایا اور یہ راز افشاں کر دیا۔" ماریہ نے [illegible] سے جواب دیا۔

"ہوں، میرا خیال ہے ایسی ہی بات ہے خیر چلو ایشا کو رخصت کرو۔" جاوید اختر نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو وہ ان دونوں کی جانب آ گئے۔

"اسفی ہم ایشا کو تمہارے ساتھ رخصت کر رہے ہیں لیکن چند روز بعد ایشا اپنے میکے سے شاندار طریقے سے رخصت ہو گی، آخر ہمیں بھی دنیا کو منہ دکھانا ہے ماریہ جاوید کی بیٹی کی شادی یوں چوری چھپے ہو یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" ماریہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ڈونٹ وری مسز جاوید، چند روز بعد ایشا کو میں خود میکے چھوڑنے آؤں گا اس کی رخصتی شاندار طریقے سے ہی ہوگی آپ کی خواہش کے عین مطابق لیکن اس وقت تو میری خواہش کے عین مطابق آپ اسے میرے ساتھ رخصت کر دیجئے بڑی عنایت ہو گی۔" اسفی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چلو ایشا۔" ماریہ اسے شانوں سے پکڑا۔

"نہیں مما۔" وہ روتے ہوئے بولی تو جاوید اختر نے سختی سے کہا۔

"ایشا! یہ ہمارا گھر نہیں ہے یہاں تماشا مت بناؤ چلو فوراً اسفی تمہارا شوہر ہے ہم نے تمہارے اس انتہائی قدم کو خوشدلی سے قبول کر لیا ہے پھر اس ڈرامے کی کیا ضرورت ہے اٹھو فوراً۔"

"پاپا...... مما...... نہیں مما...... یہ جھوٹا ہے، مجھے مت بھیجیں اس کے ساتھ۔" وہ ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے بولی۔

"خاموشی سے جا کر گاڑی میں بیٹھ جاؤ میرا شو اور موڈ دونوں خراب کر دیا چلو جلدی مجھے اسٹیج کی صورتحال بھی دیکھنی ہے لو اپنی چادر۔" ماریہ نے غصے سے کہتے ہوئے اس کی بڑی سی چادر اس کے شولڈر بیگ سے نکال کر اس پر اوڑھا دی، اسفی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا جو ایشا نے چھڑانا چاہا مگر اسفی کی گرفت بہت مضبوط تھی، جاوید اختر اور ماریہ جلدی جلدی ان دونوں کو گاڑی تک چھوڑ کر آ گئے، اسفی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا ڈرائیو کر رہا تھا ایشا اس کے برابر ہی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی چادر میں چہرہ چھپائے بلک بلک کر رو رہی تھی، گاڑی جونہی ویران سڑک پر آئی ایشا نے چلتی گاڑی سے چھلانگ لگانے کے خیال سے گاڑی کا دروازہ کھولنا چاہا مگر اسفی کی عقابی نگاہوں نے اس کے ارادے کو بھانپ لیا تھا، لہٰذا فوراً ہی اسفی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا۔

''مرنا چاہتی ہو؟'' وہ تیز لہجے میں بولا۔

''ہاں میں مرنا چاہتی ہوں۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے میں تمہیں مرنے کا موقع اور بہانہ ضرور مہیا کروں گا بس ذرا کچھ دن میرے ساتھ زندہ رہ لو۔''

''میں تمہارے ساتھ ایک دن بھی نہیں رہنا چاہتی۔'' وہ غصے سے بولی۔

''چلو دن نہ سہی ایک رات تو رہ سکتی ہو نا ہوں۔'' اسفی نے مسکراتے ہوئے جس لہجے میں کہا تھا اور اسے دیکھا تھا وہ اندر سے ہل کر رہ گئی تھی۔

پندرہ منٹ کے بعد گاڑی اسفی کے وسیع و عریض اور خوبصورت بنگلے میں آ کر رکی، ملازم نے فوراً آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا، اسفی گاڑی سے اتر گیا اور دوسری جانب سے آ کر ایشا کی سائیڈ والا دروازہ کھول کر ہاتھ آگے کر دیا اور سپاٹ لہجے میں بولا۔

''آیئے بیگم صاحبہ! اپنے گھر میں پہلا قدم رنجہ فرمایئے۔''

''یہ میرا..... گھر نہیں ہے۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''تمہاری قبر تو ہے ناں، اترو فوراً میں ملازموں کے سامنے کوئی تماشا نہیں چاہتا۔'' وہ دبے دبے غصیلے لہجے میں غرایا تو وہ اپنا لہنگا سنبھالتی گاڑی سے نیچے اتر آئی۔

''صاحب! شادی مبارک ہو۔'' ملازم نے دلہن کو دیکھ کر سفی کو مبارک باد دی۔

''بہت بہت مبارک ہو صاحب! دلہن بیگم تو بہت پیاری ہیں ماشا اللہ۔'' ملازمہ ریشماں نے ایشا کو حیرت، مسرت اور ستائش بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مبارک باد دی۔

''خیر مبارک تم لوگ کھانے کا اہتمام کرو ذرا اچھا سا۔'' اسفی نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بہت بہتر صاحب جی کہہ کر مسکراتے ہوئے باورچی خانے کی طرف بڑھ گئے، اسفی نے مڑ کر ایشا کی طرف دیکھا شاکنگ پنک کلر کے انتہائی شاندار کامدار عروسی جوڑے میں عروسی زیورات، پھولوں، کلیوں، گجروں اور مہندی کے رنگوں میں مہکتی، دمکتی نوخیز دلہن اشک بہاتی اسے اپنی تمام تر معصومیت سمیت دل کے بہت قریب محسوس ہوئی تھی، اسفی نے اس کا حنائی ہاتھ تھاما تو وہ سہم کر اسے دیکھنے لگی اور اس کے دل کی دنیا کو تہس نہس کرنے لگی وہ دانستہ اس کے حسن جہاں سوز سے نظریں چرا گیا کے وہ اسے یہاں اس مقصد سے تو نہیں لایا تھا کہ اس پر اپنی محبتیں نچھاور کرے، وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے چلتا ہوا اندر اپنے جدید کشادہ اور خوبصورت بیڈ روم میں اسے لے آیا اور جونہی اسفی نے دروازہ اندر سے لاک کیا ایشا کے سارے حواس بیدار ہو گئے اس کے پورے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی، من مندر میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں، وہ حیرت زدہ اور ہراساں سی آنکھیں چوپٹ کھولے اسفی کی طرف دیکھنے لگی، وہ بہت پراسرار انداز میں مسکرایا تھا، وہ سمجھ رہی تھی کہ یہ خوبصورت چہرے والا مرد کون سا بدصورت فعل کرنے کی غرض سے اسے یہاں لایا ہے، اسے اپنی بے بسی پر، اپنے والدین کی بے حسی اور بے خبری پر جی بھر کے رونا آ رہا تھا۔

''یہ..... دروازہ کیوں..... بند کیا ہے تم نے؟'' وہ اٹک اٹک کر پوچھ رہی تھی۔

''تا کہ میں اپنی دلہن کو رونمائی اور شب زفاف کا تحفہ دے سکوں۔''

''تم جانتے ہو کہ تمہارا مجھ سے نکاح نہیں ہوا پھر کیوں یہ گناہ کرنے چلے ہو۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''میں نکاح نامہ تمہارے گھر والوں کو اور تمہیں دکھا چکا ہوں اور کیا ثبوت چاہیے تمہیں؟'' وہ مسکراتے ہوئے اپنا کوٹ اتار کر صوفے پر اچھال کر بولا جبکہ ایشا کی نظریں اپنے بچاؤ کے لئے کوئی ہتھیار کوئی اوزار تلاش کرنے کے لئے اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔

''تم ساری دنیا سے جھوٹ بول سکتے ہو، سب کو بیوقوف بنا سکتے ہو، لیکن تم خود سے اور مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے، تم جانتے بوجھتے گناہ کی دلدل میں اترنا چاہتے ہو آخر کیوں؟ کیوں لائے ہو تم مجھے یہاں؟'' وہ چیخ کر بولی اس دوران اس کی کھوجتی نگاہوں نے فروٹ باسکٹ میں رکھی چھری کو اپنے تحفظ کے لئے وہاں موجود پا لیا تھا۔

''تم مجھے پہلی ہی نظر میں اچھی لگی تھیں اور میں ہر اچھی چیز کو حاصل کر کے رہتا ہوں۔'' وہ اس کے پاس آتے ہوئے بولا۔

''اچھی چیز کو اچھے اور جائز طریقے سے حاصل کرنا ہی اچھا ہوتا ہے۔''

''خیر اب تو جو بھی ہے اسے تمہیں قبول کرنا ہو گا اب تم میری دسترس میں ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے ایک قدم اور آگے آیا تو ایشا نے تیزی سے لپک کر فروٹ باسکٹ میں رکھی چھری اٹھا لی۔

''خبردار میرے قریب مت آنا۔''

''یہ کیا حرکت ہے؟ رکھو اسے۔'' وہ ایکدم سے گھبرا کر بولا۔

''اگر تم نے مجھے چھونے کی کوشش کی تو میں خود کو ختم کر لوں گی۔'' ایشا نے چھری کی دھار اپنی شہہ رگ کے قریب رکھ کر دھمکی دی اس کا لہجہ بہت خطرناک تھا اسفی کو لگا کے وہ جو کہہ رہی ہے واقعی کر دکھائے گی وہ ٹھٹکا گیا۔

''میں تمہاری بیوی نہیں ہوں کوئی رشتہ نہیں ہے میرا تم سے تم اگر واقعی مجھے چاہتے ہو تو پہلے مجھ سے سچ مچ نکاح کرو پھر جو چاہے سلوک کرنا میرے ساتھ، مگر یوں نہیں مسٹر اسفی، یوں تو میں تمہیں اپنی آن آبرو پامال کرنے کی اجازت نہیں دوں گی، ختم کر لوں گی خود کو سنا تم نے۔'' ایشا کے اندر ایکدم سے نجانے اتنی جرأت اور طاقت کہاں سے آ گئی تھی کہ وہ رونا بھول کر اپنی عصمت آن آبرو کو سلامتی کی خاطر مضبوط اور پر اعتماد لہجے میں اس کو للکار رہی تھی، حیران کر رہی تھی۔

''عقل سے کام لو لڑکی۔'' وہ تیز لہجے میں بولا۔

''عقل سے کام لے رہی ہوں جبھی یہ بات کہہ رہی ہوں بلاؤ مولوی کو اور نکاح پڑھواؤ بقول تمہارے تم نے مجھ سے نکاح کیا ہے نا تو بھی سے میری تسلی کے لئے دوبارہ نکاح کرنے میں کیا قباحت ہے؟''

''مجھے کون سا اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارنی ہے بس تمہاری بربادی کا سامان ہو جائے پھر میں تمہیں رخصت کر دوں گا۔'' وہ سفاکی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''تم شیطان ہو، انسان کے روپ میں بھیڑیے ہو، تمہارے اس خوبصورت چہرے کے پیچھے بہت ہی بھیانک چہرہ چھپا ہے، میں خواہ مخواہ تمہیں ایک اچھا انسان سمجھتی رہی واقعی...... خوبصورت چہرے ہمیشہ دھوکہ دیتے ہیں اور تم...... تم نے پہلی ملاقات میں ہی اپنی کمینگی ظاہر کر دی تھی۔'' ایشا نے دکھ اور کرب سے پر لہجے میں کہا۔

''بکواس بند کرو لڑکی! شیطان اور بھیڑیے سے ملو گی اس کے کرتوت دیکھو گی تو تمہاری عقل

ٹھکانے آجائے گی میرا خیال تھا کہ تمہیں ادھر ہی سے فارغ کر کے بھیج دوں گا لیکن تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں تمہیں تمہاری اوقات یاد دلاؤں اور اس [illegible] تمہیں تمہارے نیچ خاندان کو لوٹا دوں، چلو میرے ساتھ۔" اسفی نے ایکدم سے پر جلال لہجے اور اونچی آواز میں کہا اور آگے بڑھ کر [illegible] اس کے ہاتھ سے چھین لی اور ایک طرف میز پر پھینک کر اس کا ہاتھ کھینچتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا اور مزید ہراساں ہو گئی تھی اور [illegible] اسے گاڑی میں بٹھا کر گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا اور تیزی سے گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا بنگلے سے باہر لے گیا، تمام ملازم حیران پریشان اسے جاتا دیکھتے رہ گئے۔

☆☆☆

"غلام محمد [illegible] غلام محمد۔" اللہ یار خان اس کے کمرے کے دروازے پہ دستک دے رہا تھا لہجے میں پریشانی نمایاں تھی۔

"اللہ یار تم، خیر تو ہے ناں اس بارش میں تم ادھر کیسے آ نکلے؟" غلام محمد نے دروازہ کھولا تو اسے سامنے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"یار تیری بھابھی کی حالت بہت خراب ہے لیڈی ہیلتھ ورکر نے جواب دے دیا ہے کہتی ہے کہ شہر لے جاؤ نہیں تو..... نہیں تو خدانخواستہ [illegible] اور بچے کی..... جان بھی جا سکتی ہے۔"

"یہ تو بہت پریشانی کی بات ہے تم فوراً بھابھی کو شہر لے جاؤ گاڑی اور ڈرائیور تو ہے تمہارے پاس پھر دیر کیوں یار چلو جلدی کرو۔" غلام محمد نے فکرمندی سے اس کے ساتھ باہر آتے [illegible]

[illegible] یار رہا ہوں بی جی بھی ساتھ جا [illegible] بھی پر تم سے اس لئے بتانے [illegible] تم آج رات حویلی میں سو جاؤ رانی اکیلی ہوگی ڈر نہ جائے ویسے تو ملازم اور رانی کی خادمہ بھی حویلی میں موجود ہو گی مگر میں چاہ رہا تھا کہ تم مہمان خانے میں رہ لو تاکہ میں شہر سے فون کروں تو تم میری راہنمائی کر سکو اور یار! مجھ کو شہر میں ہسپتال کا پتا نہیں ہے رات کو [illegible] طوفانی بارش میں، میں کدھر ڈھونڈوں گا ہسپتال اور ڈاکٹرنی کو تم مجھے کسی اچھے سے ہسپتال یا کلینک کا پتہ لکھ کر دو اور ڈاکٹر کا نام بھی معلوم ہے تو وہ بھی لکھ دو۔" اللہ یار خان اس کے ساتھ چلتے ہوئے اپنی جیپ میں آ بیٹھا تھا اور مسلسل بولے جا رہا تھا، غلام محمد نے اس کے ساتھ حویلی پہنچتے ہی اسے ہسپتال کے نام اور ایک دو لیڈی ڈاکٹرز کے نام پتے اور ساتھ ہی اپنے گھر کا پتہ بھی لکھ کر اسے دے دیا۔

"تم میرے گھر ٹھہر جانا بے جی اور بابا تمہارا اور بھابھی کا خیال رکھیں گے، بلکہ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" غلام محمد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

"نہیں نہیں یار، تم ادھر ہی رکو کسی کو ادھر بھی تو ہونا چاہیے نا اور پھر گاڑی میں جگہ بھی نہیں بچے گی، ڈرائیور ہو گا نا وہ بازار کا چکر لگائے گا بی جی اور ملازمہ ہیں تمہاری بھابھی اور میں ہوں اور سامان بھی تو ہے، بس تم دعا کرنا سب کام خیریت سے ہو جائے۔"

"انشاء اللہ سب خیر ہو گی، تم پریشان نہ ہو میں ٹیلی فون کے قریب ہی رہوں گا کوئی مسئلہ ہو تو بتا دینا میں بھی صبح شہر پہنچ جاؤں گا۔" غلام محمد نے سنجیدہ مگر نرم لہجے میں کہا حالانکہ دل سے تو وہ چاہ رہا تھا کہ وہ شہر جائے گا تو اسے رانی سے ملنے کا موقع میسر آ جائے گا اور آج تو قدرت نے اس کی خواہش کے مطابق موسم اور مصیبت کو اس کے لئے موقع مہیا کرنے کا اہتمام کر دیا تھا، وہ دل ہی دل میں بہت کچھ سوچ رہا تھا، منصوبے بنا

رہا تھا، رانی کا دلکش مرمریں پیکر اس کے وجود میں ابھی سے ہلچل مچانے لگا تھا، اللہ یار خان اپنی بیوی، ماں اور ملازمہ کو ساتھ لے کر ڈرائیور کے ساتھ شہر روانہ ہو گیا تھا۔

"صاحب! آپ مہمان خانے میں سو جاؤ ہم باہر موجود ہیں۔" اللہ یار خان کے ملازم نے غلام محمد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے موسم بہت خراب ہے تم بھی دروازے بند کر کے تالے ڈال دو اور آرام کرو اس طوفانی بارش میں اب یہاں کون آئے گا ہاں یہ ٹیلی فون اگر مہمان خانے تک جا سکتا ہے تو اسے وہیں پہنچا دو تاکہ اگر اللہ یار خان کا شہر سے فون آئے تو میں فوراً سن سکوں۔" غلام محمد نے سنجیدگی سے کہا تو وہ "ٹھیک ہے صاب" کہہ کر ٹیلی فون کی تار سمیٹ کر ٹیلی فون اس کے کمرے یعنی مہمان خانے میں لے گیا، جو حویلی کے مردان خانے سے ملحق تھا اور خاص قریبی مہمانوں کے لئے ہی کھولا جاتا تھا، دیگر مہمانوں کے لئے حویلی سے باہر ڈیرے پر یا غلام محمد کے خریدے گئے گھر پر مردوں کے ٹھہرنے کا انتظام ہوا کرتا تھا، رات کے ساڑھے نو بجے تھے اور گاؤں میں تو لوگ سرِ شام ہی سونے کے عادی ہوتے ہیں آج تو پھر بادل گرج برس رہا تھا اور تمام لوگ چپ سادھے یا سو رہے تھے یا اپنے کچے گھروں کی ٹپکتی چھتوں کے نیچے پریشان بیٹھے گھر کے برتنوں میں بارش کا چھت سے ٹپکتا پانی جمع کر رہے تھے، کسی کو یہ خوف کھا رہا تھا کہ کہیں اس کی کچی مٹی گارے کی یہ چھت اس کے سر پہ نہ آ گرے، سب خاموش تھے اور دل ہی دل میں برستے مینہ کے تھمنے کی ابرِ رحمت کی دعائیں مانگ رہے تھے، ایسے میں پکی حویلی کی مضبوط اور اونچی دیواروں ریت اور سیمنٹ سے بنی پختہ چھتوں کے نیچے دو انسان جاگ رہے تھے، جنہیں نہ چھت کے گرنے کا خوف تھا اور نہ ہی مینہ بھی بھیگنے کا ڈر، رانی اور غلام محمد رانی کو اپنی بھابھی کی سلامتی کی فکر نے جگا رکھا تھا وہ مسلسل اس کی سلامتی اور خیریت سے واپسی کی دعا مانگ رہی تھی، اسے اپنے لالہ کے فون کا انتظار تھا جو اس نے شہر خیریت سے پہنچنے پر کرنا تھا۔

اس کی خادمہ بھی تھک کر اپنے کمرے میں جا کر سو گئی تھی اور غلام محمد رانی سے ملاقات کا یہ نادر موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا، وہ کتنے عرصے سے ایسے ہی کسی موقع کی تلاش میں تھا کہ رانی اسے تنہا ملے تو وہ اس کے حسن کو جی بھر کے دیکھے، سراہے اور اسے اپنی بے تابیوں کی داستاں سنائے، ملازم سب اپنی اپنی جگہوں پر تھے، صرف گیٹ پر چوکیدار چھپر تلے بیٹھا اپنی ڈیوٹی دینے پر مامور و مجبور تھا، غلام محمد اپنے کمرے سے باہر نکل آیا اور حویلی کے ڈرائنگ روم میں ٹہلنے لگا، اس کی نظریں بار بار رانی کے کمرے کی جانب اٹھ رہی تھیں، یکایک ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی، وہ بری طرح سٹپٹا گیا اور اس کا دل خوف سے دھڑکنے لگا، رانی کے کانوں تک بھی ٹیلی فون کی مدھم سی آواز پہنچ گئی تھی وہ دل تھام کر خیر کی دعا مانگتی بے اختیار اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی، غلام محمد فون سننے کے لئے کمرے میں چلا آیا تھا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو، غلامے میں اللہ یار خان بول رہا ہوں۔"

"ہاں یار! خیر سے پہنچ گئے ہو بھابھی کی طبیعت کیسی ہے اب؟" غلام محمد نے اونچی آواز میں پوچھا تو اس نے جواب دیا۔

"طبیعت تو پہلے سے ہی ٹھیک نہیں ہے یار، وہ بے ہوش ہے ڈاکٹرنی نے آپریشن کیا ہے نا، پر

ایک اچھی خبر ہے کہ اللہ نے ہمیں بیٹا دیا ہے وارث پیدا ہوا ہے ہمارے گھر۔"

"مبارک ہو خان بہت بہت مبارک ہو میری طرف سے بی جی اور بھابھی کو بھی مبارک باد دینا، واپسی کب تک ہوگی تمہاری؟"

"یارا! ڈاکٹرنی کہتی ہے تین دن لگیں گے، آپریشن ہوا ہے نا تو وہ احتیاط کے طور پر ابھی تین دن پلو شے کو ہسپتال میں داخل رکھے گی، ٹھیک بھی ہے یارا، خدانخواستہ گاؤں پہنچ کر اس کی طبیعت دوبارہ خراب ہوگیا تو ہم کیسے اتنی جلدی اس کو شہر کے ہسپتال لے جائے گا بس ہم اپنی تسلی کر کے آئیں گے حویلی، رانی کو بھی بتا دو، زلیخا بی بی کے ذریعے پیغام دے دو اس کو کے وہ پھپھو بن گئی ہے۔" اللہ یار خان تیزی سے بولتا چلا گیا۔

"اچھا تم اپنا بھی خیال رکھنا ادھر کی فکر نہ کرو ہیلو...... ہیلو۔" غلام محمد کی بات اس تک نہیں پہنچی تھی اور لائن کٹ گئی تھی، ایسے موسم میں لائن مل جانا اور بات ہو جانا بھی بڑی حیران کن بات تھی، غلام محمد نے رسیور سائیڈ پر رکھا اور کمرے سے باہر نکلا تو رانی کو بے تابی و بے چینی سے ڈرائنگ روم میں ٹہلتے پایا۔

"اللہ یار کا فون ہے جا کر بات کرلو۔" غلام محمد نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا اور کسی شیطانی سوچ کے تحت اس سے جھوٹ بول دیا۔

"لالہ کا فون ہے۔" رانی پریشانی میں تیزی سے بھاگتی ہوئی مہمان خانے میں چلی گئی، غلام محمد کی آنکھوں میں ابھرتی حریصانہ چمک سے بے خبر وہ چاروں طرف نگاہ دوڑاتا اپنی تسلی کرتا کمرے میں داخل ہوگیا اور دروازہ آہستہ سے اندر سے بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔

"یہ فون تو کٹ گیا۔" رانی نے رسیور کریڈل پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں بارش ہو رہی ہے نا اس لئے لائن خراب ہوگئی ہوگی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو رانی کی نگاہ بند دروازے اور بند چٹخنی پر پڑی اور اس کا پورا وجود اس سرد موسم میں بھی خوف سے پسینے میں نہا گیا، وہ سمجھ گئی تھی کے لائن خراب نہیں ہوئی تھی غلام محمد کی نیت خراب ہوگئی تھی، اس نے اپنی شال کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ لیا تھا، اسے شدت سے اپنی بیوقوفی کا احساس ہو رہا تھا، اسے یوں اس کے کمرے میں فون سننے نہیں آنا چاہیے تھا۔

"کیا بولا تھا لالہ نے تم سے؟" وہ دروازے کی جانب دھیرے سے بڑھتے ہوئے لرزتی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"تم کو مبارک ہو رانی تم کو اللہ نے بھتیجا دیا ہے بھابھی کا آپریشن ہوا ہے اس لئے وہ لوگ ابھی تین چار دن شہر میں ہی رہیں گے۔" غلام محمد نے آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا صورتحال ایسی تھی کہ وہ اتنی بڑی خوشخبری پر بھی خوش نہیں ہو سکتی تھی، اسے اپنی آن، آبرو خطرے میں نظر آ رہی تھی، وہ دل ہی دل میں اللہ سے مدد مانگ رہی تھی۔

"تم نے دروازہ کیوں بند کیا، جھوٹ کیوں بولا ہٹو ادھر سے ورنہ ام شور مچا دے گا۔" رانی نے ہمت کر کے تیز لہجے میں کہا تو وہ مکروہ انداز میں قہقہہ لگا کر بولا۔

"تمہارا شور ان بادلوں کے شور میں اس کمرے میں ہی دب کر رہ جائے گا میرے سپنوں کی رانی اور محبت اور جنگ میں تو سب جائز ہوتا ہے جانم۔"

"ناجائز کو جائز وہ سمجھتا ہے جس کی نیت میں کھوٹ ہوتا ہے ام کو نہیں معلوم تھا کہ تم اس اچھی شکل کے پیچھے اتنا برا دل لے کر پھرتا ہے، ام کو جانے دو ورنہ۔" رانی نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔

"کیسے جانے دوں جانم، آج تو میرے دل کی مراد بر آئی ہے میں تو کب سے ایسے موقع کی تلاش میں تھا تم نے بہت تڑپایا ہے مجھ کو، میں تمہیں قریب سے دیکھنا، چھونا اور محسوس کرنا چاہتا ہوں، آج دیدار کا بادل کھل کے برسے گا اور میرے وجود کی پیاسی اور تشنہ دھرتی کو سیراب کر دے گا، آؤ رانی دور مت جاؤ۔" وہ کمینگی سے بولتا اس کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔

"ام کو ہاتھ مت لگانا، بچاؤ...... زلیخا...... بچاؤ۔"

"نہ شور نہ مچاؤ کوئی نہیں سننے والا سب سونے جا چکے ہیں اور میں یہ رات تمہارے ساتھ جاگتے ہوئے گزارنا چاہتا ہوں پیاری۔" وہ اس کے منہ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ کر بولا۔

"رانی! دیکھو تو خواہ مخواہ غصہ کر رہی ہے کل کو ہماری شادی تو ہو ہی جانی ہے میں نے تیرے لالہ سے بات کر لی تھی، وہ شہر سے آ کے ہماری شادی کر دے گا اور میں تجھے اپنے ساتھ شہر لے کر ہی جاؤں گا یہاں سے۔" وہ اسے بیوقوف بنا رہا تھا جھوٹ بول رہا تھا وہ کم سن ضرور تھی مگر اتنی کم فہم نہیں تھی کہ اس کی بات کی حقیقت کو نہ سمجھ سکتی، غصیلے اور تیز لہجے میں اعتماد سے بولی۔

"تو یہاں سے ابھی دفعہ ہو جا تجھے شرم نہیں آتی اپنے یار کے گھر نقب لگانے چلا ہے دوستی پہ شب خون مار رہا ہے، یاری کو داغدار اور بے اعتبار کر رہا ہے اور شادی میں تو کبھی تجھ جیسے بد نیت آدمی سے شادی نہ کروں، مجھ سے جھوٹ بولتا ہے، لالہ سے نہ تم نے ام سے شادی کی بات کیا ہے اور نہ ہی لالہ کبھی ہماری شادی تم سے کرے گا، ام اپنے خاندان کی دلہن بنے گا، تجھ کو لالہ نے اپنا دوست بنا کر بہت بڑا غلطی کیا، تو...... تو دوستی کے قابل نہیں ہے تجھ کو شادی کے قابل ام کیوں سمجھے گا، ہٹو غلام محمد کچھ اپنے نام کی ہی لاج رکھو لیو، ہٹو ورنہ اچھا نہیں ہوئے گا۔"

"اچھا ہی اچھا ہوگا رانی، تو...... تو مجھ سے پیار کرتی تھی ناں میرا دیدار کرتی تھی، پھر اب کیوں بیگانی ہو رہی ہے، اگر نرمی سے نہیں مانے گی تو زبردستی تو میں تجھے زیر کر ہی لوں گا ناں بول کدھر جائے گی اب۔" غلام محمد نے شیطانی نظروں سے اس کے نوخیز، معصوم اور پاکیزہ حسن کو دیکھتے ہوئے مکروہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تو اس کی خوف کے مارے چیخ نکل گئی، وہ جو بظاہر پراعتماد اور باحوصلہ بنی اسے للکار رہی تھی، وہ اسے پل بھر میں پچھاڑ چکا تھا، وہ چیختی چلاتی، روتی رہی مگر غلام محمد کے سر پر تو شیطان سوار تھا، وہ اس بند گلی کا بند بند اپنی دسترس میں لئے نوچ رہا تھا، نوخیز، تر و تازہ گلاب کی خوشبو اسے پاگل کر رہی تھی، اس پر رانی کے آنسوؤں کا، اس کی منتوں کا، اللہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطوں کا کوئی اثر نہ ہوا اور معصوم رانی اس کی شیطانی کی نذر ہوگئی، باہر مینہ تھم گیا تھا اور اندر غلام محمد کے جنون کا بادل بھی کھل کے برس چکا تھا، وہ بے ہوش رانی پر فاتحانہ نگاہ ڈال کر اس کی شال اس کے بے آبرو اور مسلے ہوئے گلاب بدن پر پھیلا کر چپکے سے حویلی سے باہر نکل گیا۔

پرندوں کی چہچہاہٹ نے موذن کی اذان نے صبح ہونے کا اعلان کیا تھا مگر کل رات جو قیامت حویلی کی اس دھرتی کی بیٹی پر گزری تھی، جو کالک اس کے چہرے پر، خاندان کی عزت پر مل دی گئی تھی اس کی سیاہی آسمان پر بھی چھائی ہوئی تھی، سورج فرط ندامت سے اپنا چہرہ سیاہ بادلوں میں چھپائے سسک رہا تھا، زمین اپنی بیٹی

کی آن، آبرو، حیا، ردا، اپنے دامن میں سمیٹے بے بسی کی تصویر بنی ہوئی تھی، گاؤں کے کھیت کھلیان، شجر بھی دم سادھے سوگوار تھے، ایک نا معلوم دکھ کی بیل پورے گاؤں کی چار دیواری پر پھیلی تھی۔

زلیخا بی بی جو حویلی کی پرانی خادمہ تھی جس نے رانی کو اپنی گود میں کھلایا تھا، فجر کی نماز پڑھتے ہی اس کی طرف آئی تھی اور اسے نہ پا کر پریشانی کے عالم میں اسے ڈھونڈتی ہوئی مہمان خانے کے کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی اور رانی کا اجڑا بے سدھ وجود دیکھ کر اس کی تو جیسے جان ہی نکل گئی تھی، اس نے بمشکل اپنی چیخ نکلنے سے روکی تھی اور جلدی سے دروازہ بند کرکے رانی کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگی، اس کو ہوش میں آتا دیکھ کر اسے سنبھالتی ہوئی اس کے کمرے میں لے آئی اور بستر پر لٹا دیا اور دوڑتی ہوئی باورچی خانے میں گئی اس کے لئے دودھ گرم کر کے گلاس بھر کے لے آئی۔

''ارے آم نے کتنا بولا تھا خان جی کو اس کمین کو دوست مت بناؤ، وہ تو دشمن ہے، شیطان ہے، کیسا شب خون مارا ہے اس بھیڑیے نے، ارے اللہ اس کو غارت کرے ہماری رانی، ہماری بیٹی کو بے آبرو کر گیا وہ، ہائے ام کیا کریں اللہ سائیں ام کیا کریں؟'' زلیخا بی بی کو اس کے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی رانی کی حالت اور غلام محمد کی روپوشی اس پر ساری حقیقت آشکار کر گئی تھی وہ روتے ہوئے اپنا سر اور سینہ پیٹتے ہوئے بولی رانی تو ساکت لیٹی تھی، خالی خالی اور ویران نظروں سے کمرے کی چھت کو دیکھے جا رہی تھی۔

''زلیخا او زلیخا۔'' چوکیدار کی آواز سن کر زلیخا بی بی نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے اور خود کو سنبھالتی کمرے سے باہر آ گئی۔

''مبارک ہو زلیخا بی بی اس حویلی کو اللہ نے وارث دے دیا ہے خان جی کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔'' چوکیدار نے خوشی خوشی بتایا۔

''اچھا خیر مبارک اللہ تیرا شکر ہے مگر تم کو کس نے بتایا؟''

''وہ غلام محمد نے بتایا تھا فجر کو وہ حویلی سے چلا گیا تھا بولتا تھا کے خان جی کا شہر سے فون آیا ہے وہ ادر (ادھر) تین چار دن رکے گا انہوں نے اس کو بلایا ہے اسی لئے جا رہا ہے۔'' چوکیدار نے تفصیل بتائی تو زلیخا بی بی سر ہلاتی واپس رانی کے کمرے میں چلی گئی۔

''غلام محمد چلا گیا ہے تجھے برباد کرکے، ہائے اللہ سائیں ہم خان جی کو کیا منہ دکھائے گا، ام اپنی رانی کو اکیلا چھوڑ کے چلا گیا رانی کے ساتھ رہتا تو یہ سب نہ ہوتا، رانی او بیٹی رانی، اٹھو یہ دودھ پی لو ورنہ مر جائے گا تم۔'' زلیخا بی بی نے روتے ہوئے رانی کے سر میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ ایکدم سے جیسے ہوش میں آ گئی اور زور زور سے اپنا سر دائیں بائیں پٹخنے لگی۔

''مر جانے دو ام کو...... وہ...... وہ...... مردود ام کو مار گیا اے بچاؤ...... چھوڑ دو ام کو...... ام کو مت چھیڑو...... بچاؤ...... ہمارا چادر مت چھینو...... رانی کو مت چھوؤ...... چھوڑو چھوڑ دو ام کو۔'' زلیخا بی بی اسے سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی اور بے ربط جملے بولتی روتی بلکتی اس کے بازوؤں میں مچل رہی تھی۔

''رانی! ہوش کرو بچے اب شور مچانے سے کچھ نہیں ہونے والا، یہ داغ جو خان جی کی دستار میں لگا ہے اسے چپ کی سفیدی میں چھپا لو ورنہ سارا گاؤں خان جی پر حویلی پر تھو تھو کرے گا، تم کو کوئی دلہن بنانے نہیں آئے گا، خود کو سنبھالو بچے۔''

''لالہ ام کو مار دے گا بی بی، اچھا ہے وہ ام کو مار دے اب ام زندہ رہ...... کے کیا کرے گا، ام لٹ گیا، برباد ہو گیا بی بی، ام نے اس کو اللہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ بھی دیا تھا مگر وہ شیطان ام کو برباد کر گیا، ہمارا عزت...... تار تار کر گیا۔'' وہ زلیخا بی بی کے سینے میں چھپ کر روتے بلکتے ہوئے بولی اور اٹک اٹک کر ہچکیوں کے درمیان اس نے ساری حقیقت اس کے گوش گزار کر دی۔

تین دن بعد اللہ یار خان اپنی بیوی بچے اور ماں کے ساتھ خوش خوش حویلی لوٹا تھا، حویلی میں جشن کا سماں تھا، زلیخا بی بی نے حویلی کی عزت کی خاطر رانی کو بمشکل سنبھالا تھا، اپنی زبان پر قفل ڈال لیا تھا، گاؤں والے حویلی کے وارث کی آمد پر مبارکباد دینے آ رہے تھے، زلیخا بی بی نے رانی کو نہلا کر نیا جوڑا پہنا کر تیار کرایا تھا تاکہ اس کی سردہ اور اجڑی حالت دیکھ کر اس کے بھائی بھاوج اور ماں کو پریشانی نہ لاحق ہو جائے، رانی جیسی شوخ چنچل لڑکی کی مسلسل چپ اور گہری اداسی نے فوراً ہی اللہ یار خان کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی تھی، وہ اس کی اکلوتی، لاڈلی بہن تھی بیٹیوں جیسی عزیز تھی اسے، وہ اس کے پاس چلا آیا اور اس کے سر پہ دست شفقت رکھ کر پیار سے بولا۔

''ہماری رانی، اتنی چپ کیوں ہے بھئی دیکھو ہم تو تمہارے لئے منا لے کر آئے ہیں تم پھپھو بن گئی ہو کیا تم کو خوشی نہیں ہوا؟''

''ام...... ام کو بہت خوشی ہے لالہ، ام بہت خوش ہے۔'' وہ بولتے بولتے رو پڑی اور پھر اس کے کشادہ سینے میں چہرہ چھپا کر اس سے لپٹ کر اس بری طرح روئی کہ وہ ٹھٹھکا گیا اس کا دل کٹنے لگا، وہ اپنی لاڈلی بہن کی آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہیں برداشت کر سکتا تھا اور یہ کیسا مرحلہ تھا کہ وہ اشکوں کا سیلاب بہا رہی تھی۔

''رانی! بیٹا کیا بات ہے بولو ہم کو بتاؤ رانی تم کیوں روتا ہے اس طرح ابھی ہم زندہ ہے ہماری بہن۔''

''پر ام...... ام مر گیا ہے لالہ، تم ام کو مار دو گولی مار دو۔'' وہ روتے ہوئے بولی تو زلیخا بی بی فوراً لپکی اور اسے تھپکنے لگی، اللہ یار خان نے زلیخا بی بی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''زلیخا، یہ کیا بولتی ہے ہم اپنی بہن کو بالکل ٹھیک حالت میں چھوڑ گیا تھا یہ کیا ہوا ہے اس کو یہ کیوں ایسا بولتی ہے؟''

''یہ ٹھیک بولتا ہے خان جی، یہ مر گیا ہے، وہ مار گیا ہے ہماری رانی بیٹی کو۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''کون مار گیا ہے؟'' اللہ یار خان نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

''یہ تمہارا دوست غلام محمد کدھر ہے بیٹا؟'' بی جی نے اچانک یاد آنے پر پوچھا تو اسے بھی فوراً یاد آیا وہ تو خوشی میں بھول ہی گیا تھا کہ وہ غلام محمد کو حویلی چھوڑ گیا تھا اور اب گاؤں کے بھی لوگ اسے بیٹے کی مبارکباد دینے آ رہے تھے اگر نہیں تھا تو غلام محمد ہیں نہیں تھا۔

''ہاں بی جی، اس کا تو ہم کو خیال ہی نہیں آیا زلیخا بی بی کہاں ہے وہ؟'' اللہ یار خان نے پوچھا تو رانی کی سسکیاں چیخوں میں بدل گئیں۔

''خان جی! وہ مردار تو اسی رات آپ کی عزت پامال کرکے ادھر سے چلا گیا تھا۔''

''کیا کہہ رہی ہے زلیخا؟'' وہ ماں بیٹا ایک ساتھ چیخے تھے۔

''خان جی! ام کو معاف کر دو ام رانی بیٹی کی حفاظت نہیں کر سکا، وہ جو آپ کا دوست بن کے

آیا تھا، آپ کی رانی کی عزت سے کھیل کے چلا گیا۔" زلیخا بی بی نے روتے ہوئے ساری بات بتا دی، رانی پھر سے بے ہوش ہو چکی تھی، اللہ یار خان کے ہوش بھی اڑ گئے تھے وہ غصے، صدمے اور غیرت سے لال پیلا ہو رہا تھا، ماں بیوی نے اسے بمشکل ٹھنڈا کیا تھا۔

شور مچانے کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ ابھی تک تو بات حویلی کے اندر ہی تھی اگر ذرا سی بھی ہوا باہر نکلتی تو پورے گاؤں میں وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے، اللہ یار خان کے سر پہ خون سوار تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی عزت کے قاتل کے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلا دے، اسے اپنے آپ پر بھی بہت غصہ آ رہا تھا کہ اس نے کیوں غلام محمد کو اپنی حویلی میں دوست اور محافظ سمجھ کر اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھ کر بلایا تھا، وہ خود کو اپنی بہن رانی کا مجرم تصور کر رہا تھا، جبکہ رانی کو ہوش آیا تو وہ اپنی ماں کی آغوش میں بلکنے لگی، بی جی بھی اپنی بیٹی کی بربادی پر اشکبار تھیں، اللہ یار خان دوسرے دن غلام محمد کی سرکوبی کے لئے شہر چلا گیا لیکن اس کے گھر پر تالا پڑا تھا، اس نے ہمسائے سے اس کے متعلق پوچھا تھا وہ کہنے لگا کہ یہاں کرایے دار رہتے تھے جو تین دن پہلے مکان خالی کر گئے ہیں کہاں گئے ہیں کچھ معلوم نہیں اور نہ ہی وہ کسی غلام محمد کو جانتے تھے، اللہ یار خان کو غلام محمد کی دیدہ دلیری اور بے غیرتی پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا، تھک کر واپس گاؤں آ گیا، رانی کی حالت بہت ابتر ہو گئی تھی، ساری ساری رات جاگتے، کروٹیں بدلتے روتے بلکتے گزار دیتی اور دن میں کبھی آنکھ بھی لگتی تو اچانک چیخ مار کر "بچاؤ بچاؤ" کہتی اٹھ کر بیٹھ جاتی تھی، حویلی کے ملازمین سے اس کی حالت زیادہ دن چھپی نہیں رہ سکی تھی، تنور والی ماسی نے گاؤں میں یہ مشہور کر دیا کہ رانی پر جن کا سایہ ہو گیا ہے۔

"اے رانی! یہ تو نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے میں تو تجھے بھتیجے کی مبارک باد دینے آئی تھی، پر تیری حالت سے تو مجھے لگتا ہے کہ کوئی مر گیا ہے؟" کاسنی حویلی آئی تو اس کی حالت دیکھتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں بولی تو وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

"رانی...... رانی مر گئی...... رانی لٹ گئی...... رانی مر گئی۔"

"ہائے اللہ جی! رانی تو...... تو اس غلام محمد کے عشق میں جھلی ہو گئی ہے، وہ خانہ خراب کا بچہ تو نجانے کدھر ہو گا وہ تو گاؤں کی ہر حسین لڑکی پر ڈورے ڈال رہا تھا، اچھا ہوا کہ دفعہ ہو گیا، تمہارے لئے لڑکوں کی کمی ہے کیا؟" کاسنی کا دھیان اسی طرف گیا تھا، باٹ لہجے میں بولی۔

"رانی اس پر تھوکتی بھی نہیں ہے لعنت بھیجتی ہے اس مردود پہ، سنا تو نے...... بی جی لالہ...... لالہ بچاؤ۔" رانی پر جیسے دورہ پڑا تھا، چیخنا شروع ہو گئی، کاسنی نے حیرت سے دیکھا اتنے میں بی جی، زلیخا بی بی دوڑتی ہوئی وہاں آ گئیں، اللہ یار خان اس کی آواز سنتے ہی گھبرا کر دوڑا تھا، رانی پھر سے ہوش و خرد کی دنیا سے دور جا چکی تھی، اس واقعے نے اسے دلی صدمہ جو پہنچایا تھا سو پہنچایا تھا، وہ نفسیاتی طور پر بھی بیمار ہوتی جا رہی تھی، اللہ یار خان نے ڈسپنسری کی طرف ملازم کو دوڑایا کے وہاں شہر سے لیڈی ڈاکٹر تین دن کا کیمپ لگانے آئی ہوئی تھیں اور لیڈی ڈاکٹر عطیہ کو ڈرائیور جیپ میں بٹھا کر حویلی لایا تھا۔

"تنور والی ماسی سچ بولتی ہے رانی کو تو سایہ ہو گیا ہے جن عاشق ہو گیا ہے بے چاری پہ ہائے رانی کی تو شادی بھی نہیں ہو گی اب چہ چہ چہ۔" کاسنی نے حویلی سے باہر نکلتے ہوئے خود کلامی

کرتے ہوئے لمبا سانس لبوں سے خارج کیا۔

"انہیں خوش رکھنے کی کوشش کریں وہ بات جوان کے لئے دکھ اور صدمے کا باعث ہو اس سے پرہیز کریں یہ ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب ہیں اس حالت میں انہیں خوش رہنا چاہیے اور اچھی خوراک لینی چاہیے، میں کچھ دوائیں ڈسپنسری سے آپ کے ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دیتی ہوں۔" لیڈی ڈاکٹر عطیہ نے رانی کا چیک اپ کرنے کے بعد کمرے سے باہر آ کر کہا۔

"ڈاکٹرنی جی! میری بیٹی کو کیا ہوا ہے؟ وہ ٹھیک تو ہو جائے گی نا جی۔"

"انشاء اللہ بس آپ ان کی خوشی اور خوراک کا خیال رکھیں وہ ماں بننے والی ہیں ایسی حالت میں کیا احتیاط کرنی چاہیے یہ تو آپ بخوبی جانتی ہوں گی، یہ میرا شہر کا ایڈریس ہے اگر وہاں آنا ہو تو میرے کلینک تشریف لے آیئے گا میں رانی کا تفصیلی معائنہ کرلوں گی۔" ڈاکٹر عطیہ تو اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھیں مگر کسی کو کچھ سنائی اور سجھائی نہیں دے رہا تھا، وہ تب تو "وہ ماں بننے والی ہے" کے جملے پر ہی ساکت ہو کر رہ گئے تھے، ڈاکٹر عطیہ چلی گئی تھیں، بی جی، بلو شے، اللہ یار خان اور زلیخا بی بی کے دلوں پر ایک بار پھر قیامت بپا ہو گئی تھی۔

☆☆☆

"آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟" ایشا نے مسلسل ڈرائیونگ کرتے اسنی سے روتے ہوئے سوال کیا تو وہ سخت لہجے میں بولا۔

"تمہیں آئینہ دکھانے اور تمہاری اور تمہارے خاندان کی اوقات یاد دلانے لے جا رہا ہوں۔"

"اللہ میاں جی! میری مدد کریں مجھے اپنی امان میں لے لیں۔" ایشا نے روتے ہوئے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگی تو اسنی نے حیرت سے اسے دیکھا تھا اور لب بھینچ کر رہ گیا تھا، چند منٹ مزید گاڑی چلتی رہی پھر ایک گیٹ کے قریب آ کر رک گئی، اسنی نے ہارن دیا تو فوراً گیٹ کھل گیا وہ گاڑی اندر لے گیا اور روش پر گاڑی روکتے ہی اس کو غصے سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"نیچے اترو۔"

"آ...... آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟"

"ابھی بتاتا ہوں کیوں لایا ہوں؟ اترو فوراً۔" وہ سخت لہجے میں حکم دیتا گاڑی سے اتر گیا تو وہ بھی روتی ہوئی اپنا لہنگا سنبھالتی ہوئی بمشکل گاڑی سے نیچے اتری۔

"چلو میرے ساتھ۔" وہ اس کا گجروں سے سجا ہاتھ سختی سے پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

وہ ایک بڑے سے کمرے سے داخل ہوا اور ایشا کو کھینچ کر بستر پر پٹخ دیا، ایشا کی چیخ نکل گئی، کئی چوڑیاں ٹوٹ کر اس کی کلائی کو زخمی کر گئیں تھیں، گجرے مسلے گئے تھے، رونے سے کاجل پھیل کر اس کے صبیح رخساروں پر آ گیا تھا۔

ایشا نے روتے ہوئے سر اٹھایا تو اس کی نظر کمرے میں موجود دو افراد پر پڑی جن میں ایک پچیس سالہ نوجوان تھا اور ایک پینتالیس سالہ عورت تھی، عورت گم صم سی اس نوجوان کو دیکھے جا رہی تھی جو اس کے سامنے کھلونوں سے کھیل رہا تھا، ریل گاڑی چلا رہا تھا اور منہ سے چھک چھک کی آوازیں بھی نکال رہا تھا، اس عورت کے چہرے پر کتنی اداسی اور آنکھوں میں کس قدر ویران اور وحشت جھانک رہی تھی اسے دیکھ کر ایشا کا دل لرز گیا، وہ خود کو سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی نظریں مسلسل ان دو نفوس پر جمی تھیں۔

"غور سے دیکھو انہیں تمہیں یہ دونوں زندہ دکھائی دیتے ہیں اس دنیا کا حصہ لگتے ہیں یہ کہیں سے۔" اسفی نے غصے سے تیز لہجے میں کہا۔

"کک......کون ہیں یہ دونوں؟" ایشا نے ڈرتے، کانپتے لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے باپ کے ڈسے ہوئے ہیں یہ دونوں۔"

"میرے باپ کے......مگر میں تو......انہیں نہیں جانتی۔"

"ابھی جان جاؤ گی۔" اسفی نے غصیلے لہجے میں کہا اور اس عورت کے پاس جا کر بیٹھتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھ کر ایشا کی جانب نفرت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ عورت میری پھوپھی ہے میری رانی ماں ہے اسے اس حال میں پہنچانے والا تمہارا باپ ہے یہ لڑکا تمہارے باپ کے گناہ کا پھل ہے اس کے کالے کرتوتوں کا نتیجہ ہے، تمہارے باپ نے برسوں پہلے اس حویلی میں میری رانی ماں کی عزت تار تار کی تھی، میری رانی ماں کی عزت لوٹنے والا شہر میں بڑا عزت دار بنا بیٹھا ہے، اب اس کی بیٹی اس کی عزت کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو گا تو اسے اپنا گناہ یاد آئے گا، یہ مہتاب خان ہے تمہارا باپ اس بدنصیب کا باپ ہے یوں یہ تمہارا بھائی بھی تو ہوا نا، یہ عورت اپنی عزت کے لٹ جانے کے غم سے اپنے حواس کھو بیٹھی اس کی کوکھ میں پلنے والا تمہارے باپ کا گناہ جو اس معصوم مہتاب خان کی صورت میں پیدا ہوا تھا، پیدائشی طور پر کمزور تھا اور پھر پتا چلا کہ ماں کے ذہنی صدمے اور نفسیاتی الجھنوں نے اس کے دماغ پر بہت برا اثر ڈالا ہے جس کی وجہ سے اس کے دماغ کی صحیح نشوونما نہیں ہو سکی اور یہ پچیس سال کا نوجوان ذہنی طور پر تین چار سال کے بچے کی طرح ہے کوئی علاج کارگر ثابت نہیں ہو سکا اس کے سلسلے میں اور یہ میری رانی ماں یہ تو اس کی پیدائش کے بعد سے بالکل ہی چپ ہو گئی تھی، لیکن گاؤں کے لوگ چپ نہیں ہوئے تھے، ہمارے لاکھ چھپانے کے باوجود جانے کیسے یہ خبر حویلی سے باہر نکل گئی کہ رانی ماں بننے والی ہے، بن بیاہی لڑکی ماں بننے والی ہو تو......اس کا کردار داغدار سمجھنے میں دیر نہیں لگتی، سب اس معصوم عورت کو جو اس وقت صرف بیس برس کی تھی تمہارے باپ کے کرتوت کے سبب بدکردار کہنے لگے تھے، یہ مریم کی طرح پاک تھی مگر کوئی اس کی اس پاکبازی کی گواہی دینے نہیں آیا یہ بے گناہ، معصوم اور بے قصور تھی مگر کوئی بھی اس کی حرمت کا پاسبان بن کے نہیں آیا تھا، ظلم بھی اس کے ساتھ ہوا تھا اور عمر بھر سزا بھی اس نے جھیلی تھی، ساری زندگی کے لئے اس پر دنیا کی خوشیاں ختم کر دی گئیں، اس کا خوشیوں پر کوئی حق نہیں رہا، یہ آبرو باختہ ہی نہیں حواس باختہ بھی ہو چکی تھی تب میری ماں نے اسے سنبھالا، باپ نے سہارا دیا اور دادا دادی اس کی حالت دیکھ کر زیادہ دن نہ جی سکیں اور قبر میں جا سوئیں، میری ماں کہتی رہی کہ مہتاب خان اس کا بیٹا ہے، مگر لوگوں نے باتیں بنانا تھیں سو بنائیں، غلام محمد تمہارے باپ کا اصل نام ہے شہر جا کر اس نے اپنا نام بھی بدل لیا اور حلیہ بھی، مگر میں نے بھی قسم کھائی تھی کہ میں اس شیطان کو ایک دن ضرور ڈھونڈ نکالوں گا سو میں نے اسے ڈھونڈ نکالا، وہ یہ بھول گیا تھا کہ کل کو وہ بھی ایک بیٹی کا باپ بن سکتا ہے اور کوئی اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کر سکتا ہے جو اس نے میری رانی ماں کے ساتھ کیا تھا، اب تمہیں اپنے سوال کا جواب مل گیا ایشا بی بی، سمجھ میں آیا کہ میں تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں؟ اب میں تمہارے ساتھ جو

سلوک کروں گا اس کا تماشا ساری دنیا دیکھے گی تم بھی یہاں سے اپنی کوکھ میں ایسا ہی ایک گناہ لے کر جاؤ گی، تم خودکشی کرنا چاہو گی تو نہیں کر سکو گی اپنی آخرت بھی جہنم بنا لو گی ورنہ...... جیو گی تو رسوائی کے ساتھ۔"

"مگر کیوں؟ میرے باپ کے گناہ میں میرا کیا دوش ہے؟" ایشا ساری حقیقت سن کر سکتے میں آ گئی تھی اس کی آخری بات پر ہوش میں آتے ہوئے پوچھنے لگی، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین شق ہو اور وہ اس میں سما جائے اپنے باپ کے گناہ نے اسے ندامت اور بے بسی سے نڈھال کر دیا تھا۔

"میری رانی ماں کا کیا قصور تھا جو اس کی عزت تار تار کر دی گئی؟" وہ غصے سے اٹھ کر قدم اس کی جانب بڑھاتے ہوئے چلایا۔

"میرے پاس تمہارے سوال کا کوئی جواب نہیں ہے، ایک کمزور اور بے بس عورت ہر مرد کے لئے قابل تسخیر ہوتی ہے۔" ایشا نے کرب ناک لہجے میں کہا۔

"تم تو قابل تحقیر بھی ہو۔" وہ نفرت بھرے لہجے میں بولا۔

"ٹھیک کہا تم نے۔" وہ بے بسی سے اندر ہی اندر ختم ہوتے ہوئے بولی۔

"میں تمہیں عبرت کا نشان بنا کے رکھ دوں گا ایسے تو نہیں جانے دوں گا تمہیں یہاں سے۔"

"تو ٹھیک ہے، مجھ سے نکاح کر لو لیکن خدارا یہ گناہ مت کرو مجھے رسوا مت کرو، تم مردوں کا انتقام ہمیشہ ایک کمزور عورت کو ذلیل و رسوا کر کے ہی کیوں پورا ہوتا ہے کیا ملے گا تمہیں مجھے ذلت کے اندھیروں میں دھکیل کر بولو۔" ایشا نے بھیگتے ہوئے دکھ سے سوال کیا، وہ ایک بھٹکی روح جنت کا راستہ بھولی ہوئی حور دکھائی دے رہی تھی۔

"میں خود کو رانی ماں کی بربادی کا ذمے دار سمجھتا ہوں کیونکہ میری پیدائش کی وجہ سے بی بی جان کو شہر لے جانا پڑا تھا، بابا جان نے تو غلام محمد کو دوست سمجھ کر حویلی چھوڑا تھا مگر وہ تو دشمن نکلا، میرے ماں باپ نے مہتاب خان کو اپنی سگی اولاد کی طرح پالا ہے اور ان دونوں ماں بیٹے کا دکھ ساری زندگی جھیلا ہے، میں وہی دکھ تمہارے باپ کی رگوں میں اتارنا چاہتا ہوں، وہ جو شہر جاتے ہی جاوید اختر بن گیا تھا اور ایک امیر زادی سے شادی کر کے امیر بنا پھرتا ہے، میں تمہیں تمہارے باپ کے گناہ کی سزا دینے کے لئے لایا ہوں، اب اسے پتا چلے گا کہ کسی کی عزت سے کھیلنا کتنا آسان ہوتا ہے جب اس کی بیٹی کی عزت تار تار ہو گی، جب وہ شہر بھر میں رسوا و بدنام ہو گا تب اسے رانی ماں سے کی گئی زیادتی کا احساس ہو گا۔" وہ سپاٹ اور سخت لہجے میں بولا تو اندر سے سہم گئی اپنی آن آبرو کی حفاظت کی دعائیں دل ہی دل میں مانگنے لگی، اس کے باپ کا جرم واقعی بہت سنگین تھا لیکن اس کی سزا ایشا کو دینا ناانصافی تھی ظلم تھا۔

"تم وہ گناہ کیوں کرنا چاہتے ہو جو میرے باپ نے کیا تھا، پھر کیا فرق رہ جائے گا تم میں اور میرے باپ میں بولو، کل کو تمہاری بیٹی کے ساتھ بھی کوئی یہی سلوک کرے گا تب کیا کرو گے؟ تمہارا انتقام تو میری عزت کی دھجیاں بکھیر کر پورا ہو جائے گا مگر سوچ کیا کل کوئی دوسرا اسفی تمہاری بیٹی کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرے گا انتقام نہیں لے گا؟"

"بکواس بند کرو۔" اسفی کے ضبط کا یارا نہ رہا اور اس نے زوردار طمانچہ اس کے گال پر رسید کر دیا، وہ لڑکھڑا کر بستر پر جا گری مگر پھر سنبھل کر اٹھ کھڑی ہوئی اور زخمی لہجے میں بولی۔

"برا لگا نہ، تمہاری غیرت پر چوٹ پڑی نا۔"

"خاموش ہو جاؤ لڑکی۔" وہ چلایا۔

"تم ایک اچھے انسان ہو محض انتقام کی خاطر خود کو گناہ کی دلدل میں کیوں دھکیل رہے ہو؟" وہ نرمی سے بولی۔

"میری رانی ماں بھی ایک اچھی انسان معصوم لڑکی تھیں اسے کیوں گناہ گار بنا دیا گیا زندگی کی ہر خوشی اس پر حرام کر دی تمہارے کمینے باپ نے اور آج میں تمہیں......"

"نہیں پلیز مجھے مت چھونا۔" وہ اس کے بڑھتے ہوئے قدموں سے گھبرا کر بولی تو وہ سفاکی سے اسے دیکھتے ہوئے تلخ لہجے میں بولا۔

"کیوں دلہن بن کر سینکڑوں غیر مردوں کو رجھانے چلی تھیں اب بڑی پارسا بننے کی اداکاری کر رہی ہو، شرم و حیا تو تمہارے خاندان نے بیچ کھائی ہے، بدکردار باپ کی بدکردار بیٹی ہو تم۔"

"شٹ اپ۔" وہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر چلا اٹھی۔

"یو شٹ اپ، خبردار جو مجھ سے اونچی آواز میں بات کی تو دلہن بن کر نکلی تھیں ناں تو آؤ میں تمہیں رونمائی کا تحفہ دوں ویسے بھی نکاح نامہ تو ہے نا میرے پاس دولہا والا حق استعمال کرنے سے تم مجھے روک نہیں سکتیں۔" اسفی نے اس کے بے حد قریب آ کر کہا اور جونہی اس کے بازوؤں کو پکڑا وہ لہرا کر اس کی بانہوں میں آ گری، وہ سٹپٹا گیا۔

ایشا بے ہوش ہو گئی تھی اور اس کا دلکش کم سن، معصوم حسن، مہکتا گلاب بدن، کومل سراپا اسفی یعنی اسفند یار خان کے ہوش اڑا رہا تھا، وہ کتنی ہی دیر اسے اپنی بانہوں میں سنبھالے دیکھتا رہا، پھر مہتاب خان کی "لالہ لالہ" کی آواز پر ہوش میں آ گیا اور ایشا کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گیا بستر پر لٹایا اور اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگا، اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے گالوں کو تھپتھپایا آواز دی تو وہ ہوش میں آ گئی، اسفی کے بھی ہوش بحال ہوئے فوراً ہی غصے سے بولا۔

"اٹھو اور اپنے انجام کے لئے تیار ہو جاؤ میرے سامنے یہ ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں تم، تم ایک شیطان کی، ایک بدکردار آدمی کی بیٹی ہو، مجھ سے کسی بھلائی کی توقع مت رکھنا، تمہارے باپ کی وہ گھٹیا حرکت ہمارے خاندان کی ہر خوشی چھین کر لے گئی تھی اور اب میں تمہیں اور تمہارے خاندان کو خوشیوں کے لئے ترساؤں گا۔"

"نہیں پاپا آپ نے ایسا کیوں کیا پاپا؟ آئی ہیٹ یو پاپا آئی ہیٹ یو۔" ایشا ایکدم سے چیخ چیخ کر بولتے ہوئے رونے لگی تو وہ حیرت سے اس کا غمزدہ سراپا اشکبار چہرہ دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔

"تعجب ہے ایک بدکردار باپ کی بیٹی ایسی حساس اور باحیا بھی ہو سکتی ہے۔"

"رونا بند کرو لڑکی! یہاں کوئی تمہاری پکار نہیں سنے گا دیکھ رہی ہو یہ آوازیں سن رہی ہو موسم کیسے یکایک بدل گیا ہے پچیس سال پہلے ایسی ہی ایک رات تھی جب......"

"نہیں...... نہیں پلیز نہیں۔" ایشا ایکدم سے بستر سے اتر کر منت بھرے لہجے میں بولی وہ جو اس کی جانب اور ہی ارادے سے بڑھ رہا تھا اس کی حسین معصوم صورت پر پھیلی بے بسی، آزردگی اور کرب کی دل فگار تصویر دیکھ کر جانے کیوں بے بس ہونے لگا اس کا دل تڑپ اٹھا اور اس کے اٹھتے قدم خود بخود رک گئے۔

"بولو کیا سلوک کیا جائے تمہارے ساتھ؟" وہ تیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں کے میرے باپ کا گناہ بہت بڑا ہے اور بعض گناہوں کا کوئی کفارہ نہیں ہوتا، کچھ غلطیاں ناقابل معافی ہوتی ہیں، تم اگر آنے والے کو ایک اور مہتاب خان اور رانی ماں دینا چاہتے ہو تو...... میں کیا کہہ سکتی ہوں؟...... میرے پاس باپ کے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا کوئی راستہ، کوئی طریقہ نہیں ہے، آن آبرو ہے جو تم چھین لینا چاہتے ہو...... تم...... تم کیوں غلام محمد یا جاوید اختر بننا چاہتے ہو؟" وہ روتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے اٹک اٹک کر بولی۔

"کیونکہ آن کا بدلہ آن ہوتا ہے۔" اسفی نے جواب دیا اسے اپنی یہ دلیل انتہائی گھٹیا محسوس ہوئی تھی، وہ خود سے بھی شرمسار ہو گیا تھا اس لمحے۔

"یہ تم کہہ رہے ہو، تم تو ایک اچھے انسان ہو، تم کیوں اپنا کردار داغدار کرنا چاہتے ہو؟ تم وہ مت کرو، جو میرے باپ نے کیا اور جب تو وہ میرا باپ بھی نہیں تھا، پھر تم مجھے کیوں سزا دینا چاہتے ہو؟ پلیز تم...... میری جان لے لو مار دو مجھے، میں تمہیں اپنا خون معاف کرتی ہوں میں...... یہ بیان تحریری طور پر بھی لکھ کر...... دینے کو تیار ہوں کہ میری موت کا ذمہ دار تمہیں نہ...... ٹھہرایا جائے اور...... تم سے اس سلسلے میں...... کوئی باز پرس...... کوئی تفتیش نہ کی جائے...... مگر خدارا! میری آن آبرو کا خون مت کرو، میرے...... کردار کو تار تار مت کرو...... میری عصمت و عزت کا قتل مت کرنا اسفی پلیز۔" وہ روتے ہوئے بولی اور اسفی جو اس کے شانوں کو تھام چکا تھا اس کی بے بسی کو دیکھ رہا تھا، وہ نفی میں سر ہلاتی روتی ہوئی اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بے بسی سے التجا کر رہی تھی، وہ چند لمحے اسے یونہی دیکھتا رہا پھر ایکدم سے اسے چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا وہ حیران، ہراساں، پریشان سی دروازے کو دیکھتے ہوئے رونے لگی، تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو مولوی صاحب اس کے ساتھ تھے اور گواہ بھی موجود تھے، ذرا سی دیر میں ایشا اور اسفند یار خان کا نکاح ہو گیا اور ایشا کو اس کے اصل نام کا علم بھی نکاح کے وقت ہوا تھا، وہ مسز اسفند یار خان بن گئی تھی اور اب یہ اطمینان تو اسے ہو گیا تھا کہ اس کی عزت محفوظ تھی، اس نے اپنے آنسو پونچھ لئے اور دل جو ایکدم سے سکون سے بھر گیا تھا اس پر حیران ہوتی وہ بستر پر آرام سے بیٹھ گئی شاید اپنے دولہا کے انتظار میں وہ دلہن تو واقعی بن گئی تھی، اگرچہ چوڑیاں ٹوٹ کر کلائی میں کھب گئی تھیں، گجرے اپنی موت پر رو رہے تھے، میک اپ آنسوؤں میں بہہ گیا تھا، تب بھی وہ بلا کی حسین و دلنشین لگ رہی تھی، تھوڑی دیر بعد اسفند یار خان عرف اسفی کمرے میں آیا تو ایشا کا خوفزدہ ہو کر دل بڑے زور سے دھڑکا تھا، اس نے بے اختیار سر اور نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا، وہ ہلکے آسمانی رنگ کے کرتے شلوار میں ملبوس تھا اور بے حد وجیہہ مگر پریشان دکھائی دے رہا تھا اور ایشا کو لب بھینچے دیکھے جا رہا تھا اور پھر چند منٹ بعد وہ الٹے قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا تھا، ایشا تو خود کو اس کے ہر سلوک کے لئے تیار کر رہی تھی، وہ جو اسے نکاح کے بغیر چھونے اور بے آبرو کرنے پر آمادہ تھا، اب نکاح کر کے حق و اختیار حاصل کر کے بھی بنا اس سے کچھ کہے، کمرے سے ہی چلا گیا تھا، ایشا حیران رہ گئی مگر شکر بھی ادا کرنے لگی کے فی الحال تو اس کی اسفی سے جان چھوٹ گئی تھی وہ زور رو کر اس قدر ہلکان ہو چکی تھی کہ وہ دروازہ اندر سے لاک

کر کے بستر پر آ کر لیٹ گئی۔

☆☆☆

اللہ یار خان اور پلوشے نے اپنے بیٹے کا نام اسفند یار خان رکھا تھا، پیار سے اسے بی جی نے یعنی اس کی دادی نے اسے اسفی کہنا شروع کیا تو وہ سب کے لئے اسفی ہو گیا، رانی نے ایک صحت مند مگر ذہنی طور پر کم سن بچے کو جنم دیا تھا، پلوشے نے مہتاب خان کو اپنا بیٹا ظاہر کیا تھا، مگر باتیں بنانے والوں نے یقین نہیں کیا تھا، پھر رانی ایکدم چپ کی گہری چادر اوڑھ کر ہر شے سے بے نیاز ہو گئی تھی، اس کی شادی بھی نہیں ہو سکتی تھی، ایسے میں پلوشے نے رانی کو بھی سنبھالا اور مہتاب خان کو بھی پالا، اسفند یار خان جوں جوں بڑا ہوتا گیا اسے رانی سے محبت اور ہمدردی ہوتی گئی وہ رانی کو رانی ماں کہتا تھا اور رانی کی چپ اسے بہت اداس کر دیتی تھی، شعور کی منزل پر قدم رکھا تو پلوشے اور زلیخا بی بی سے بار بار اصرار کر کے رانی ماں کی اس حالت کا سبب دریافت کرنے کی کوشش کی بالآخر انہوں نے اسفند یار خان کو ساری حقیقت سے آگاہ کر دیا، ساری حقیقت جاننے کے بعد اسفند یار خان کا جوان، جوشیلا اور غیرت مند خون کھولنے لگا اور اس نے رانی ماں کی بربادی کے ذمے دار غلام محمد سے اس کا بدلہ لینے کا تہیہ کر لیا، اللہ یار خان نے اسے بتایا کہ وہ شہر میں جاوید اختر کے نام سے رہتا ہے گاؤں سے جاتے ہی اس نے اپنا نام بدل لیا تھا اور اللہ یار خان نے اپنے طور پر معلومات کرائی تھیں اور اسے یہ بھی بتایا تھا کہ جاوید اختر (غلام محمد) نے ایک امیر زادی ماریہ سے شادی کر لی ہے، اللہ یار خان ساری معلومات جمع کرنے کے باوجود نجانے کیوں غلام محمد سے انتقام کیوں نہیں لے سکے، شاید وہ بھی اس کی اولاد کے جوان ہونے کے منتظر تھے، اسفند یار خان شہر میں پڑھ رہا تھا، اس نے بہت جلد جاوید اختر کو ڈھونڈ نکالا کیونکہ اس کی ایک تصویر اللہ یار خان کے پاس تھی جو انہوں نے اسفند یار خان کو دی دی تھی، اللہ یار خان نے گاؤں کی کچھ زمین بیچ کر شہر میں فیکٹری اور مل لگائی تھی، اسفند یار خان نے دل لگا کر محنت کی تھی اور ایم بی اے میں اول پوزیشن حاصل کر کے اپنے خاندان کا نام بھی روشن کیا اور اپنے باپ کا فخر اور مان بھی بڑھایا تھا۔

اس نے شہر میں ہی ایک شاندار بنگلہ خرید لیا تھا اور بزنس سنبھال لیا تھا اور دھیرے دھیرے اس نے جاوید اختر (غلام محمد) کی بیوی ماریہ سے شناسائی حاصل کر لی تھی، ماریہ ایک الٹرا ماڈرن عورت تھی، اس کی کئی بوتیکس اور بیوٹی سیلون تھے، فیشن میگزین تھا اور ایک فیکٹری تھی جو جاوید اختر چلا رہا تھا، جاوید اختر (غلام محمد) کے ماں باپ اس کی حرکتوں سے اس کے اس کی بیوی کے رہن سہن سے نالاں تھے مگر ساتھ رہنے پر مجبور تھے کہ جاوید اختر (غلام محمد) بیوی کے گھر میں رہ رہا تھا، غلام محمد کا باپ تو جلد ہی ماریہ کے طعنوں سے دل ہار کر دنیا سے رخصت ہو گیا، ماں جسے ایشا بوا کہتی تھی وہ ایشا کی آمد پر خود کو سنبھال کر ایشا کی پرورش میں لگ گئی، وہ اسے ماریہ جیسی نہیں بنانا چاہتی تھی اور ماریہ کو اپنی مصروفیات سے ہی فرصت نہیں تھی کہ وہ ایشا پر توجہ دیتی وہ ایک طرح سے بے فکر ہو گئی تھی کہ ایشا کو اس کی دادی سنبھال لیتی ہے، دونوں بھائی ولید اختر اور نوید اختر کو گورنس سنبھال لیتی تھی وہ دونوں ہی اپنے ماں باپ کے ہم مزاج نکلے تھے، اسفند یار خان نے ماریہ کے ذریعے اس کی فیملی سے متعلق معلومات اکٹھی کرنے کے بعد اس کی دراصل غلام محمد کی بیٹی ایشا کو اپنی رانی ماں کا انتقام لینے کی خاطر جعلی

نکاح نامے کے ذریعے بہت طریقے سے اپنے ساتھ حویلی لانے کا منصوبہ بنایا تھا وہ غلام محمد کو اس کی بیٹی کے بربادی کے ذریعے اس کے گناہ کی سزا دینا چاہتا تھا، وہ درحقیقت برا انسان نہیں تھا، وہ بہت حساس اور پروا کرنے والا، پیار نچھاور کرنے والا شخص تھا، لیکن اپنی رانی ماں کی زندگی نا آسودہ دیکھنے کے بعد اس کے اندر بدلے کی آگ سلگنے لگی تھی اور وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایشا کو اپنے ہمراہ لے آیا تھا، مگر نجانے کیوں وہ ایشا کی باتوں اور آنسوؤں کے سامنے بے بس ہو گیا تھا اور وہ نہیں کر سکا تھا جو اس کے باپ نے اس کی رانی ماں کے ساتھ کیا تھا، بلکہ اس سے سچ مچ نکاح کر بیٹھا تھا کیوں وہ نہیں جانتا تھا اسی الجھن میں وہ واپس شہر آ گیا تھا اور اگلے روز وہ ماریہ اور جاوید کے بنگلے پر آیا تو سوائے بوا کے گھر میں کوئی بھی نہیں تھا، اسفند یار خان نے اپنا تعارف کرایا تو بوا نے اسے زبردستی بٹھا لیا اور اپنا تعارف کرانے لگیں۔

"میں ایشا کی دادی ہوں وہ بچی میری ہی گود میں پلی بڑھی ہے۔"

"آپ تو دیکھنے میں خاصی نمازی اور پرہیز گار دکھائی دے رہی ہیں اپنی پوتی کو کیسی تربیت دی ہے آپ نے کہ غیر مردوں میں سولہ سنگھار کر کے اپنے حسن کی داد سمیٹنے لگی تھی وہ۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"بیٹا! وہ بہت نیک اور معصوم بچی ہے۔"

"جبھی دلہن کا روپ دھارے اشتہار بنی پھر رہی تھی۔" اسفند یار خان نے غصے سے تیز اور تلخ لہجے میں کہا نگاہوں میں ایشا کی آنسوؤں بھری آنکھیں گھوم رہی تھیں اسے بے چین کر رہی تھیں۔

"بیٹا! وہ مجبور ہو گئی تھی اس کی تو ماں اسے اشتہار بنا رہی تھی وہ معصوم تو انکار کر کر کے تھک گئی تھی پر اس کی سنتا کون ہے نہ باپ نے سنا نہ ماں نے، ایشا تو ان خرافات سے دور بھاگتی ہے، وہ تو بہت شرمندہ اور پریشان تھی گھر سے نکلتے ہوئے، وہ نہیں جانا چاہتی تھی مگر، اس کی ماں اسے فیشن شو کرانے لے گئی، ایشا تو کہتی تھی بوا دلہن تو صرف ایک بار بننا ہے نا اپنے شوہر کے لئے اس کا سنگھار تو اپنے دولہا کے لئے ہوتا ہے، اس کے خیالات بہت نیک اور پاکیزہ ہیں، وہ تو پردہ کرتی تھی بیٹا، اس کی تو اپنی ماں نے ہی اسے بے پردہ کر کے رکھ دیا، ماں کے غصے اور حکم کے آگے اس کی ایک نہیں چلی، وہ تو ایسی پارٹیوں میں بھی نہیں جاتی تھی، میری ایشا تو صوم وصلوٰۃ کی پابند ہے وہ بہت نیک اور محبت کرنے والی بچی ہے، بیٹا اس پر کوئی ظلم نہ کرنا، وہ میرے ہاتھوں میں پلی بڑھی ہے میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں وہ کبھی غلط راستے پر نہیں چل سکتی۔" بوا اس کا ذکر کرتے ہوئے رونے لگیں تو اسفند یار خان کو احساس جرم اور احساس ندامت بے چین و بے قرار کرنے لگا۔

"میں ایشا کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔" اسفند یار خان نے کہا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں بیٹا، آؤ میں تمہیں ایشا کا کمرہ دکھاتی ہوں۔" بوا اپنے آنسو دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے اٹھ کر زینے کی جانب بڑھ گئیں تو اسفند یار خان نے بھی ان کی پیروی کی، وہ اوپر ایشا کے کمرے میں اسے لے آئیں۔

"بیٹا! یہ میری ایشا کا کمرہ ہے تم تسلی سے دیکھو میں تمہارے لئے چائے پانی کا بندوبست کرتی ہوں۔" بوا یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

اسفند یار خان نے اس صاف ستھرے اور

کشادہ کمرے کا تنقیدی جائزہ لیا، کمرے کے فرش پر نیلے رنگ کا کارپٹ بچھا ہوا تھا، کھڑکیوں اور دروازے پر ہلکے نیلے اور سفید رنگ کے خوبصورت پردے لٹک رہے تھے، جدید طرز کا فرنیچر موجود تھا، ڈبل بیڈ، ڈریسنگ ٹیبل، وارڈ روب، کرسیاں، رائٹنگ ٹیبل، ڈیک، غرض یہ کہ ضرورت اور سہولت کی ہر چیز اس کمرے میں موجود تھی، ساتھ اٹیچ باتھ روم بھی تھا، بیڈ پر چھوٹے چھوٹے پھولوں والی براؤن رنگ کی بیڈ شیٹ بچھی تھی، بیڈ کے پیچھے دیوار پر ایک درمیانے سائز کی فریم شدہ چاروں قل والی سینری آویزاں تھی سامنے دیوار پر وال کلاک سجا تھا، اسفند یار خان اس کی رائٹنگ ٹیبل کے پاس آیا اور سائیڈ پر رکھی کتب اٹھا کر دیکھنے لگا اس کی کورس کی کتابوں کے علاوہ شاعری کی کتب بھی موجود تھیں، کلیات اقبالؒ، دیوان، غالب اور نسخہ ہائے وفا دیکھ کر وہ دل ہی دل میں ایشا کے اعلیٰ ذوق کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا، پھر ڈیک کے قریب رکھی کیسٹس کو اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگا، ان میں قوالیوں، نعتوں، غزلوں اور قرآن پاک کی تلاوت کی کیسٹس موجود تھیں، نصرت فتح علی کی قوالیاں تو خود اسفند یار خان کو بھی بہت پسند تھیں، اس کام سے فارغ ہو کر وہ اس کے بیڈ کے قریب آیا اور تکیہ اٹھا کر دیکھ وہاں ایک سرمئی رنگ کی بہت خوبصورت چمکتی ہوئی تسبیح ایشا کی عبادت گزاری کا ثبوت پیش کر رہی تھی، جانے کیوں وہ ندامت میں گھرتا چلا جا رہا تھا، اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی تو اس میں ایک بڑا سا البم اور ایک سیاہ رنگ کی چھوٹی سی ڈائری کو اپنا منتظر پایا، ڈائری اٹھائی کھول کر دیکھا اس میں ایشا کی چند سہیلیوں اور ٹیچرز کے فون نمبرز اور ایڈریس درج تھے اسفند یار خان کو حیرت ہو رہی تھی کہ کسی لڑکے کا نمبر موجود نہیں تھا، وہ تو خود ایشا سے پہلی بار فیشن شو کی ریہرسل والے دن ملا تھا پہلے اسے دیکھا ہوتا تو شاید اس کی ذات کے متعلق کچھ جان جاتا، اب جو انکشافات ہو رہے تھے اسے ندامت کے اتھاہ سمندر میں غرق کرنے کے لئے کافی تھے، اس نے البم کھول کر دیکھا یہ البم ایشا کی تصاویر سے سجا تھا، اس کی پہلی سالگرہ سے لے کر اب تک کی اسکول، کالج کے زمانے کی کئی تصاویر تھیں اور وہ ہر تصویر میں دلکش و دلنشین لگ رہی تھی وہ ہمیشہ سے ہی اتنی معصوم اور حسین تھی، اس کی مسکان من موہ لینے والی تھی، وہ بلاشبہ بے حد حسین و جمیل تھی اور اگر وہ اپنے آپ کو چھپا کر رکھنا چاہتی تھی تو بہت مثبت اور پاکیزہ سوچ کی مالک تھی وہ، البم دیکھتے ہوئے اسفند یار خان کے دل میں جنگ چھڑ گئی تھی، وہ جس لڑکی سے انتقام لینا چاہتا تھا وہی لڑکی اس کی دھڑکنوں میں طلاطم بپا کیے اس کی زندگی کا قرار لوٹ رہی تھی، اسے اپنے رگ و پے میں سرایت کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، اس نے البم اور ڈائری واپس ان کی جگہ پر رکھ کر دراز بند کر دی اور گہرا سانس لے کر اٹھا اور ایشا کی وارڈ روب کھول کر اس کے ملبوسات کا جائزہ لینے لگا، وہ جس قسم کی ملبوسات کی ماریہ کی بیٹی سے توقع کر رہا تھا افسوس کے اسے یہاں بھی مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا تھا، وہ فیشن زدہ، بے ہودہ، مغربی ملبوسات دیکھنا چاہتا تھا، مگر ایشا کی وارڈ روب میں تو بہت سوبر، خوبصورت مگر مشرقی ملبوسات موجود تھے، کسی میں بے ہودگی یا بے پردگی عنصر موجود نہیں تھا، شلوار قمیض، دوپٹے، کرتے پاجام، سب مہذب اور باوقار لڑکی کی پسند کی غمازی کر رہے تھے۔

''تعجب ہے، شیطان کے گھر فرشتہ کیسے پیدا ہو گیا؟'' وہ اپنی حیرت کا اظہار با آواز کر رہا تھا

اور پھر الوداعی نگاہ کمرے پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

''بیٹا! چائے تیار ہے۔'' وہ نیچے آیا تو بوا نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

''شکریہ بوا، میں چائے نہیں پیوں گا اور ہاں غلام محمد المعروف جاوید اختر صاحب تشریف لائیں تو انہیں بتا دیجئے گا کے ایشا کو رانی کا بھتیجا لے کر گیا ہے اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرنے گا جو اس نے رانی کے ساتھ کیا تھا، بتا دیجئے گا اسے کے اسفی اسفند یار خان ہے اللہ یار خان اور پلوشے کا بیٹا اور رانی کا بھتیجا۔'' وہ غصے سے سرخ چہرہ لئے بولا تو بوا نے حیران ہو کر کہا۔

''بیٹا تم ہمارے گاؤں کے ہو مگر یہ رانی کا کیا قصہ ہے؟''

''اپنے بیٹے سے پوچھنا بوا، رانی کی عزت سے کھیل کر یہاں شہر میں بڑا باعزت بنا بیٹھا ہے تمہارا غلام محمد اور وہاں اس کے گناہ کا جیتا جاگتا ثبوت مہتاب خان کی صورت میں موجود ہے، اب غلام محمد کی بیٹی میرے قبضے میں ہے بتا دینا اسے کہ رانی کا بدلہ اسفند یار خان لے گا اب۔'' اسفند یار خان نے غصے سے کہا اور بوا کو حیرت اور دکھ کے صحرا میں دھکیل کر وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

''یہ کپڑے بدلو نہا کر، پھر ناشتہ کر لینا۔'' زلیخا بی بی نے ایشا کے سامنے میرون رنگ کا بلوچی کڑھائی والا سوٹ رکھتے ہوئے نرمی سے کہا تو وہ حیرانگی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''ام زلیخا بی بی ہوں، اسفی بابا ام کو سب بتا گیا ہے اب تم اس کا بیوی ہے تمہارا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے، اٹھو شاباش نہا لو ام تمہارا ناشتہ بنا کے لاتا ہے۔'' زلیخا بی بی نے اس کی حیرانگی دور کرتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی کپڑے اٹھا کر زلیخا بی بی کے ساتھ غسل خانے تک آ گئی، زلیخا بی بی باورچی خانے کی طرف چلی گئیں، حویلی کو جدید انداز میں آہستہ آہستہ بنایا جا رہا تھا، فی الحال یہاں اٹیچ باتھ روم کی سہولت نہیں تھی۔

ایشا کو وہ لباس پورا آ گیا تھا، وہ نہا کر ہلکی پھلکی ہو گئی تھی، ناشتہ کرنے کے بعد زلیخا بی بی سے حویلی والوں کے متعلق پوچھنے لگی، خاص کر رانی ماں اور اسفند یار خان کے بارے میں اسے زلیخا بی بی سے بہت ساری معلومات حاصل ہوئی تھیں اور اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اسفند یار خان بنیادی طور پر ایک اچھا اور حساس انسان ہے وہ جو کچھ کرنے چلا تھا وہ رانی ماں کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر اس کا فطری ردعمل تھا اور اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بھی ایسا ہی کرتا مگر اسفند یار خان تو گناہ سے بچ گیا تھا اس سے نکاح کر کے اب نجانے وہ کیا سوچ رہا تھا، کیا کرنے والا تھا اس کے ساتھ؟ ایشا کا دل یہی سوچ رہا تھا۔

''اسفی آیا تھا اور چلا بھی گیا بوا وہ اب اس گھر کا داماد ہے آپ نے اسے روکا نہیں اور کھانا کھلائے بغیر ہی جانے دیا۔'' جاوید اختر اور ماریہ گھر آئے تو بوا کی زبانی اسفند یار خان کی آمد کا سن کر ماریہ نے تیز لہجے میں کہا۔

''غلام محمد، وہ اسفی نہیں اسفند یار خان ہے، اللہ یار خان کا بیٹا ہے وہ اور رانی کا بھتیجا ہے رانی جو اسفند یار خان کی رانی ماں ہے وہ اپنی رانی ماں کا بدلہ لینے کے لئے تیری بیٹی کو جعلی نکاح نامہ دکھا کر اپنی حویلی لے گیا ہے۔'' بوا نے جاوید اختر کو غصے سے دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں بتایا تو اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا، وہ سٹپٹا گیا۔

''کیا کہہ رہی ہو بوا جعلی نکاح نامہ؟'' ماریہ حیرت سے چیخی۔

"ہاں ہم لوگوں کے گناہوں کی سزا اس معصوم لڑکی کو مل رہی ہے، دولت مند داماد کے لالچ میں باہر کے باہر ہی تم نے لڑکی کو غیر مرد کے حوالے کر دیا اور غلام محمد تیرا گناہ مہتاب خان کی صورت میں رانی کے پاس موجود ہے حوصلہ ہے تو جا، جا کے اسے اپنا نام دے۔" بوا نے غصیلے اور تیز لہجے میں کہا وہ تو خاموش تماشائی بن کر رہ گئیں تھیں مگر یہ معاملہ ہی اتنا سنگین تھا کہ انہیں غصے کا اظہار کرنا پڑا، وہ تو خود سے شرمسار تھیں کہ انہوں نے ایسی بد کردار اولاد کو جنم دیا تھا، جس سے نہ غیر کی بیٹی کی عزت محفوظ تھی اور نہ ہی اب اپنی بیٹی کی عزت محفوظ تھی۔

"جاوید! یہ کیا معاملہ ہے کون ہے رانی سچ سچ بتاؤ مجھے؟" ماریہ نے جاوید اختر (غلام محمد) کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے جواب مانگا تو وہ شپٹا کر بولا۔

"میں کسی رانی کو نہیں جانتا نجانے اسفی کس کے دھوکے میں ہماری بیٹی کو لے گیا ہے۔"

"کچھ تو ہے وہ شخص یونہی تو ہماری بیٹی کو نہیں لے گیا ایسے ہی تو ہمارے ساتھ اتنی بڑی گیم نہیں کھیل گیا، جاوید، اگر ایشا کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے کچھ کرو اور یاد رکھو اگر...... رانی نامی عورت سے تمہارا کوئی تعلق ہوا تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گی۔" ماریہ نے سخت غصے سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"او کم آن ڈارلنگ! نوجوانی میں ایسی غلطیاں تو ہر کسی سے ہو جاتی ہیں تم بھی تو کتنے لڑکوں کے ساتھ گھومتی پھرتی تھیں، شادی تو تم نے مجھ سے ہی کی ناں اور میں نے تم سے شادی کے بعد بھی کسی دوسری عورت کی طرف دیکھا بھی نہیں ہے چھوڑ اس قصے کو رانی جو بھی ہے ہمیں اس سے کیا لینا، ہمیں تو ہماری بیٹی ایشا کو واپس لانا ہے اور ایشا کو میں خود واپس لے کر آؤں گا، تم پریشان مت ہو۔" جاوید اختر (غلام محمد) نے بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلا کر اپنا غصہ ضبط کرنے لگیں اور بوا اس کی بے حسی اور بے نیازی پر کڑھ کر رہ گئیں۔

☆☆☆

وہ جب سے بوا سے مل کر ایشا کے کمرے کو دیکھ کر ایشا کے متعلق سب کچھ جان کر آیا تھا، ایک احساس جرم اور احساس ندامت اسے اپنے حصار میں لئے ہوئے تھا، اس نے ایک معصوم لڑکی کو اپنے انتقام کی بھینٹ چڑھانے کی کوشش کی تھی، ایک پاکباز اور باکردار لڑکی کی عزت کی چادر داغدار کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، ایک مرد کے گناہ کی سزا ایک معصوم لڑکی کو دینے کا ارادہ کیا تھا، اسے اپنی سوچ پر از حد شرمندگی محسوس ہو رہی تھی، بوا کی باتوں میں صداقت محسوس ہو رہی تھی، ایشا کا دلہن کے روپ میں جھجکنا، پہلی ملاقات میں ماریہ کو زبردستی ایشا کا ہاتھ مصافحے کے لئے اسفند یار خان کے ہاتھ میں دینا پڑا تھا، ایشا کا اپنی آن کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے رونا گڑگڑانا، اللہ سے مدد مانگنا، اپنے آپ کو ختم کرنے کی دھمکی دینا۔

خود اسے سمجھانا کے وہ برا نہ بنے خود کو گناہ گار مت بنائے، اس کے جڑے ہوئے ہاتھ، منت بھرا لہجہ، فریاد کرتے آنسو، بے بسی کا اظہار کرتی سسکیاں، بے گناہی کا احساس دلاتی آہیں، اس کا پاگل کر دینے والا معصوم حسن، بے خود کر دینے والا دلکش سراپا، مہکا دینے والا گلاب بدن، اک اک انداز اک اک منظر اور لمحہ اسفند یار خان کو یاد آ رہا تھا اور وہ بے بس اور بے اختیار ہوتا جا رہا تھا، ایشا کی باتیں اسے صحیح معلوم ہو رہی تھیں۔

"وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی میں اپنے اس انتقام کے نتیجے میں ایک اور رانی اور مہتاب خان اس معاشرے کو دینے چلا تھا، ایک اور زندگی برباد کرنے چلا تھا، گناہ کا طوق اپنے گلے میں ڈال رہا تھا، اس کا رہوں میں مجھے گناہ گار ہونے سے بچایا ہے ایشا نے، وہ تو معصوم ہے محبت کے لائق ہے، میں نے بہت دکھ سے دوچار کیا ہے اسے میرا اللہ مجھے معاف کرے، یا اللہ! مجھے معاف کر دینا مالک، میں کچھ دیر کے لئے بھٹک گیا تھا، مجھے نیک ہدایت دے مجھے سمت میری راہنمائی فرما اور میرے گناہ، میری ہر خطا معاف فرما دے۔" اسفند یار خان نے خود کلامی کرتے ہوئے آخر میں اللہ سے دعا مانگی معافی طلب کی، چین دل سے اور نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی، مہتاب خان نے باہر ایک ہنگامہ بپا کر رکھا تھا، وہ چیخ رہا تھا، شور مچا رہا تھا، ایشا شور سن کر باہر نکلی تو مہتاب خان کو لان چیئر اٹھائے ملازم کے پیچھے بھاگتے دیکھا وہ ایک بھاری بھرکم وجود رکھنے والا لمبا چوڑا جوان تھا اس کی ذہنی عمر بلاشبہ کم تھی لیکن وہ جسمانی اعتبار سے ایک صحت مند اور مضبوط مرد تھا۔

"زلیخا بی بی! یہ مہتاب خان کو کیا ہوا ہے؟" ایشا نے زلیخا بی بی سے پوچھا۔

"دورہ پڑا ہے اس کو جب بھی اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہوتا ہے یہ اسی طرح آسمان سر پہ اٹھا لیتا ہے۔" زلیخا بی بی نے تشویش زدہ نظروں سے حویلی کے باغ میں دوڑتے بھاگتے چیختے چلاتے مہتاب خان اور اپنی جان بچانے کے لئے دوڑتے ملازم کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"حیرت ہے لیکن اب کس بات پر غصہ آیا ہے اسے؟ وہ منشی لعل محمد بندوق صاف کر رہا تھا یہ اس سے بندوق مانگنے لگا منشی نے نہیں دیا کہ چل جاوے گا بس یہ اس کے پیچھے پڑ گیا اب جب تک یہ تھک نہیں جاوے گا یہ چین سے نہیں بیٹھے گا تم بی اندر چلو کہیں تم کو نہ نقصان پہنچا دے۔" زلیخا بی بی نے فکر مندی سے کہا تو وہ دکھ اور رحم بھری نظروں سے مہتاب خان کو دیکھتی ہوئی اپنے کمرے میں واپس چلی آئی۔

"پتا نہیں مما پپا کو اسفند یار خان نے مجھے یہاں لانے کی حقیقت بتائی ہو گی کہ نہیں، پاپا کی اصلیت سب کے سامنے آ گئی تو مما تو قیامت کھڑی کر دیں گی، وہ تو اب تک اس بات میں خوش تھیں کے ان کی بیٹی ایک کروڑ پتی نوجوان سے بیاہی گئی ہے وہ تو اپنے سرکل میں بڑے فخر سے یہ بات بتانے کے پروگرام ترتیب دے رہی ہوں گی اور اسفند یار...... وہ نجانے کہاں گیا ہے مجھے یہاں چھوڑ کر پتا نہیں وہ میرے ساتھ کیسا سلوک کرے گا؟ وہ برا انسان نہیں ہے ورنہ شاید مجھ سے نکاح کرنے کی بجائے مجھے برباد کر چکا ہوتا، مجھے اپنے مثبت رویے اور عمل سے اسفند یار خان کے غصے اور انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنا ہو گا ورنہ بڑی تباہی ہو گی اور مہتاب خان، وہ تو میرا بھائی ہی ہوا نہ میرے باپ کی اولاد ہے وہ اور پاپا نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا کے وہ لڑکی جسے وہ محبت کا فریب دے کر بے آبرو کر آئے تھے اس پر کیسی کیسی افتادہ پڑی ہے اس عرصے میں، آئی ہیٹ یو پاپا، آپ کی بیٹی ہونے پر شرم آنے لگی ہے مجھے۔" ایشا نے دل میں انہیں مخاطب کر کے کہا آنکھیں ایک بار پھر جل تھل ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

"یہ رانی اب تک زندہ ہے اور اسفند یار خان اس کا بھتیجا یہ یہاں تک کیسے پہنچ گیا؟ اور

ایشا کو وہ رانی کی طرح بے آبرو کرنا چاہتا ہے نہیں نہیں، وہ میری بیٹی کے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتا وہ تو بہت معصوم ہے۔" جاوید اختر (غلام محمد) نے پریشانی کے عالم میں کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچا تو اس کے ضمیر سے آواز آئی۔

"رانی بھی تو بہت معصوم تھی تم نے اس کی معصومیت اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا دی تھی، اب وہی سلوک تمہاری بیٹی کے ساتھ ہوگا تو تمہیں ذلت اور رسوائی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔"

"نہیں ایسا نہیں ہوگا میں ایسا ہونے سے پہلے ہی سب کچھ ختم کر دوں گا۔" جاوید اختر (غلام محمد) نے با آواز خطرناک لہجے میں کہا اور کسی منصوبے پر غور کرنے لگا۔

اسفند یار خان احساس ندامت سے چور بکھرا بکھرا شرمندہ شرمندہ سا تین دن بعد حویلی پہنچا تھا، بلو شے اور اللہ یار خان دوسرے گاؤں شادی میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے اب وہ بھی واپس آ گئے تھے اور زلیخا بی بی کی زبانی انہیں ایشا کے متعلق معلوم ہو گیا تھا کہ یہ اسفند یار خان کی بیوی ہے ان دونوں کو وہ معصوم اور بے حد حسین سی ایشا بے حد پسند آئی تھی لیکن اسفند یار خان کے اس طرح چوری چھپے شادی کرنے پر انہیں شدید غصہ آ رہا تھا، وہ حویلی پہنچا تو سب سے پہلے ان دونوں سے ہی سامنا ہوا تھا۔

"اسفی بیٹا، کون ہے وہ لڑکی؟" بلو شے نے پہلا سوال ہی یہ کیا تھا۔

"وہ لڑکی میرا انتقام ہے۔" وہ آہستگی سے بولا حالانکہ دل تو کچھ اور ہی کہہ رہا تھا، روح تو کسی اور ہی ساز کی لے پر جھوم رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" اللہ یار خان نے پوچھا تو وہ رانی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"بابا جان! وہ لڑکی غلام محمد کی بیٹی ہے اور میں اسے یہاں اس لئے لایا تھا کہ اس سے رانی ماں کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا انتقام لے سکوں اور اس کے باپ کو ذلیل و رسوا کر سکوں۔"

"تو تجھ میں اور غلام محمد میں کیا فرق رہ جائے گا؟"

"وہ لڑکی بھی یہی کہتی ہے۔" وہ ماں کی بات سن کر بولا۔

"سچ بولتا ہے وہ لڑکی! وہ تو ایکدم معصوم ہے شبنم کی طرح صاف شفاف ہے تم...... تم ایک بے گناہ لڑکی کو برباد کرنے چلا ہے اپنی دنیا و آخرت خراب کرنے چلا ہے بولو۔" بلو شے نے غصے سے بولتے ہوئے اس کا گریبان پکڑ لیا اور اس کے گال پر طمانچہ رسید کر دیا، وہ ششدر رہ گیا اس کی ماں نے تو ہمیشہ پیار ہی پیار دیا تھا، اسے ماں کی یہ ادا یہ انداز پسند آیا تھا کہ وہ خود بھی نادم تھا۔

"سن رہی ہے رانی! یہ تیرا بھتیجا غلام محمد کی بیٹی کو اٹھا لایا ہے یہ اس معصوم لڑکی کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتا ہے جو غلام محمد نے تیرے ساتھ کیا تھا، رانی یہ تیرا بدلہ ایک معصوم لڑکی سے لینا چاہتا ہے۔" بلو شے نے رانی کو شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا تو رانی کا جیسے سکتہ ٹوٹ گیا تھا، اس کے چہرے پر وحشت کے آثار نمایاں ہو گئے تھے، یکا یک وہ ایکدم سے چیخ مار کر اپنی جگہ سے اٹھی تو وہ تینوں ہی نہیں کھڑکی کی درز سے یہ سارا منظر دیکھتی ایشا بھی حیران رہ گئی تھی۔

"نہیں نہیں...... تو دوسری رانی بنائے گا نہیں ام تم کو ایسا نہیں کرنے دے گا، ام تم کو مار دے گا، اب کسی رانی کا عزت پامال نہیں ہونے دے گا سنا تم۔" رانی نے اسفند یار خان کا گریبان پکڑ کر ہذیانی کیفیت میں کہا وہ پہلی بار اسے بولتے سن رہا تھا، اس کا دل بھر آیا۔

"رانی اماں آپ کی عزت۔" وہ بمشکل تمام بولا۔

"اس کی عزت کا پردہ اللہ نے رکھا ہے اب تم تماشا مت بناؤ، ہماری تربیت ہمارے خون کو خراب ثابت کرنا چاہتا ہے تم، یاد رکھو، اسفند یار خان ام تم کو اپنا دودھ نہیں بخشے گا، تم گناہ کا جواب گناہ سے دے کر گناہ گار بننا چاہتا ہے۔" بلو شے نے غصے سے کہا اللہ یار خان جانے کس کرب سے گزر رہے تھے اور خاموش بیٹھے سن رہے تھے، انہوں نے بھی تو ایسا ہی سوچا تھا اپنی بہن کا بدلہ لینے کے لئے مگر پھر ان کے اندر کا اچھا انسان انہیں اس گناہ بھرے انتقام سے بچا گیا تھا۔

"بی جان! میں ایسا کچھ نہیں کر رہا کرنا ہوتا تو تین دن پہلے ہی کر گزرتا، وہ بہت معصوم ہے اس کی باتوں نے اس کے آنسوؤں نے مجھے شرمندگی کے سمندر میں دھکیل دیا تھا، میں خود میں اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پاتا، میں نے اس سے سچ مچ نکاح کر لیا تھا ادھر لا کر پتا نہیں کیوں؟ مگر میں غلام محمد سے بدلہ ضرور لوں گا، کیسے مجھے نہیں معلوم؟ ہاں اب وہ ادھر ضرور آئے گا۔" اسفند یار خان نے کہا تو ایشا اپنے کمرے میں چلی گئی عصر کی اذان ہو رہی تھی اور اس اپنی عزت ایک محفوظ احساس میں گھر جانے پر اللہ کا شکر بھی تو ادا کرنا تھا۔

"ادھر اس کی موت اس کو لائے گا۔" رانی نے غصے سے تیز لہجے میں کہا۔

"رانی ماں۔" اسفند یار خان نے رانی کو اپنے سینے سے لگا لیا وہ بلک بلک کر رو رہی تھی، اسفند یار خان سمیت وہ دونوں بھی آبدیدہ ہو گئے۔

"اسفند یار خان، ایشا بیٹی اب اس حویلی کی عزت ہے ہمارا بہو ہے اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرنا۔" اللہ یار خان نے اسے حکم دیا تو وہ سر ہلا کر اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"زیادتی تو اس نے میرے ساتھ کی ہے بابا جان، میں تو محبت اور ندامت میں ایک ساتھ غرق ہو گیا ہوں۔" اسفند یار خان دل میں انہیں جواب دیتا کمرے میں داخل ہوا تو سامنے کا منظر اسے اپنی جانب کھینچنے لگا، ایشا نماز کے آخر میں ہاتھ پھیلائے دعا مانگ رہی تھی، اشک موتی بن بن کر اس کی آنکھوں سے ٹوٹ رہے تھے اور اس کے صبیح رخساروں پر پھسل رہے تھے، ہلکے گلابی رنگ کے دوپٹے کے ہالے میں اس کا چاندنی بکھیرتا چہرہ اسفند یار خان کے دل میں ہلچل مچا رہا تھا، ایشا نے دعا ختم کر کے چہرے پر ہاتھ پھیرے تو نگاہ دروازے کے قریب کھڑے اسفند یار خان پر پڑی تھی، لیکن اب وہ اس کی آمد پر خوفزدہ یا غیر محفوظ محسوس نہیں کر رہی تھی خود کو، ایشا بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی وہ دروازہ بند کر کے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے سامنے گھٹنوں کے بل آ بیٹھا۔

ایشا نے دیکھا وہ بہت بکھرا بکھرا الجھا الجھا اور بے چین و بے قرار تھا، وہ اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھ رہی تھی، جانے کیا تھا اسفند یار خان کی نیلگوں آنکھوں میں کہ اسے اپنا آپ ان میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا دل کی دھڑکن ایکدم ہی بے ترتیب ہوئی تھی اور دل زور سے دھڑکنے لگا تھا، چہرہ آپ ہی آپ گلنار ہونے لگا، ایشا نے بے اختیار سر ہی نہیں نظر بھی جھکا لی تھی اور وہ جو اس کو بڑی محویت سے دیکھ رہا تھا، اس کی اس ادا پر بے نثار اور بے قرار ہو اٹھا، اس نے اس کے معصوم چہرے کو اپنے ہاتھوں کے ہالے میں لیا تو ایشا بوکھلا گئی، آنکھیں میچ لیں کہ جانے وہ کیا

کرنے والا ہے، اسفند یار خان ذرا سا مسکرایا پھر نرمی سے اس کے آنسو پونچھے اور اپنے حق کا استعمال کرتے ہوئے اپنے احمریں لب اس کی چمکتی پیشانی پر رکھ دیئے۔

"اسفند!" ایشا نے تڑپ کر بے اختیار اس کا نام لیا تھا۔

"فی الحال تمہیں رونمائی میں دینے کے لئے میرے پاس یہی تحفہ تھا۔" اسفند یار خان نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا وہ تو اس کے لمس کی حدتوں اور اس کی محبتوں پر ششدر کر رہ گئی تھی، یہ سب خواب ہے یا حقیقت وہ بے یقینی کی سی کیفیت میں اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی کہ اسفند یار خان وہیں اس کی گود میں اپنا سر رکھ کر لیٹ گیا، ایشا کے تو پسینے چھوٹ گئے، ایک ان دیکھی آگ اس کے پورے وجود میں دہکنے لگی تھی۔

"میں بہت تھک گیا ہوں ایشا! میں ٹوٹ گیا ہوں مجھے پھر سے جوڑ دو، بکھر گیا ہوں مجھے سمیٹ لو، میں تین راتوں سے نہیں سویا نہیں ہوں، میں سونا چاہتا ہوں مجھے اپنی آغوش میں سلا دو، بہت تھک گیا ہوں میں مجھے آرام بخش دو ایشا۔" وہ آنکھیں موند کر بہت کرب ناک اور تھکے تھکے لہجے میں گویا ہوا تو ایشا کی آنکھیں پھر سے آنسوؤں سے بھر گئیں، وہ بہت حساس دل رکھنے والی لڑکی تھی، وہ محسوس کر رہی تھی کے اسفند یار خان بہت اچھا اور پرخلوص انسان ہے جبھی تو وہ اس کے ساتھ کیے گئے اپنے سلوک پر اس قدر نادم ہے بکھرا ہوا ہے، اب وہ اس کا شوہر بھی تو تھا اور اس کے پاس سکون و آرام کی خاطر آیا تھا، ایشا کو اس کی معصومیت پر اس کی اس ادا پر بے اختیار پیار آنے لگا، دل نے کہا کہ اب تو وہ سارے حق رکھتا ہے تم پر اب کیسی جھجک؟ سو اس نے بھی دھیرے سے ہاتھ بڑھایا اس کی پیشانی پر بکھرے بالوں کو نرمی سے پیچھے کیا اور نرمی سے اس کے بالوں میں اپنی کومل سی انگلیاں پھیرنے لگی، اسفند یار خان نے اس کا دوسرا ہاتھ تھام کر پہلے اپنے چہرے سے مس کیا پھر اپنے ہاتھوں میں متاع حیات کی طرح سمیٹ کر اپنے سینے پر سجا لیا، ایشا اس انہونی پر حیران تھی جو تعلق نفرت سے شروع ہوا تھا وہ یکایک محبت میں تبدیل ہو گیا تھا اور ایکدم سے ان دونوں کو ایک دوجے کے اتنے قریب لے آیا تھا کہ اس کی عزت سے کھیلنے کے ارادے سے اسے یہاں لانے والا اب اسے اپنی عزت بنائے اس کی آغوش میں رکھ کر لیٹا تھا اور اسے محبت اور اپنائیت کا بھرپور احساس دلا رہا تھا، چند منٹ بعد اسفند یار خان گہری اور پرسکون نیند سو رہا تھا، ایشا کی آنکھیں محبت سے اس کے حسین چہرے پر حصار باندھے ہوئے تھیں۔

☆☆☆

مہتاب خان اچانک بیمار ہو گیا تھا کوئی دوا حلق سے نیچے اتارنے کو تیار نہ تھا، رانی اس کی حالت دیکھ دیکھ کر ماضی کے دکھوں کے گرداب میں الجھتی جا رہی تھی، خود پہ گزری قیامت کا ایک ایک لمحہ اسے یاد آ رہا تھا، وہ بے چینی و بے قراری کے عالم میں کمرے میں چکراتی پھر رہی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کے وہ کسی طرح غلام محمد کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔

"نمونیے کا اثر ہے اسے شہر لے جانا پڑے گا۔" اسفند یار خان کو گاڑی کی ڈسپنسری پر موجود ڈاکٹر نے مہتاب خان کے معائنے کے بعد بتایا تو وہ پرسوچ انداز میں بولا۔

"ٹھیک ہے میں ابھی اسے شہر لے جاتا ہوں۔"

"بھائی، دوا کھا لو۔" ایشا اپنے ہاتھ سے مہتاب خان کو دوا کھلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں کھانی۔" مہتاب خان نے اس کا ہاتھ غصے سے پرے ہٹاتے ہوئے اسے پیچھے دھکا بھی دے دیا تھا، وہ بڑی بری طرح نیچے جا گرتی اگر اسفند یار خان نے تیزی سے اندر داخل ہو کر اسے تھام نہ لیا ہوتا۔

"یہ تم سے نہیں سنبھلے گا تم اپنی ننھی سی جان کو اس کے پیچھے ہلکان مت کرو جاؤ اپنا ضروری سامان پیک کر لو ہمیں ابھی یہاں سے نکلنا ہے۔" اسفند یار خان نے اس کے میک اپ سے مبرا چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا اور اسے چھوڑ دیا وہ حیران سی وہاں سے چلی گئی۔

اسفند یار خان نجانے کیوں اسے فارم ہاؤس چھوڑ گیا تھا، جہاں کوئی بھی نہیں تھا سوائے ایک بوڑھے ملازم کے جس کے سپرد فارم ہاؤس کی دیکھ بھال کا کام تھا، مہتاب خان کے ساتھ بلو شے، زلیخا بی بی اور ایک ملازم بھی ساتھ گیا تھا، اسفند یار خان نے مہتاب خان کو شہر کے بہترین ہسپتال میں داخل کروایا تھا لیکن اس کی حالت بگڑتی جا رہی تھی، اسفند یار خان کو غلام محمد کا انجام قریب نظر آ رہا تھا، مہتاب خان آئی سی یو میں تھا اسے آکسیجن لگا دی گئی تھی، اسفند یار خان نے جاوید اختر (غلام محمد) کو فون کیا، دوسری بیل پر اس نے فون ریسیو کر لیا تھا۔

"غلام محمد! اپنے بیٹے سے نہیں ملو گے کیا مہتاب خان تمہارے گناہ کا پھل ہے وہ ہسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے تم کیسے باپ ہو اپنی اولاد کے لئے ذرا بھی پریشان نہیں ہو۔" اسفند یار خان نے کہا تو وہ غصے سے بولا۔

"بکواس بند کرو، میں کسی مہتاب خان کا باپ نہیں ہوں تمہاری رانی بیگم تھی ہی بدکردار۔"

"شٹ اپ، میری رانی ماں پر الزام لگایا تو تمہاری بوٹیاں کر کے چیل کوؤں کو کھلا دوں گا تمہارا انجام دور نہیں ہے تم کتے کی موت مرو گے۔" اسفند یار خان نے غصے سے چیخ کر کہا۔

"میری بیٹی کہاں ہے؟"

"تم اپنی بیٹی سے صرف اسی صورت میں مل سکتے ہو جب تم مہتاب خان کو اپنا بیٹا تسلیم کر لو گے۔" اسفند یار خان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"ایسا ناممکن ہے رہی بات ایشا کی تو اسے تو میں بازیاب کرا ہی لوں گا خواہ اس کے لئے مجھے تمہارا خون ہی کیوں نہ کرنا پڑے سنا تم نے۔" یہ کہہ کر جاوید اختر (غلام محمد) نے فون بند کر دیا۔

صبح سے رات ہو گئی تھی اور اگلی صبح مہتاب خان کی زندگی کی شام ثابت ہوئی تھی وہ مر گیا تھا یوں اچانک ذرا سی بیماری نہیں سہہ سکا تھا، اتنا مضبوط مرد تھا لیکن اس کی بیماری اور وہ بھی دو دن کی بیماری کے بعد اچانک موت نے اسے واقعی تین چار سال کا بچہ ثابت کر دیا تھا، جو نمونیے جیسے مہلک مرض کو سہہ نہیں پایا، بلو شے کی حالت بہت ابتر تھی، انہوں نے تو مہتاب خان کو اپنی سگی اولاد کی طرح پالا تھا، اس کی موت کا غم بھی گہرا تھا، اسفند یار خان کا تو وہ بھائی تھا، ایک عمر گزاری تھی اس کے ساتھ وہ بھی ماں کو اپنے ساتھ لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا، زلیخا بی بی بھی بین ڈالتی بلکتی رہیں، مہتاب خان کی میت گاؤں پہنچی تو حویلی میں جیسے کہرام مچ گیا، رانی اپنے بیٹے کی میت دیکھ کر پاگلوں کی طرح چیخنے لگی، کبھی رونے لگتی کبھی ہنسنے لگتی، اس کی خاموشی کا قفل ٹوٹا تھا تو اسے پرانی باتیں یاد آ رہی تھیں اور وہ بنا اردگرد کی پروا کیے بولے چلی جاتی تھی، اللہ یار خان اور بلو شے کو اب یہ فکر پریشان کر رہی تھی کہ کہیں رانی گاؤں والوں کے سامنے غلام محمد کا ذکر نہ کر دے ورنہ جو بات وہ آج لوگوں کے سامنے کہتے آئے

تھے وہ غلط ثابت ہو جائے گی اور ان میں نئے سرے سے بدنامی کی ذلت اٹھانے کا حوصلہ نہیں تھا، لہٰذا رانی کو علیحدہ کمرے میں رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"ہمارا بچہ...... مر گیا ہمارا مہتاب خان...... مر گیا، اس کے باپ کو خبر کرو کہ اس کا بیٹا مر گیا ہے، وہ اس کے جنازے میں...... نہیں آئے گا، ہمارا بیٹا مر گیا...... مر گیا۔" رانی ہذیانی کیفیت میں روتے ہوئے چیختے ہوئے اپنا دکھ بولتے بولتے مہتاب خان سے لپٹ گئی۔

"اسفی او یارا! اسے اٹھاؤ سنبھالو اس کو کمرے میں لے کر جاؤ ابھی سب لوگ ادھر جمع ہوں گے ہم کس کس کے سوال کا دیں گے۔" اللہ یار خان نے روتے ہوئے بیٹے سے کہا۔

"رانی ماں، انھیں مہتاب خان کو سونے دیں وہ بہت تکلیف میں تھا نا اب اسے تکلیف نہیں ہو گی، آپ روئیں نہیں رانی ماں...... رانی ماں۔" اسفند یار خان نے رانی کو شانوں سے پکڑ کر اٹھانا چاہا مگر وہ بے جان سی ہو کر مہتاب خان کے سینے پر ہی ڈھے گئی۔

"رانی ماں! آپ بھی...... آپ بھی چلی گئیں...... ساری زندگی حواس گم رہنے کے باوجود...... ذرا سی ہوش میں آپ کی اپنے بیٹے کے لئے ممتا بیدار ہو گئی کہ اس کی موت کا صدمہ ہی نہ جھیل سکیں، رانی ماں یہ چپ کیا اس لئے تھوڑی تھی کہ ابدی چپ کی چادر اوڑھ رہی تھیں آپ...... رانی ماں۔" اسفند یار خان روتے ہوئے بولا تو اللہ یار خان، بلو شے اور زلیخا بی بی بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، پچیس برس کے عذاب کے بعد رانی سچ مچ مر گئی تھی، سانسوں کا جو رشتہ اسے زندہ رکھے ہوئے تھا وہ بھی اس کے جگر کے ٹکڑے کے ختم ہوتے ہی ٹوٹ گیا تھا، اس کا دل تو موم تھا کیسے سہہ پاتا اپنی جوان اولاد کا دکھ، سو ماں کا دل بھی بیٹے کے ساتھ ہی مر گیا تھا، دونوں کی تدفین میں پورے گاؤں نے شرکت کی تھی، حویلی میں تعزیت کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا تھا۔

"مر گئے ہیں وہ دونوں ماں بیٹا اب تو خوش ہو گے نہ تم۔" اسفند یار خان غصے اور شدید صدمے کی حالت میں جاوید اختر اور ماریہ کے گھر جا پہنچا تھا، ماریہ کو رانی کی ساری کہانی معلوم ہو گئی تھی۔

"خوش تو تمہیں ہونا چاہیے تھا برخوردار کہ ایک پاگل عورت اور ابنارمل لڑکے سے نجات مل گئی تم لوگ بھی کب تک ان کے رکھوالے بن کر رہتے اچھا ہوا کہ قدرت نے انہیں موت کا مزا چکھا دیا۔" جاوید اختر نے سفاکی اور بے نیازی سے کہا۔

"موت کا مزا تو اب تم چکھو گے جاوید اختر۔"

"نہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" جاوید اختر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جاوید تم گھٹیا اور نظر باز ہو یہ تو میں جانتی تھی لیکن تم اس قدر سفاک اور گرے ہوئے شخص ہو یہ اندازہ نہیں تھا مجھے، تمہاری بیٹی اس شخص کی تحویل میں ہے اور تمہیں کوئی فکر ہی نہیں ہے۔" ماریہ نے نفرت سے اسے دیکھتے ہوئے غصیلے اور تلخ لہجے میں کہا۔

"مجھے فکر کیوں نہیں ہو گی ماریہ بیگم، مجھے تو سب سے زیادہ فکر ہے اپنی بیٹی کی انشا اللہ وہ بہت جلد ہمارے پاس ہو گی میں نے پتا لگا لیا ہے کہ ایشا کو اس نے کہاں رکھا ہے؟"

"ایشا اب میری بیوی ہے اسے یہاں لانا

اب اتنا آسان نہیں ہے مسٹر اینڈ مسز جاوید اختر شکر ادا کیجئے اپنی بوا کا کہ انہوں نے ایشا کی تربیت بہت مہذب انداز میں کی ہے، وہ بہت نیک سیرت اور باحیا لڑکی ہے جبھی میں نے اس سے نکاح کر کے اسے بدنام ہونے سے بچایا ہے اگر وہ تم جیسی ہوتی تو یقیناً اب تک بے آبرو اور بدنام ہو چکی ہوتی تمہاری ذلت و رسوائی کا سامان بن چکی ہوتی یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے اپنی رانی ماں کا انتقام نہیں لوں گا تم۔"

"بس بہت بکواس کر لی تم نے۔" جاوید اختر نے اسفند یار خان کی بات کاٹ کر غصے سے کہا اور اپنے بیٹوں اور ملازم کو آواز دے کر بلا لیا۔

"پاپا! اسے جان سے ہی نہ مار دیں۔" ولید نے پستول اسفند یار خان کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اسے مار دیا تو ایشا کا سراغ کیسے ملے گا؟"

"اوہ تو تم نے جھوٹ بولا تھا نا ابھی کہ تم جانتے ہو کہ اس نے ایشا کو کہاں رکھا ہوا ہے؟" ماریہ غصے سے بولی۔

"ریلیکس ڈارلنگ! اس کے سب ٹھکانے میں جانتا ہوں ایشا کو بھی ہم واپس لے آئیں گے تم دیکھتی تو جاؤ میں اس کے ساتھ کرتا کیا ہوں؟" جاوید اختر نے سازشی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تو ماریہ تلخی سے گویا ہوئیں۔

"جاوید! اگر میری عزت پر کوئی حرف آیا تو یاد رکھو میں تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑوں گی یہ شان و شوکت یہ ٹھاٹ باٹ میری وجہ سے ملے ہیں تمہیں سوسائٹی میں میرا ایک نام ہے، مقام ہے، میں تمہارے ماضی کی کسی لغزش کے سبب اپنی بیٹی کو رسوا کرا کے خود کو بدنام زندگی گزارنے پر مجبور نہیں کر سکتی، جو بھی کرنا ہے سوچ سمجھ کر کرو، ایشا کے متعلق میں نے کیا کیا سوچا تھا سب کچھ چوپٹ ہو کے رہ گیا ہے اسے میں شوبز میں شہرت کی بلندیوں پر دیکھنا چاہتی ہوں، ذلت کی پستیوں میں گرا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی سمجھے تم۔"

"ڈونٹ وری ڈارلنگ! سب ٹھیک ہو جائے گا، ایشا کے ذریعے شہرت دولت بھی سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں ہم۔" جاوید اختر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کتنے لالچی، حریص اور ہوس کے مارے ہوئے لوگ ہو تم، اتنی دولت ہونے کے باوجود ہوس نہیں جاتی، شہرت کی ہوس، دولت کی ہوس، نفسانی خواہشات کی تکمیل کی ہوس، تعریف و ستائش کی واہ واہ کی ہوس، حسن کی داد پانے کی ہوس اور تو اور...... اپنی باحیا اور باپردہ بیٹی کے حسن و معصومیت کو کیش کرانے کی ہوس تم لوگوں کو فرحت و نشاط کا باعث محسوس ہوتی ہے، بیٹی کس حال میں ہے اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہے، تم لوگوں کو تو اپنے نام اور مقام کی پائیداری کی ہوس نے مار رکھا ہے، ٹھیک ہی کہہ گئے ہیں مرزا غالب کہ۔"

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا

"تم لوگوں نے اپنی نشاط، اپنی خوشی بے کار کے کاموں سے وابستہ کر رکھی ہے ترس آ رہا ہے مجھے تم سب پر۔" اسفند یار خان نے تاسف سے ان چاروں کو دیکھتے ہوئے تلخی سے کہا۔

"ترس تو تم خود پر کھاؤ کیونکہ اب جو سلوک ہم تمہارے ساتھ کریں گے تمہاری سات نسلیں بھی نہیں بھول پائیں گی، اپنے بوڑھے ماں باپ کا ہی خیال کر لو جن کا واحد سہارا اب صرف تم ہو، رانی اور مہتاب خان کی موت کا صدمہ کم تو نہیں ہوا ابھی تم انہیں اپنی موت کا غم دے کر زندہ

درگور کردینا چاہتے ہو چہ چہ چہ۔" جاوید اختر نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں موت سے نہیں ڈرتا اور مجھے یقین ہے کہ میری موت تمہارے ہاتھوں نہیں لکھی، تم جو کرنا چاہتے ہو کرلو ایشا اب تمہیں نہیں ملے گی۔" اسفند یار خان نے پراعتماد اور بے خوف لہجے میں کہا۔

"ولید، نوید اسے بیس منٹ میں لے جاؤ اور اس کی تواضع اس ہنٹر سے کرنا جس سے اتھرے گھوڑے کو سدھایا جاتا ہے۔" جاوید اختر نے سپاٹ لہجے میں حکم دیا، انہوں نے اور اس کے خاص ملازم نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور اسفند یار خان کو پستول کی زد میں رکھ کر دھکے دیتے ہوئے نیچے بیس منٹ میں لے آئے۔

"بولو کہاں ہے ایشا؟" ولید نے ہنٹر لہراتے ہوئے غصے سے پوچھا۔

"میرے دل میں۔" وہ اطمینان سے مسکرا کر بولا۔

"پھر تو تمہارا دل سینہ چیر کر باہر نکالنا پڑے گا، کیوں نوید؟" ولید نے سفاکی سے مسکراتے ہوئے نوید سے صلاح چاہی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو بھائی اس کے دل پر خنجر چلانا ہی پڑے گا زخم لگے گا تو یہ خود بخود چیخ اٹھے گا بتا دے گا فوراً سے پہلے کے ایشا کہاں ہے؟" نوید نے مسکراتے ہوئے بھائی کی ہاں میں ہاں ملائی، اسفند یار خان انہیں جنگلی جانوروں کا سا انداز اپناتے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"تو لو اس کی شرٹ اتارو اور یہ خنجر اس کے سینے پر چلا دو دیکھیں تو سہی اس کا خون سرخ ہے یا سفید ہو چکا ہے۔" ولید نے اپنے دائیں جانب بنے شیلف میں سے ایک تیز دھار والا خنجر نکال کر نوید کو دیتے ہوئے کہا اسی دوران ملازم شکور زبردستی اس کی شرٹ اتار چکا تھا، اسفند یار خان کا مضبوط اور کشادہ سینہ زخم کھانے کے لئے تیار تھا۔

"یہ میرا خون ہے اللہ یار خان کے بیٹے کا خون ہے تمہارے شیطان باپ کا خون نہیں ہے کے سفید ہو جائے گا۔" اسفند یار خان نے غصے سے کہا۔

"بکواس بند کرو خبردار جو ہمارے باپ کو کچھ کہا ہو ورنہ زبان بھی اسی خنجر سے کاٹ کر رکھ دیں گے ہم۔" ولید نے اس پر غصے کے عالم میں ہنٹر برسا کر کہا وہ اپنی تکلیف بڑی جرأت سے ضبط کر گیا۔

"اسے مضبوطی سے پکڑو شکورے، ہم ذرا اس کے دل کا آپریشن کرلیں۔" نوید نے اپنے اونچے لمبے کسرتی بدن رکھنے والے ملازم شکورے سے کہا تو اس نے اسفند یار خان کے دونوں بازو پیچھے کر کے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے کہ ایشا تمہارے دل میں ہے تو ایشا لکھتے ہیں تمہارے دل پر تمہارے سینے پر ٹھیک ہے۔" نوید نے مسکراتے ہوئے کہا تو ولید نے خنجر اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اسفند یار خان کے سینے پر اس کی نوک رکھ دی، اسفند یار خان نے آنکھیں بند کر لیں اور تصور میں ایشا کی صورت کو دیکھنے لگا، ولید نے اس کے سینے پر الف کی طرح لمبی سی لکیر کھینچی تھی اور اس کا سرخی مائل سفید سینہ خون کی ندی بن گیا تھا، اسفند یار خان نے اپنی تکلیف کو بڑے ضبط سے سہا تھا۔

وہ پرامن اور صلح جو انسان تھا محض اپنی رانی ماں کے ساتھ کی گئی زیادتی کا بدلہ لینے کے لئے ایشا کو جعلی نکاح نامے کے بل پر اپنے ساتھ لے گیا تھا، لیکن ایشا کی معصومیت نے اس کی مدلل گفتگو نے اسے بہت جلد یہ احساس دلا دیا تھا کہ

وہ بھی تو غلط ہی کر رہا ہے اور اب وہ ایشا کے پیار میں اس کے باپ اور بھائیوں کے دیئے زخم بخوشی سہہ رہا تھا ورنہ انہیں اپنے زور بازو سے مات دینا اس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا، بس وہ مجرم نہیں بننا چاہتا تھا، ان جیسا نہیں بننا چاہتا تھا، اسے اس تکلیف کے لمحے میں ایشا کے نرم ملائم ہاتھوں کا مسیحا لمس شدت سے یاد آ رہا تھا، وہ حیران تھا کہ یہ قدرت نے اس کے ساتھ کیسا عجیب کھیل کھیلا تھا وہ جس لڑکی کو اپنے انتقام کی نذر کرنا چاہتا تھا وہی لڑکی اس کے دل میں محبت کا بلند مقام حاصل کر چکی تھی، وہ جسے بے باک، بے حیا سمجھا تھا وہ تو بہت معصوم اور باحیا نکلی تھی، رشتوں کے تقدس کو سمجھنے اور نبھانے والی محبت اور اپنائیت کا احساس دلانے والی، اسفند یار خان بہت شرمندہ تھا اس سے۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم، اسے جان سے مارو گے کیا؟" جاوید اختر نے بیس منٹ میں قدم رکھا تو اسفند یار خان کا لہولہان سینہ اور ولید کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر چلایا۔

"پاپا اس نے ہماری بہن کو اغواء کیا ہے۔" ولید بولا۔

"اغواء نہیں کیا، میں نے تمہاری بہن سے نکاح کیا ہے اصلی نکاح تم لوگ تو جعلی نکاح پر ہی راضی ہو گئے تھے کے ایک، دولت مند داماد ہاتھ لگ گیا ہے۔" اسفند یار خان نے ضبط سے کہا۔

"میں نے تمہیں ہنٹر سے اس کی تواضع کرنے کے لئے کہا تھا خنجر سے نہیں اسے اس طرح مار دیا تو ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا تم اس سے ایشا کا پتہ معلوم کرو اور اسے جانے دو باقی کا کام میں سنبھال لوں گا۔" جاوید اختر نے ہدایت دی۔

"اوکے پاپا۔" ولید اور نوید نے ایک ساتھ کہا اور پھر دونوں نے باری باری اس کے بدن پر ہنٹر برسائے وہ ضبط اور صبر سے ساری تکلیف سہتا رہا۔

☆☆☆

"یا اللہ خیر، اسفند یار خان کو کچھ نہ ہو اللہ میاں اسفند یار اب میرے شوہر ہیں انہیں اپنی امان میں رکھنا، کہاں چلے گئے ہیں وہ مجھے چھوڑ کر میں تو، خوف سے ہی مر جاؤں گی، اسفند پلیز مجھے یہاں سے آ کر لے جائیں، آپ کہاں ہیں اسفند؟ مجھے بہت بے چینی ہو رہی ہے، میرا دل گھبرا رہا ہے اسفند۔" ایشا پریشانی کے عالم میں دل پر ہاتھ رکھ کر پورے کمرے میں بولائی بولائی پھر رہی تھی، آج اسے فارم ہاؤس میں رہتے ہوئے پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا، چوکیدار چاچا نے اسے مہتاب خان اور رانی کے انتقال کی خبر پہنچا دی تھی جب سے وہ بہت دکھی، افسردہ اور خوفزدہ تھی، اسفند یار خان کے لئے بے حد فکر مند اور بے قرار تھی، اس فارم ہاؤس میں ضرورت اور سہولت کی ہر چیز موجود تھی، وارڈ روب میں اس کے ناپ کے ملبوسات تک موجود تھے، کھانے پینے کا سامان بھی کچن میں موجود تھا کسی چیز کی کمی نہیں تھی، اگر کمی تھی تو صرف اسفند یار خان کی کمی تھی، جو اسے ہر پل یاد آتا تھا، جو اس کے روگ وپے میں، اس کی روح میں سرائیت کر گیا تھا اور اسے پتا بھی نہیں چلا تھا، شاید یہ نکاح کا اثر تھا یا اس کی ازلی محبت بھری فطرت و عادت کی کرشمہ سازی تھی، کہ وہ اسفند یار خان کو اپنا سب کچھ مان بیٹھی تھی اور اس کے نام اپنے تمام سچے پیار بھرے جذبے دان کر چکی تھی، یہ بے قراری و بے چینی محبت کے سبب ہی تو زیادہ ہو رہی تھی۔

☆☆☆

"اور کب تک رکھو گے اسی کو اپنی قید

میں؟'' ماریہ نے غصے سے پوچھا۔

''ایک دو روز میں چھوڑ دیں گے۔'' جاوید اختر نے جواب دیا۔

''پانچ دن ہو گئے ہیں اسے مار مار کر بھوکا پیاسا رکھ کر کوئی فائدہ نہیں ہوا تمہیں اب وہ باہر جا کر ہمارے لئے مسائل پیدا کرے گا سیدھا پولیس کے پاس جائے گا اس کی پہنچ اوپر تک ہے اور ہم سے کہیں زیادہ ہے، اس پر جو اس کی حالت ہے نا وہ تمہیں ضمانت کا موقع بھی نہیں دے گی، تم نجانے کون سی گیم کھیل رہے ہو، ایشا کا بھی کچھ سوچا ہے تم نے؟'' ماریہ نے پریشانی کے عالم میں غصے سے سوال کیا۔

''ہاں سب سوچ لیا ہے میں نے تم بھی ذرا سا صبر کر لو اسفند یار خان نے ایشا سے سچ مچ نکاح کیا ہے تو اس کی موت کی صورت میں اس کے حصے کی ساری جائیداد اس کی بیوہ یعنی ہماری بیٹی کو ملے گی اور اگر ایشا نہ رہے تو ہم اس کی موت کا الزام اسفند یار خان پر لگا کر اسے پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتے ہیں اور اسے پھانسی سے بچانے کے لئے اس کا باپ خوب ہاتھ پاؤں مارے گا ہم معافی کے بدلے اسفند یار خان اور اللہ یار خان کی ساری پراپرٹی اپنے نام کرا لیں گے کیسا ہے؟'' جاوید اختر نے سازشی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہے لیکن ایشا ہماری بیٹی ہے جاوید۔''

''بیٹی اگر ذلت و رسوائی کا باعث بن رہی ہو تو اس کا مر جانا ہی بہتر ہے ماریہ بیگم۔''

''شٹ اپ جاوید! تم اچھی طرح جانتے ہو کے ایشا تمہارے گناہ کی پاداش میں اسفند یار خان کی قید میں ہے وہ تو وہ لڑکا نیک اور شریف ہے ورنہ اب تک ہماری عزت گلی گلی رسوا ہو گئی ہوتی، تم اسفی کو فوراً آزاد کر دو اور دیکھو کے وہ کہاں جاتا ہے اس کے ذریعے ایشا تک پہنچو۔'' ماریہ نے تیز اور غصیلے لہجے میں کہا اس دوران ہوا ان دونوں کی ساری گفتگو سن چکی تھیں، چپکے سے وہاں سے چلی گئیں۔

''ایسا ہی ہوگا۔'' جاوید اختر نے کہا۔

''صاحب جی پولیس نے چھاپہ مار دیا ہے اسفند صاحب کو آزاد کرا لیا ہے اور نوید صاحب کو گرفتار کر لیا ہے، ولید صاحب گاڑی میں فرار ہو گئے ہیں۔'' شکورے نے آ کر اطلاع دی تو وہ دونوں گھبرا گئے۔

''اوہ یہ پولیس کہاں سے آ گئی؟'' جاوید اختر غصے سے بولا۔

''وہ اللہ یار خان بھی پولیس کے ساتھ ہے وہی پولیس کو لایا ہے۔'' شکورے نے مزید معلومات فراہم کیں۔

''ماریہ تم میری ضمانت کا بندوبست کرو میں جیل چلا گیا تو سارا منصوبہ ناکام ہو جائے گا۔'' جاوید اختر نے کہا۔

''تم اپنے کیے کی سزا بھگتو جاوید اختر میں اپنے بیٹے کو بچاؤں گی تمہیں نہیں تم نے ہی ولید اور نوید کو اس راہ پر ڈالا تھا اور اسفی کے پاس ایشا کی شادی کا ثبوت موجود ہے تم عدالت میں بھی اسے ہرا نہیں سکو گے اور تمہاری اصلیت تمہاری بیٹی پر بھی عیاں ہو چکی ہے وہ تمہارے ہی خلاف بیان دے گی، تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہے گی وہ۔'' ماریہ نے غصیلے لہجے میں جواب دیا۔

''میں جان سے مار دوں گا ایشا کو نہ وہ پیدا ہوتی نہ ہی اسفند یار خان یوں مجھ سے بدلہ لینے آتا دیکھ لوں گا میں ایشا کو بھی اور اسفند یار خان کو بھی دونوں میں سے ایک تو مرے گا ہی اور پھر مجھے تمہاری دولت کی ضرورت بھی نہیں رہے گی

اللہ یار خان کی ساری دولت میری ہو گی ہاہاہا۔'' جاوید اختر نے سفاکی اور لالچی لہجے میں کہا۔

''مسٹر جاوید اختر یو آر انڈر اریسٹ۔'' پولیس انسپکٹر نے وہاں آتے ہی اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مگر میرا جرم کیا ہے انسپکٹر؟''

''آپ نے اسفند یار خان کو اغواء کیا انہیں حبس بے جا میں رکھا ان پر تشدد کیا ہے اس جرم میں۔'' انسپکٹر نے اس کے جرائم گنوائے۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے انسپکٹر اسفند یار خان تو میرا لاڈلہ داماد ہے میں بھلا اس کے ساتھ یہ ناروا سلوک کیوں کروں گا ہاں البتہ نوید ولید کا اس سے معمولی سی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا شاید انہوں نے غصے میں آ کر یہ شرارت کی ہو جوان ہیں ناں گرم خون ہے برے بھلے کی صحیح غلط کی پہچان نہیں ہے ان میں، نالائق یہ بھی بھول گئے کہ اسفند یار خان ان کا بہنوئی ہے ان کی اس حرکت سے ان کی لاڈلی بیٹی کی شادی شدہ زندگی پر کتنا برا اثر پڑ سکتا ہے۔'' جاوید اختر نے کمال ہوشیاری سے بات بناتے ہوئے کہا۔

''یہ سب جھوٹ بول رہا ہے انسپکٹر صاحب، میرے بیٹے کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس گھٹیا آدمی کے کہنے پر ہوا ہے۔'' اللہ یار خان نے غصے سے حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس کا فیصلہ تھانے میں ہو گا گرفتار کر لو انہیں۔'' انسپکٹر نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور ساتھ ہی اپنے سپاہیوں کو جاوید اختر کو ہتھکڑی لگانے کا حکم جاری کیا، شکورے کو بھی پولیس نے گرفتار کر لیا تھا، سب چلے گئے تھے ماریہ تنہا ہکا بکا کھڑی رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

''ایشا!'' اسفند یار خان کی محبت اور کرب میں ڈوبی آواز اس کی سماعتوں میں پھول بن کر کھلی تو وہ جو گھٹنوں پر سر رکھے گم صم سی بیٹھی تھی بری طرح چونکی۔

وہ آ گیا تھا پورے پندرہ دن بعد کمزور سا، زخم خوردہ اور نڈھال سا اس کے سامنے کھڑا تھا وہ چند لمحے اسے حیرت سے دیکھتی رہی پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور دوڑتی ہوئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور نجانے اسے کیا ہوا تھا اس کا کومل سا ہاتھ اٹھا اور اسفند یار خان کے رخسار پر ثبت ہو گیا وہ اس کی اس غیر معمولی حرکت پر حیرت سے اسے دیکھنے لگا، اسفند یار خان کا گریبان پکڑے روتے ہوئے اب وہ اسے جھنجھوڑ رہی تھی، اس کے سامنے اپنی بے قراری اور اضطراری کیفیت عیاں کر رہی تھی۔

''کہاں تھے تم؟ تمہیں ذرا بھی خیال نہیں آیا میرا، مجھے اس ویرانے میں اس جنگل میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے اگر میں مر جاتی تو میری لاش بھی یہاں پڑے پڑے گل سڑ جاتی تم بہت ظالم ہو اسفند یار خان تم بہت بے حس ہو۔''

''اب تو جو بھی ہوں صرف اور صرف تمہارا ہوں۔'' اسفند یار خان نے اسے شانوں سے تھام کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''میرے ہوتے تو مجھے یوں چھوڑ کر نہ جاتے۔''

''پگلی تجھے چھوڑ کر جانے کا کس کافر کا دل چاہ سکتا ہے تمہیں یہاں اس لئے چھوڑ گیا تھا کہ تمہارا باپ تم تک نہ پہنچ سکے حویلی کا راستہ تو اسے معلوم تھا ناں اور پھر رانی ماں اور مہتاب خان کی موت۔''

''مجھے بہت دکھ ہے ان کی موت کا لیکن...... اس میں میرا کیا قصور تھا میں تو خوف سے ہی مر جاتی۔'' وہ روتے ہوئے بولی وہ

دونوں ایک دوسرے سے یوں پیار بھرے شکوے گلے کررہے تھے جیسے انہوں نے باہمی محبت ورضا مندی سے شادی خوشگوار ماحول میں کی ہو اور ایک دوسرے سے بہت پیار بھرے عہد و پیمان باندھے ہوں حالانکہ دونوں میں پیار محبت کی بات ہوئی تھی نہ ہی اظہار پھر بھی دونوں ایک مضبوط بندھن میں بندھ کر ایک دوسرے کے لئے محبت و راحت کا باعث بن گئے ایک دوسرے کے لئے اہم اور انمول ہوگئے تھے کتنی عجیب بات تھی نا۔

"نہیں مرتیں کیونکہ تم ایک بہادر لڑکی ہو حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو میں ایسے ہی تو نہیں تمہیں یہاں چھوڑ گیا تھا۔" اسفند یار خان نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے نرمی سے مسکرا کر کہا۔

"ملنے تو آسکتے تھے نا۔" وہ خفگی سے اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی تو اسفند یار خان کو بے اختیار اس پر پیار آنے لگا اس کا میک اپ سے مبرا چہرہ کتنا دلربا تھا کہ اس کے دل میں ہلچل مچا رہا تھا، اس کے شکوے گلے اسے زندگی کی نوید سنا رہے تھے، اسفند یار خان نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"تم سے ملنے کی آس ہی تو تھی جس نے مجھے زندہ رکھا ہوا تھا ورنہ شاید میں تو مر ہی جاتا۔"

"اللہ نہ کرے کیسی باتیں کررہے ہو اور یہ...... یہ کیا ہوا ہے تمہیں؟" ایشا نے اپنے شکوے گلے اور خفگی بھلا کر اب جو اسے غور سے دیکھا تو تڑپ کر سوال کیا۔

"تم تو بہت کمزور لگ رہے ہو، تم نے اپنا خیال نہیں رکھا ناں۔"

"نہیں جان اسفند، میرا خیال کسی اور نے بہت خوب رکھا ہے دیکھو گی۔" اسفند یار خان نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ حیران پریشان سی اس کی صورت کو دیکھنے لگی اسفند یار خان نے اپنی شرٹ اتار کر سائیڈ پر رکھی کرسی پر پھینک دی۔

"اسفند!" ایشا اس کے سینے پر زخم دیکھ کر چیخ اٹھی، اب اس کے سینے پر مرہم پٹی ہوچکی تھی وہ جاوید اختر کی قید سے نکل کر اللہ یار خان کے ساتھ سیدھا ڈاکٹر کے پاس گیا تھا اور وہاں سے سیدھا ایشا کے پاس آگیا تھا۔

"یہ بھی دیکھو۔" اسفند یار خان نے اس کی جانب اپنی پشت کردی، اس کی دودھیا رنگت والی کمر پر جابجا ہنٹر کے نشانات ثبت تھے۔

"اسفند! یہ...... یہ سب کیا ہوا ہے، کس نے کیا ہے یہ ظلم؟" ایشا نے تڑپ کر اس کی پشت پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کا رخ اپنی جانب موڑ لیا۔

"تمہارے باپ اور بھائیوں نے، میں اتنے دن سے ان کی قید میں تھا۔"

"کیا؟" ایشا خوفزدہ سی ہو کر اس کے حصار میں آگئی۔

"ہاں وہ مجھ سے تمہارا پتہ پوچھ رہے تھے میں نے کہہ دیا کہ ایشا میرے دل میں ہے، دیکھ لو تمہیں دل میں رکھنے کی یہ سزا ملی ہے مجھے خنجر سے میرا سینہ چاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔"

"او میرے خدایا، اسفند۔" وہ تڑپ کر بے قرار ہو کر اس کے سینے سے لپٹ کر بلک بلک کر رونے لگی، اس کے باپ اور بھائی اتنے سفاک بھی ہوسکتے ہیں اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"ارے بابا کچھ نہیں ہوا مجھے تمہارے پیار نے مجھے بہت مضبوط کردیا ہے یہ تکلیف اور کمزوری تو دنوں میں دور ہو جائے گی اگر تم میرے قریب رہو گی اور اپنی پیار بھری مسیحائی کا لمس میری روح میں اتارتی رہو گی۔" اسفند یار

خان نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں کہا تو وہ سر اٹھا کر اشک بہاتی آنکھوں میں حیرت سموئے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"آپ!"

"میں بہت محبت کرنے لگا ہوں تم سے پتا نہیں کیسے تم پہلی ملاقات سے ہی مجھے بے چین کر گئیں تھیں، میں تمہارے ساتھ کچھ بھی برا نہیں کر سکا کیونکہ تم بذات خود بہت اچھی بہت معصوم اور نیک سیرت تھیں اور ہو...... اور مجھے تم سے اپنے دشمن کی بیٹی سے شدید محبت ہوگئی ہے آئی ریئلی لو یو ایشا۔" اسفند یار خان نے اس کے چہرے کو چاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بوا کی دعا پوری ہوگئی ہے شاید۔" ایشا نے خوشی سے جھجکتی آواز سے کہا۔

"اور ایشا کی دعا؟" اسفند یار خان نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اوپر کیا۔

"...تو آپ ہیں اب صرف آپ۔" وہ اس کے سینے سے ... پھر سے رونے لگی، اسفند یار خان کی اتنی محبت نے اسے نہال اور سرشار کردیا تھا، وہ اس کی خاطر اپنے سینے پر زخم کھا کر آیا تھا اور مسرور تھا، کوئی طنز، کوئی طعنہ نہیں تھا اس نے اس کو اس کے باپ اور بھائیوں کے اس ناروا سلوک کا، وہ بہت مطمئن تھی کہ اس کا جیون ساتھی اس کی مضبوط پناہ گاہ ہے، اس کا پیار ہے۔

"سچ ایشا! تمہیں مجھ سے نفرت نہیں ہوئی میں نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا۔" وہ خوشی سے کھل اٹھا بے تابی سے پوچھا تو وہ روتے ہوئے بولی۔

"وہ ایک فطری امر تھا آپ کی جگہ...... کوئی بھی ہوتا تو شاید اسی سے بھی برا کرتا مجھے یوں اپنے سینے سے نہ لگاتا۔"

"ایشا! ایشا! تم بہت اچھی ہو، تھینک یو ایشا تم نے مجھے میری نظروں میں سرخرو کردیا، پلیز روؤ مت مجھے بہت تکلیف ہورہی ہے۔" اسفند یار خان نے اسے مضبوطی سے اپنی بانہوں کے گھیرے میں سمو کر اس کے سر پر بوسہ دے کر خوشی سے نم لہجے میں کہا۔

"آپ...... آپ یہاں بیٹھ جائیں میں آپ کے کھانے کے لئے کچھ لاتی ہوں۔" ایشا نے اس کی تکلیف کے خیال سے فوراً خود کو سنبھالتے ہوئے اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا تو وہ بیڈ پر آبیٹھا اور مسکراتے ہوئے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میری بھوک تو تمہیں دیکھنے سے مٹے گی میرے سامنے بیٹھ جاؤ مجھ سے باتیں کرو ویسے تمہارے ہاتھ کی مار کھا کر ہی میں کافی سیر ہوچکا ہوں۔" اسفند یار خان نے مذاق اور شرارت بھرے انداز میں آخری جملہ کہا تھا مگر وہ سرتاپا احساس ندامت میں گڑھ گئی اور اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بے اختیار اپنا ہاتھ اس کے دائیں رخسار پر رکھ دیا جس پر وہ تھوڑی دیر پہلے طمانچہ رسید کرچکی تھی، اسفند یار خان کو اس کے ہاتھ کا لمس زیست افروز اور فرحت آمیز احساسات سے ہمکنار کررہا تھا، وہ خوشی سے مسکراتے ہوئے اس معصوم لڑکی کی محبت کو دیکھ رہا تھا، محسوس کررہا تھا۔

"اسفند! آئی ایم سوری۔" ایشا نے ایکدم سے اس کے آگے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"ایشا پلیز میں اس قابل کہاں کہ تم میرے سامنے ہاتھ جوڑو، پلیز مجھے گناہ گار مت کرو، صرف پیار کرو گی نا۔" اسفند یار خان نے بے قرار ہو کر اس کے ہاتھ تھام کر چوم کر محبت سے اس کے چاند چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو ایشا نے

شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ایشا میری زندگی۔'' اسفند یار خان اس کی شرمیلی مسکان اور پیار بھرے اقرار پر فدا ہو گیا اس کی پیشانی چومی اور اسے اپنی پیار بھری پناہوں میں سمیٹ لیا۔

☆☆☆

ولید پولیس سے بچنے کے لئے فرار ہو گیا تھا لیکن موت کے ہاتھوں سے نہ بچ سکا تھا، وہ بوکھلاہٹ میں گاڑی تیز رفتاری سے چلا رہا تھا کہ سامنے سے آتے ٹرک کے جا ٹکرایا، گاڑی پچک کر رہ گئی تھی اور گاڑی کو کاٹ کر ولید کی ڈیڈ باڈی باہر نکالی گئی تھی، ماریہ یہ خبر سن کر بے ہوش ہو گئیں تھیں، جاوید اختر اور نوید حوالات میں اس خبر کو سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔

''میں اسفند یار خان کو زندہ نہیں چھوڑوں گا اس کی وجہ سے میرا بیٹا موت کے منہ میں چلا گیا۔'' جاوید اختر نے حیرت اور غصے سے چور لہجے میں کہا تو نوید غصے سے پھٹ پڑا۔

''بس کریں پاپا، یہ سب آپ کے گناہ کا نتیجہ ہے ٹھیک کہتے ہیں کہ والدین کا کیا اولاد کے آگے آتا ہے، آپ کو مہتاب خان کے مرنے کا دکھ نہیں ہوا تھا ناں، دیکھ لیں قدرت کا انتقام اس نے آپ سے آپ کا جائز بیٹا چھین لیا، رانی بی بی تو مر گئی پاپا، اب اس کا انتقام اسفند یار خان نہیں اللہ آپ سے لے گا، میرا بھائی آپ کے جرم کی بھینٹ چڑھ گیا، آپ بہت ہوس پرست اور بے حس ہیں پاپا آئی ہیٹ یو پاپا، ولید بھائی مر گئے۔''

''میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا اللہ یار خان کی حویلی ویران کر دوں گا۔'' جاوید اختر نے نوید کی باتوں سے مزید طیش میں آتے ہوئے کہا اور نوید چیخ چیخ کر رونے لگا۔

اسفند یار خان کو ولید کی موت کی اطلاع اس کے موبائل پر مل چکی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ ایشا کے یہ المناک خبر کیسے سنائے وہ ابھی اسے ناشتہ کرا کے فارغ ہوئی تھی، کتنی فکر مند تھی اس کے جسم پر لگے زخموں کی وجہ سے۔

''ایشا! مجھے شہر جانا ہے ابھی اور اسی وقت۔'' اسفند یار خان نے اس کے پاس آ کر کہا تو وہ ہراساں ہو کر اس کا بازو پکڑ کر بولی۔

''نہیں میں اب آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گی آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔''

''تم میرے ساتھ ہو گی تو میری طبیعت خود بخود ٹھیک رہے گی ہم دونوں کو جانا ہے اور تمہیں بہت بہت حوصلے اور بہادری کا مظاہرہ کرنا ہے صبر کے ساتھ خود کو سنبھالنا ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر محبت سے بولا۔

''اسفی آپ مجھے واپس چھوڑنے جا رہے ہیں۔''

''ہاں۔''

''مگر کیوں؟''

''تمہارا وہاں ہونا بہت ضروری ہے۔''

''اور میرا یہاں آپ کے پاس ہونا ضروری نہیں ہے کیا؟''

''ایشا! یہ بات نہیں ہے تمہارے دم سے تو میں زندہ ہوں۔''

''پھر؟''

''ولید کا ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا ہے۔''

''کک...... کیا؟'' وہ ایک دم سے شاکڈ رہ گئی اسفند یار خان نے اسے مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ مکافات عمل شروع ہو گیا ہے۔'' ایشا نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا آنسو پلکوں کی سرحد عبور کر کے بہنے لگے تھے، ولید سے اس کی کبھی بھی دوستی نہیں رہی تھی، بہن بھائیوں والا ہنسی مذاق بے تکلفی، روٹھنا منانا، فرمائشیں کرنا کچھ بھی نہیں تھا ان کے بیچ کے دونوں بھائی ماں باپ کے نقش قدم پر ان کے کہے پر چل اور عمل کر رہے تھے، پھر بھی ایشا کو بہت دکھ اور صدمے نے گھیر لیا تھا، وہ بلک بلک کر روئی اور اسفند یار خان اسے سنبھالتا، سمجھاتا، تسلی دلاسہ دیتا شہر لے آیا۔

ولید کے جنازے میں نوید اور جاوید اختر بھی شریک تھے، دونوں کی ضمانت منظور ہو گئی تھی اور ایسا صرف اللہ یار خان اور اسفند یار خان کے کہنے سے ہوا تھا، وہ جاوید اختر کی طرح بے حس اور بے رحم ہرگز نہیں تھے کہ اسے اپنے سگے بیٹے کے جنازے میں شرکت کرنے کی اجازت و رعایت بھی نہ دیتے۔

ایشا اور ماریہ ایک دوسرے سے لپٹ کر دل کھول کر روئیں، ولید کی تدفین ہو گئی تھی، اسفند یار خان سے نوید اور ماریہ نے تو اپنے رویے کی معافی مانگ لی تھی، مگر جاوید اختر ہنوز پتھر بنا ہوا تھا، اس کے دماغ میں لاوا ابل رہا تھا، سازشوں اور انتقام کا ہوس و بے حسی کا جال بن رہا تھا۔

''ایشا! میں گھر جا رہا ہوں تم سوئم تک یہاں رکنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' اسفند یار خان نے اس کے کمرے میں آ کر کہا بوا بھی اس کے پاس بیٹھی تھیں، وہ رو رو کر بے حال ہو چکی تھی، اسفند یار خان کے لئے اس کی یہ حالت ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔

''آپ...... یہاں رک جائیں ناں۔'' ایشا نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''رک تو جاتا مگر مجھے تمہارے باپ کے ارادے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے میں تو تمہیں بھی یہاں نہیں چھوڑنا چاہتا مگر ولید کی موت کے باعث چھوڑنا مجبوری ہے۔'' اسفند یار خان نے سنجیدہ مگر نرم لہجے میں جواب دیا۔

''ایشا بچے، اسفی ٹھیک بولتا ہے تم ابی ادھر نہ رکو اسفی میاں کے ساتھ اپنے گھر چلی جاؤ وہ نامراد تمہارا باپ ہے پھر بھی تم کو قتل کرنا چاہتا ہے اور اسفند بچے کو تمہارے قتل کے الزام میں پھانسی لگوانا چاہتا ہے اور اس کی دولت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، وہ تم دونوں میں سے کسی ایک کو ضرور مارنے کی کوشش کرے گا، تم کو بیوہ کر کے اسفی کی جائیداد حاصل کرے گا یا......''

''بس کریں بوا، شرم سے ڈوب مرنے کو دل چاہ رہا ہے میرا، میرا باپ اتنا بے حس، بے رحم اور لالچی بھی ہو سکتا ہے میرے خدایا۔'' ایشا نے بوا کی بات کاٹ کر صدمے سے روتے ہوئے کہا اسفند یار خان بھی تاسف سے نفی میں سر ہلا رہا تھا بوا آنسو پونچھتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''ایشا! سنبھالو خود کو اور میرے ساتھ اپنے گھر چلو میں تمہیں اپنی پناہ میں رکھنا چاہتا ہوں ہمیشہ اپنے پیار کی پناہ میں بولو رہو گی میرے پیار کی پناہ میں؟'' وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے رسان سے پوچھ رہا تھا۔

''مجھے تو صرف پناہ چاہیے، ایک مجرم باپ کی بیٹی کے نصیب میں پیار کہاں؟''

''تمہیں میرے پیار پر اعتبار نہیں ہے ہاں۔''

''یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کے بعد تو ہر رشتے سے اعتبار اٹھ گیا ہے، آپ بھی کب تک مجھے اپنی محبت کے لائق سمجھیں گے؟''

''تمام عمر، زندگی کی آخری سانس تک۔''

اسفند یار خان نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں بھر کر دل سے کہا تو ایشا نے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے، اس کی آنکھیں سچ کی روشنی سے منور تھیں، ایشا کو اسی مہربان اور پیارے انسان کا یقین و اعتبار کرنا پڑا تھا۔

وہ دونوں "اسفند لاج" پہنچے تو جاوید اختر کو وہاں موجود پا کر حیران رہ گئے۔

"پاپا آپ یہاں۔" ایشا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں میں یہاں نہیں آ سکتا کیا؟"

"نہیں جو کچھ آپ کی وجہ سے مجھے سہنا پڑا سننا پڑا ہے اس کے بعد آپ کا اپنی بیٹی کے سامنے آنے کا منہ تو نہیں رہ جاتا، شرم آتی ہے مجھے آپ کو اپنا باپ کہتے ہوئے، آپ کی وجہ سے ولید بھائی مر گئے، رانی اور مہتاب خان مر گئے اب اور کس کو ماریں گے آپ؟" ایشا نے نفرت آمیز غصے سے کہا اسفند یار خان قریب ہی خاموش کھڑا تھا۔

"تمہیں اور تمہارے شوہر کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو، اسفند یار خان عرف مسٹر اسفی، یہ تمہارا ہی لائینس شدہ پستول ہے نا۔" جاوید اختر نے اسفند یار خان کے سامنے پستول نکال کر تصدیق چاہی۔

"تو تم نے میرے کمرے کی تلاشی بھی لی ہے کس کی اجازت سے یہاں آئے ہو؟" اسفند یار خان نے غصے سے پوچھا۔

"یہ چھوڑو اور یہ پوچھو کہ کس مقصد سے آیا ہوں، اکلوتے سپوت ہو نا تم اپنے خاندان کے اب نہیں رہو گے تمہاری پستول کی گولی تمہارا کام تمام کر دے گی اور تمہاری موت خودکشی تصور کی جائے گی اور تمہارے ماں باپ زندہ درگور ہو جائیں گے اس سے اچھا انتقام اور کیا ہو سکتا ہے اسفی صاحب۔" جاوید اختر نے سفاکی سے کہا تو ایشا کی روح تک کانپ اٹھی، وہ اسفند یار خان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور گویا ہوئی۔

"آپ نے اگر ایسا کیا نا پاپا تو میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں، اسفند میرے شوہر ہیں، آپ اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کا سہاگ اجاڑنا چاہتے ہیں، کتنی نفرتیں اور بددعائیں جمع کریں گے اپنے لئے، آپ تو نفرت کے قابل بھی نہیں رہے، چلے جائیں یہاں سے، میں آپ کو اپنا گھر اجاڑنے کی اجازت نہیں دوں گی۔"

"ایشا ڈارلنگ! گولی تو تمہیں بھی موت کی نیند سلا سکتی ہے تم میرے دشمن کے سامنے دیوار بنی کھڑی ہو، تمہارے شوہر نامدار کی پستول سے چلنے والی گولی اگر تمہیں ہلاک کر گئی تو تمہارا شوہر تو پھر بھی پھانسی چڑھ جائے گا میرا انتقام تو اس صورت میں بھی پورا ہو جائے گا۔" جاوید اختر نے سفاکی مسکراتے ہوئے کہا تو اسفند یار خان غصے سے بولا۔

"اور وہ انتقام جو قدرت نے تم سے لے لیا وہ تمہاری نظر میں نہیں ہے غلام محمد تمہارا بیٹا مر گیا ہے اور تمہیں کوئی دکھ نہیں ہے اس سے بڑی بدقسمتی تمہاری اور کیا ہو گی، تم نے جس عورت پہ زندگی کی خوشیاں حرام کر دیں تھیں وہ بھی تمہارے گناہ کی جیتی جاگتی نشانی سمیت اس دنیا سے پردہ کر گئی ہے تم تو اس سے معافی کی مہلت بھی نہ لے سکے دنیا بھی خراب کر لی تم نے اور اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی آخرت کے لئے بھی جہنم کا ایندھن خرید لیا ہے، بڑے ہی بدقسمت ہو تم اب اپنی بیٹی کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہو۔"

"ہاں کیونکہ یہ سب کچھ جان گئی ہے اور تم اس سے محبت کرنے لگے ہو اس کی موت تمہاری موت خود بخود بن جائے گی۔" وہ بے رحمی سے ہنسا تھا۔

ایشا نے بہت دکھ سے اسفند یار خان کو دیکھا تھا اس نے اس کے شانے پر اپنے مضبوط ہاتھ رکھ کر اسے حوصلہ دیا، ایشا نے گہرا سانس لبوں سے خارج کیا اور دو قدم آگے بڑھ آئی اور باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں بولی۔

"آپ کو اپنے ہی خون سے ہاتھ رنگنے کا شوق ہے نا تو لیجئے اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیجئے۔"

"ایشا! یہ کہہ رہی ہو میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔" اسفند یار خان تڑپ کر آگے بڑھا اور اسے اپنی بانہوں کے حلقے میں مقید کر لیا۔

"اسفند! یہ جو کرنا چاہتے ہیں انہیں کرنے دیں اپنی اولاد کی موت اس کا قتل ان کے لئے تو نشاط کار ہے نا، پاپا آپ اسفند کی پستول رکھ دیں اور اپنی پستول سے مجھے نشانہ بنائیں میں آپ کو اپنا خون معاف کرتی ہوں، ایک بیٹی اپنے سگے باپ کو اپنا خون معاف کرتی ہے آپ کو اپنے قتل کی اجازت دیتی ہے کیونکہ آپ کی بربادی کے لئے تو صرف رانی ماں اور مہتاب خان کا قتل ہی بہت ہے، لیں پاپا چلائیں گولی میں آپ کی بیٹی ضرور ہوں لیکن...... بزدل نہیں ہوں میں موت سے نہیں ڈرتی ہاں میری موت کے بعد...... میری قبر پر فاتحہ پڑھنے یا ہار پھول چڑھانے مت آیئے گا ورنہ میری روح کو بہت تکلیف ہو گی، ایک بات اور سن لیجئے پاپا، میں نے وصیت لکھوا دی تھی اس کی رو سے اسفند یار خان یا اس کے خاندان کو کسی صورت بھی میری غیر طبعی موت کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔" ایشا نے اس کے روبرو کھڑے ہو کر کہا تو وہ ساکت رہ گیا، اسفند یار خان نے حیرت سے اس لڑکی کو دیکھا جو دل میں درد چھپائے کس بہادری سے موت کو گلے لگانے کے لئے تیار کھڑی تھی۔

"پاپا! میں آپ کو اب آئینہ دکھاؤں گی اور نہ ہی شرم دلاؤں گی کیونکہ شرم تو آپ کو آتی ہی نہیں ہے۔" ایشا نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"ایشا!" جاوید اختر کڑے ضبط سے گزرتے ہوئے چلایا۔

"بس غلام محمد اب اور ظلم نہیں ہونے دوں گا میں۔" اسفند یار خان نے لپک کر اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا مگر غلام محمد یعنی جاوید اختر نے بھاگنے یا اس سے پستول چھیننے کی کوشش نہیں کی بلکہ لڑکھڑا کر زمین بوس ہو گیا، ایشا کی چیخ بے ساختہ تھی۔

جاوید اختر پر فالج کا شدید حملہ ہوا تھا اس کا نچلا دھڑ مفلوج ہو گیا تھا دایاں ہاتھ اور بازو بھی فالج کی زد میں آ گیا تھا، دائیں جانب سے چہرہ بھی عجیب شکل اختیار کر گیا تھا اس سے بات کرنے میں بہت دشواری ہو رہی تھی وہ اس وقت ہسپتال کے کمرے میں بستر پر بے سدھ پڑا تھا، ایشا اور اسفند یار خان ہی اسے ہسپتال لائے تھے، ماریہ کو بھی انہوں نے فون کر کے بلا لیا تھا، اس کی حالت دیکھ کر وہ تو صدمے سے بالکل ہی ڈھے گئیں، اسفند یار خان نے انہیں ساری حقیقت سے آگاہ کیا تو ماریہ کو جاوید اختر سے شدید نفرت محسوس ہونے لگی، نوید بھی بوا کو لے کر وہاں پہنچ گیا تھا۔

"دیکھا تم نے غلام محمد اسے مکافات عمل کہتے ہیں، انسان گناہ کر کے سب سے بچ سکتا ہے لیکن اپنے رب سے نہیں بچ سکتا، اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے، جب پڑتی ہے تو بڑے بڑوں کی آوازیں سلب کر لیتی ہے تمہیں معافی مانگنے اور توبہ کرنے کی بہت مہلت دی اس نے مگر تم گناہ

کر کے اتراتے پھرے، اب تو تمہیں معاف کرنے والی بھی زندہ نہیں رہی کس سے اپنے گناہ کی معافی مانگو گے، سوائے رب کے تمہاری جتنی بھی سانسیں باقی بچی ہیں انہیں غنیمت جانو اور توبہ کرتے گزار دو شاید قدرت کو تم پر رحم آ جائے۔" اسفندیار خان نے جاوید اختر کو دکھ سے دیکھتے ہوئے کہا وہ ہوں ہوں کی آوازیں نکال رہا تھا، آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، اسفندیار خان سے پہلے ایشا کمرے سے باہر آ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ایشا ایک احسان کرو گی مجھ پر۔" وہ اسے اور ماریہ کو بوا کو "جاوید ولا" لانے کے بعد ایشا کے پاس آ کر بولا۔

"میری اتنی بساط کہاں کے میں آپ پر احسان کر سکوں، میں تو خود آپ کی احسان مند ہوں کہ آپ نے میرے باپ کے گناہ کی سزا مجھے نہیں دی، مجھے رانی ماں بننے سے بچا لیا، اسفند پلیز ایک احسان میرے پاپا پر بھی کر دیں، انہیں اپنی رانی ماں کی طرف سے معاف کر دیں پلیز۔" ایشا نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے، اشک رخساروں پر رواں تھے۔

"ایشا! آئندہ میرے سامنے ہاتھ مت جوڑنا یہ میری محبت کے شایان شان نہیں ہے دکھ ہوتا ہے مجھے اور تمہارا باپ تو تمہیں قتل کرنا چاہتا تھا تم اس کی خاطر ہاتھ جوڑ رہی ہو اپنے قیمتی آنسو لٹا رہی ہو میری منت کر رہی ہو۔" اسفندیار خان نے اس کے ہاتھ پکڑ کر علیحدہ کر کے اپنے سینے پر رکھتے ہوئے اسے حیرت، عقیدت و محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ جیسے بھی ہیں، ہیں تو میرے پاپا نا مجھ سے ان کی یہ حالت نہیں دیکھی جا رہی، یہ سزا بہت ہے ان کے لئے اور ہم کون ہوتے ہیں سزا دینے والے اس کا اختیار تو اللہ کے ہاتھ میں ہے انہیں اللہ سے معافی مانگنے دیں لیکن آپ تو معاف کر دیں پلیز۔"

"ایشا! تمہارا باپ مرتے دم تک توبہ کرتا رہے، اپنے کیے پر پچھتاتا رہے رب سے معافی مانگتا رہے یہ اس کی آخرت کے لئے ضروری ہے ہاں جس دن وہ اپنی آخری سانس لے گا اس دن رانی ماں کی طرف سے ہم سب اسے معاف کر دیں گے۔" اسفندیار خان نے سنجیدگی سے کہا اس کے اشکوں سے بھیگتے چہرے کو دیکھا اور بے قرار لہجے میں گویا ہوا۔

"بہت برا ہوں میں ایشا! بہت رلایا ہے میں نے بھی تمہیں میرے پاس تمہارے ان برستے آنسوؤں کو سمیٹنے کے لئے پر غرور دامن تو نہیں ہے پھر بھی اگر تم اس قابل سمجھو تو یہ دامن حاضر ہے یہ سارے موتی اس دامن میں سمو دو۔"

"اسفند!" وہ بے اختیار اس کے سینے میں چہرہ چھپا کر بلک بلک کر رونے لگی، اسفندیار خان نے اپنی بانہوں کا مضبوط حصار اس کے گرد کھینچ لیا۔

"مجھے معاف کر دو ایشا! میں نے بہت دکھ دیا ہے تمہیں آئی ایم رئیلی سوری۔" وہ بھیگتی آواز میں بولا تو وہ اس کی اس قدر محبت اور چاہت پر احساس تشکر سے نہال ہو کر اور بھی شدت سے رو دی۔

☆☆☆

ولید کا سوئم ہو گیا تھا اور جاوید اختر ہسپتال سے گھر شفٹ ہو گیا تھا، بوا اور ایک ملازم اس کی دیکھ بھال پر مامور تھے، ماریہ اور نوید بس دیکھ کر ہی واپس آ جاتے تھے۔

"ایشا! چلو جان، وہاں حویلی میں سب ہمارے منتظر ہیں۔" اسفندیار خان نے اس کے پاس آ کر پیار سے کہا تو وہ خوشیوں میں گھر کر پوچھنے لگی۔

"لیکن اسفی، کیا وہ سچ مچ مجھے قبول کر لیں گے؟"

"وہ تمہیں قبول کر چکے ہیں بی جان اور بابا جان نسل در نسل دشمنی کی روایت کو جنم نہیں دینا چاہتے، تمہیں ہماری حویلی، گھر اور خاندان میں احترام اور مقام حاصل ہو گا جو ایک من چاہی بہو کا ہوتا ہے کیا سمجھیں؟" اسفندیار خان نے اس کے بازوؤں کو تھام کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہی کہ آپ بہت اچھے ہیں آپ کے گھر والے بہت زیادہ اچھے ہیں۔" ایشا نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اے مسز، میرے گھر والے اب آپ کے بھی کچھ لگتے ہیں۔"

"کچھ نہیں سب کچھ لگتے ہیں۔" وہ ہنس کر بولی۔

"تو پھر چلیں۔" اسفندیار خان نے اپنی نیلی آنکھوں میں پیار سموئے اس کے چاند چہرے کو دیکھا۔

"جی۔" وہ مسکراتی ہوئی اس کی سنگت میں باہر آ گئی۔

"بوا آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں اپنے آبائی گاؤں کی سیر کے لئے۔" اسفندیار خان نے سب سے ملنے کے بعد بوا سے کہا تو وہ بھیگتی آواز میں بولیں۔

"نہیں بیٹا تم لوگ جاؤ سدا شاد آباد رہو، میرا غلام محمد پھر سے بچہ بن گیا ہے جب چھوٹا سا تھا تو ہاتھ پاؤں نہیں چلتے تھے اس کے بول بھی نہیں سکتا تھا وہ، بس لیٹا رہتا تھا اوں آں کرتا یا روتا تھا اور میں اس کی ماں تھی نا اس کی ہر ضرورت پوری کرتی اس کا خیال رکھتی تھی، آج وہ پچاس برس کا ہو کے بھی پھر سے ویسا ہی بچہ بن گیا۔" بوا اپنے آنسو چھپاتی ان دونوں کو گلے لگا کر خدا حافظ کہہ کر جاوید اختر کے کمرے میں چلی گئیں، ماریہ اور نوید نے انہیں رخصت کیا تو وہ اپنی گاڑی میں آ بیٹھے، ایشا کا دل بوا کی باتوں پر بجھ سا گیا تھا، اسفندیار خان نے گہرا سانس لبوں سے خارج کیا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"ویسے بڑے افسوس کی بات ہے باپ اور بھائی کے غم میں کھو کر تم شوہر کی تکلیف بھی بھول گئیں۔" اسفندیار خان کی آواز پر وہ بری طرح چونکی تھی، وہ اپنے شہر والے بنگلے میں پہنچ کر گاڑی روک چکا تھا، اس کی بات پر دھیان دیتے ہوئے اس نے اسفندیار خان کی صورت کو دیکھا تو وہ خفا خفا سا گاڑی سے اتر کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔

"اسفند! او مائی گاڈ، اسفند تو کتنے زخمی تھے تکلیف میں تھے میں تو واقعی ان کی طبیعت تک نہیں پوچھ سکی، ان دنوں وہ شاید خفا ہو گئے ہیں، آرام بھی تو نہیں کیا انہوں نے اتنے دن سے کہیں طبیعت زیادہ خراب نہ ہو گئی ہو، یا اللہ خیر اب مجھ میں مزید دکھ جھیلنے کا حوصلہ نہیں ہے اللہ میاں۔" ایشا نے خود کلامی کرتے ہوئے گاڑی کا

"کس چیز کی تیاری ہو رہی ہے اماں، بڑی اچھی خوشبوئیں آرہی ہیں؟" کالج سے آنے کے بعد کھانا کھا کے وہ سوگئی تھی، چائے کی طلب میں کچن میں آئی تو خدیجہ بیگم کو مصروف پایا۔

"وہ، کچھ مہمان آرہے ہیں؟" انہوں نے ڈرڈر کر بتایا۔

"کس لئے؟" اس نے دایاں ابرو چڑھایا۔

"وہ......" خدیجہ بیگم بیٹی کے بگڑے تیور دیکھ کر گڑبڑائیں۔

"کیا وہ؟ بتایئے ناں؟ کیا آج پھر تماشہ لگوانا ہے؟" وہ طیش میں آگئی۔

"بیٹا یہ تو دنیا کا نظام ہے، جو ایسا ہی چلتا چلا آرہا ہے، میں اور تم کیا کر سکتے ہیں۔" وہ عاجزی سے بولیں۔

"کس دنیا کا نظام؟ اللہ نے تو ایسا کوئی حکم یا نظام نافذ نہیں کیا، قرآن کی کس آیت یا حدیث کی کون سے کتاب میں یہ نظام رائج ہے، میری تمام زندگی میں تو کبھی بھی میری نظر سے ایسا کچھ نہیں گزرا، جس میں اللہ نے ایسا نظام بنایا ہو، اپنی غلطی کو دنیا کا نظام مت کہیں، لڑکی کے والدین خود کو اتنا جھکا دیتے ہیں کہ لڑکے والے ان کی کمر پر چڑھتے اور اترتے رہے مگر کوئی کچھ کہنے والا نہیں، سب خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہتے ہیں۔" وہ ایک پل کو رکی۔

"کہہ رہی ہوں اماں، میں ہرگز ان نام نہاد مہمانوں کے سامنے نہیں آؤں گی، کوئی لولی لنگڑی نہیں ہو اور ناں یہاں کوئی بکرا منڈی بجی ہے کہ میرے دانت تک چیک کرتے ہوئے جائیں اور پھر بعد میں مذاق اڑائے، نہیں کرنی مجھے کوئی شادی وادی۔" وہ بے تحاشہ غصے میں تھی، خدیجہ بیگم کی آنکھیں بھر آئیں، وہ بغیر چائے لئے ہی پیر پٹختے کچن سے چلی گئی۔

☆☆☆

نوین ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی، بے تحاشہ لاڈ پیار میں پلی، بی اے فائنل ائیر کی اسٹوڈنٹ، وہ بہت اچھی شکل وصورت کی مالک تھی اونچا لمبا قد، اچھے نین نقش اور اچھی سیرت کی لڑکی، ماں باپ کے پیار نے بگاڑا نہ تھا، کم گو متحمل مزاج مگر کچھ عرصے سے وہ کچھ چڑچڑی اور بیزاری ہوگئی تھی، اس کی وجہ وہ عورتیں تھیں جو رشتوں کے بہانے آ کے اپنا پیٹ بھر کر چلی جاتیں، مقصد تفریح اور ٹائم پاس کرنا تھا، بعد میں ہاں، یا ناں کا جواب بھی ندارد، چاہے لڑکی والے برسوں انتظار کرتے، اب تو وہ رشتے کے نام پر بھڑکنے سے لگ گئی تھی۔

صورت، سیرت، تعلیم، کم عمری، اچھی تربیت اور بہترین خاندان کا فرد ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے ماں باپ کی بے بسی اور اپنی تذلیل برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

بغیر وجہ کے اس کو یوں اپنا ٹھکرائے جانا گوارا نہ تھا اور آج اس کی ماں ایک بار پھر انجانے میں اس کو اذیت سے گزرنے کا پیغام سنا رہی تھیں۔

☆☆☆

"کیا ہوگیا ہے تمہیں، اتنی ضدی تو تم کبھی نہیں تھی، میری عزت کا سوال ہے، کیسے میں انہیں یوں منع کردوں، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، وہ بہت اچھے لوگ ہیں، بہت سلجھے ہوئے، بہت اچھا گھرانہ لگ رہا ہے، تم ایک بار مل کر تو دیکھو، مجھے اس بار پورا یقین ہے بات بن جائے گی، رضیہ نے بھی بہت امید دلائی ہے۔" خدیجہ بیگم کب سے اسے سمجھانے میں لگی ہوئیں تھیں، مہمان ڈرائنگ روم میں بیٹھے لڑکی کا ہی انتظار کر رہے تھے۔

"ٹھیک ہے میں ملنے جارہی ہوں، مگر ایک شرط پر۔" وہ بادل نخواستہ راضی ہوگئی۔

"بولو؟ الٰہی خیر یہ لڑکی بھی ناں، کچھ ایسی ویسی شرط رکھ دی تو؟ کیا کروں گی۔" وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگیں۔

"ڈرائنگ روم میں کتنے افراد ہیں؟" عجیب سا سوال تھا۔

"لڑکا اور اس کی ماں بہن۔" وہ حیرانی سے بولیں۔

"اور؟" وہ مزید بولی۔

"اور تمہارے ابا۔" اب کے انہوں نے کوفت سے جواب دیا۔

"میں ابا کے سامنے ان لوگوں سے ملنے نہیں جاسکتی۔" وہ منہ بنا کر ضدی لہجے میں بولی تھی، خدیجہ بیگم کا کب سے رکا سانس بحال ہوا تھا۔

"توبہ لڑکی تم بھی ناں، مجھے تو ڈرا کے رکھ دیا۔" وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر باہر جاتے بولیں۔

"جلدی آجانا، میں تمہارے ابا کو وہاں سے اٹھا دوں کہ نوین شرم حیا والی بچی ہے، آپ کے سامنے نہیں آسکتی ملنے۔" وہ سادگی سے کہہ کر باہر چلی گئیں۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں آگے آگے دیکھیئے ہوتا ہے کیا۔" وہ سوچ کر مسکرائی تھی۔

☆☆☆

"لگتا ہے آپ کی بچی بہت کم گو ہے، کچھ بول ہی نہیں رہی، آج کل کی لڑکیاں تو بہت تیز طرار ہوتی ہیں۔" لڑکے کی ماں نے شربت کا گلاس خالی کرکے میز پر رکھتے مسکرا کر نوین کو دیکھا تھا۔

زرد پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس نوین سادگی میں بھی بہت اچھی لگ رہی تھی، اسے خلاف معمول یہ لوگ کافی معقول اور سلجھے ہوئے لگے تھے، لڑکا بھی دیکھنے میں اچھا خاصہ ہینڈسم اور پڑھا لکھا لگ رہا تھا۔

"میری بیٹی آج کل کی لڑکیوں سے کافی مختلف مزاج کی ہے سادہ وکم گو۔" خدیجہ بیگم خوش ہوکر بولیں۔

"کچھ تو بولیں آخر ہم بھی تو سنے اتنی پیاری لڑکی کی آواز کیسے ہوگی۔" لڑکے کی چلبلی شرارتی بہن نے نوین کو دیکھتے چہک کر کہا۔

سب اشتیاق سے اس کو دیکھنے لگے، وہ پراعتماد چال چلتی اپنی جگہ سے اٹھی، سلیقے سے سر پر جما دوپٹہ ہاتھ سے کھینچ کر خود سے الگ کیا اور گلے میں مفلر کی طرح اٹکا کر سب کو دیکھا، جن کو سانپ سونگھ گیا تھا، ڈھیلے سے جوڑے میں مقید بال جھٹکے سے کھل کر کسی آبشار کی طرح پشت پر پھیل گئے۔

وہ اک ادا سے کمرے کے ایک سرے سے دوسرے تک گئی (جیسے ٹاپ ماڈلز ریمپ پر چلتی ہیں)

کمر پر ہاتھ ٹکا کر خصوصی پوز دیتے ہوئے، اس صوفے کے بالکل سامنے ٹھہر گئی، جہاں مہمان بیٹھے تھے۔

خلاف توقع، ایسی تواضع پر وہ بیچارے انگشت بدنداں رہ گئے تھے، وہ گنگناتے ہوئے، آگے بڑھی۔

ایسی الجھی نظر ان سے ہٹتی نہیں
دانت سے ریشمی ڈور کٹتی نہیں
عمر کب کی برس کی سفید ہو گئی
کالی بدلی جوانی کی چھٹتی نہیں
واللہ یہ دھڑکن بڑھنے لگی ہے
چہرے کی رنگت اڑنے لگی ہے

ڈر لگتا ہے عشق کرنے میں جی
دل تو بچہ ہے جی تھوڑا کچا ہے جی
ہاں دل تو بچہ ہے جی

خدیجہ بیگم تو گویا زمین میں گڑ گئی تھی بیٹی کے یہ اطوار دیکھ کے۔

''تو پھر کیسی لگی میں؟''

''نہ چال میں کوئی لڑکھڑاہٹ، نہ زبان میں کوئی لکنت، سراپا بھی خوبصورت ہے، یقیناً کہیں کوئی ٹیڑھا پن نہیں، دانت بھی پورے، تو کہیے، آپ لوگوں کو یہ رشتہ منظور ہے یا نہیں؟'' وہ حد درجہ معصومیت اور سادگی سے کہتے آنکھیں پٹپٹاتے مہمان خاتون کی منتظر تھی۔

لڑکا بیچارہ تو اس پر سے نظریں ہٹا ہی نہ پا رہا تھا، شاید صدمہ گہرا تھا، حیرانگی تھی یا کچھ اور۔

''توبہ توبہ، خدا کسی دشمن کو بھی اتنا ذلیل اور شرمندہ نہ کروائے، رضیہ کو تو میں گھر جا کر دیکھوں گی، تو یہ کیسی جگہ لے کر آئی ہے مجھے۔'' مہمان خاتون صدمے اور غصے میں کہتے اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی بیٹے کی طرف دیکھا تو جو نوین کی طرف ہنوز دیکھ رہا تھا وہ اور آگ بگولہ ہوئیں۔

''دیکھ لیا ناں یہ کیٹ واک، اب چلو ہو گئی جو بے عزتی ہونا تھی، اب کیا مزید کی خواہش ہے؟ زندگی میں یہی کچھ دیکھنے کی کسر رہ گئی تھی۔'' ماں کو غصے میں دیکھ کر لڑکی بھی اٹھی تھی، خاتون نے بیٹے کو بت بنا دیکھا تو طیش میں آ کر بازو سے پکڑتے، گھسیٹتے ہوئے لے گئیں۔

ان کے جاتے ہی نوین نے پیٹ پکڑا اور ہنسی کا فوارہ پھوٹ نکلا، ہنستے ہنستے وہ دہری ہو کر صوفے پر دھپ سے گر پڑی، خدیجہ بیگم نے تاسف سے بیٹی کو ڈھٹائی ملاحظہ کی تھی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ناراضگی کی انتہا تھی جو وہ بغیر کچھ کہے وہاں سے چلی گئیں، ماں کو دکھی دیکھ کر نوین کی ہنسی رک گئی تھی۔

''کیا کروں اماں......؟ جب گھی سیدھی انگلی سے ناں نکلے تو انگلی کو ٹیڑھا کرنا پڑتا ہے۔''

☆☆☆

دو دن کی خاموشی کے بعد تیسرے دن لڑکے کے والد نے فون کر کے رشتہ منظور ہونے کی نوید دے دی۔

خدیجہ بیگم تو مایوس ہو چکی تھیں، شادی مرگ کی کیفیت تھی، لڑکا یعنی شرجیل انجینئر تھا، کافی معقول کماتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔

ہاں کیا ہوتی کہ لڑکے والوں نے جلد شادی کا عندیہ سنایا لڑکی والوں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا، شادی کی تیاریاں دونوں طرف عروج پر تھیں۔

خدیجہ بیگم کی خوشی دکھ میں بدل جاتی، تشویش تو فطری امر تھا نوین کی ساس نے اس رشتے کے بعد کسی سرگرمی میں حصہ ناں لیا تھا، بات پکی ہونے کے بعد بھی وہ اک دن ہنسی نہیں تھی، ہر کام شرجیل اس کی بہن اور والد ہی نمٹا رہے تھے، دن کو پر لگا کر اڑ رہے تھے۔

☆☆☆

''میری تربیت بہت اچھی ہوئی ہے، میں کبھی خودسر اور بدتمیز نہیں رہی، بس حالات نے ایسا کر دیا تھا، لوگوں کے غلط رویے نے مجھے یہ حرکت سرزد کروائی۔'' دلہن بنی نوین رخصتی کے بعد سیج پر بیٹھی اپنی ساس سے مخاطب تھی۔

بند کمرے میں، اس کی نند اور شوہر بھی موجود تھے۔

''اس سے پہلے بہت رشتے آئے اور بغیر وجہ کے انکار کر گئے، آخری بار میں نے شادی سے انکار کر دیا، دل متنفر ہو چکا تھا، میں نے اماں سے بہت کہا، مگر وہ نہیں مانی، مجبوراً مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑا، اس لئے کہ اس بار انکار ہو تو وجہ میں ہوں، ہر بار بغیر وجہ کے انکار پر میری ماں دکھی ہوتیں تو مجھے بہت تکلیف ہوئی، اب کم از کم دل کی بھڑاس اور دکھ تو مجھ پر نکلے گا، ہر دفعہ لڑکے والے ہماری بے بسی کا تماشہ دیکھتے اس بار سوچا لڑکے والے اس بے بسی کا شکار ہو اور میں تماشہ دیکھوں، دل ٹوٹتے وقت کتنی تکلیف ہوتی ہے۔''

''مگر سب کچھ اس سے الٹا ہو گیا، مجھے ہرگز امید ناں تھی کہ آپ کے ہاں سے اقرار ہو گا، جب اماں نے بتایا کہ یہ سب کچھ شرجیل کی خواہش اور مرضی پر ہوا ہے تو میں بے یقین تھی۔''

''اماں کا وہ خوشی سے ڈھلتا چہرہ، مجھے رخصت کرتے وقت ابا کے چہرے کا سکون و اطمینان، مجھے اب بھی یاد ہے، بہت اچھا لگا مجھے، جس طرح میں اپنے والدین کی قدر اور عزت کرتی ہوں ان کی ناراضگی مجھے برداشت نہیں ہوتی، ایسے ہی اب آپ میرے والدین ہیں میں آپ کی بھی بہت عزت کرتی ہوں، آپ کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتی، مجھے معاف کر دیں؟''

''ساری بات بلا جھجک آپ کے سامنے بیان کرنے کا مقصد ہی آپ کی ناراضگی دور کرنا تھی پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' اس نے اپنی ساس کے دونوں ہاتھ محبت سے تھام کر امید بھری نظروں سے دیکھا سب خاموش تھے۔

''کتنا غلط سوچا تھا میں نے اس لڑکی کے بارے میں، واقعی اتنے اچھے خاندان کی لڑکی بری کیسے ہو سکتی ہے؟ میرے اللہ مجھے معاف کر دے، میں نے بغیر تصدیق کے اس کے بارے میں غلط رائے قائم کی تھی، ہمیشہ پورا سچ جانے بغیر کبھی بھی کسی کے بارے میں غلط نہیں سوچنا چاہیے، میں اپنے ہی زعم میں مبتلا تھی کہ لڑکے کی ماں ہوں، لڑکی کی ایسی حرکت اور جرأت پہ منصف بنی بیٹھی کبھی ناں معاف کرنے کے لئے، کبھی ہم انسان بھی فرعون بن جاتے ہیں، میرے اکلوتے بیٹے کی زندگی کے یادگار اور خوبصورت لمحے میری ضد کی ہو گئے، میری خود ساختہ انا کے ہاتھوں، میں اپنا اور نقصان نہیں کر سکتی وقت اب بھی میرے ہاتھ میں ہے۔'' انہوں نے نم ہوتی آنکھوں سے نوین کو سینے سے لگا کر صدق دل سے معاف کر دیا تھا۔

نوین کی شرارتی سی نند نے وکٹری کا نشان بنا کر اسے مبارکباد دی تھی۔

شرجیل ساس بہو کو راضی برضا دیکھ کر بہت زیادہ خوش تھا، ہر طرف خوشیوں کی برسات تھی، جب دلوں سے نفرت کے بادل چھٹتے ہیں تو ہر طرف ایسی ہی روشنی پھیل جاتی ہے۔

☆☆☆

فرحت شوکت

آج آسمان سے گویا اوس کی بارش ہو رہی تھی پورے ماحول میں نمی گھلی تھی، درختوں کی شاخوں سے گرتے پتے ہوا کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتے اِدھر اُدھر معروف تھے، ہری ہری گھاس پہ دور تک نظر آتے شبنم کے قطرے ننھے ننھے ہیروں کی مانند اپنی جوت دکھا رہے تھے۔

آسمان سے اترتی دھند زمین پہ دھوئیں جیسا ماحول بنا رہی تھی، پچھلے کئی دنوں سے سورج تو جیسے ہر منظر سے خفا بادلوں کی آغوش میں منہ چھپائے غالباً محو خواب ہی تھا، جنوری کی سخت سردی جہاں جسموں میں موجود خون کو جمائے جا رہی تھی وہیں پاگل موسم ہر ایک کو دیوانہ کیے دے رہا تھا۔

بھاپ اڑاتے چائے اور کافی کے مگ

ناولٹ

ہاتھوں میں تھامے کچھ اسٹوڈنٹس کاریڈور اور کچھ گراؤنڈ میں چہل قدمی کرتے ہوئے بھرپور لطف اٹھا رہے تھے تو کچھ دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑ رگڑ کر گرم کرتے ہوئے اسامئنٹس بنانے کی پریشانی میں گھلے جا رہے تھے۔

اس نے ایک طائرانہ سی نظر اپنے اطراف میں ڈالی اور پھر ہاتھ میں پکڑے کوک کے کین کو منہ سے لگا لیا اور منتظر نظروں سے اپنے دائیں بائیں جانب دیکھتا رہا مگر اریج اب تک نہیں آئی تھی، وہ واپسی کے لئے پلٹ ہی رہا تھا کہ اس کو سیڑھیاں چڑھتا دیکھ کر وہیں رک گیا پھر قدرے خفگی سے گویا ہوا۔

''کہاں تھیں تم! میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں یار۔''

''سوری ہنید میں رات دیر سے سوئی تھی اس لئے صبح آنکھ ہی نہیں کھلی۔'' اس کی طرف بڑھتے

ہوئے اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا تو حسب معمول جلد ہی اس کا موڈ بحال ہو گیا تھا۔

"یہ کیا تم پھر اتنی ٹھنڈ میں اتنی ٹھنڈی کوک پی رہے ہو، آر یو میڈ ہنید تم کافی نہیں پی سکتے تھے؟" وہ دونوں اب سیڑھیاں اتر کر کینٹے ٹیریا کی طرف بڑھ رہے تھے جب اس کے ہاتھ میں موجود کین کو دیکھ کر وہ یکدم چلائی۔

اسے شروع سے اس کی اس عادت سے چڑ سی تھی جو ہمیشہ غیر موافق کام کیا کرتا تھا جو سب کی توقع کے برخلاف ہی ہوتا تھا۔

"تمہیں پتہ تو ہے یار مجھے ٹھنڈے ٹھنڈے موسم میں ٹھنڈی چیزیں ہی اچھی لگتی ہیں نہ کہ گرم۔ پھر بھی تم مجھے ٹوکتی رہتی ہو بٹ آئی ڈونٹ کیئر تم اپنا کام کرو اور میں اپنا۔" لاپرواہی سے کہہ کر اس نے کین منہ سے لگا لیا تو وہ بس ایک جھرجھری ہی لے کر رہ گئی، جانتی تھی وہ اسے کبھی بھی نہیں روک سکتی کیونکہ اپنی کچھ عادتوں کو لے کر وہ اپنے آپ سے بہت مطمئن بلکہ کافی حد تک خوش ہی رہنا پسند کرتا تھا۔

"جب طبیعت خراب ہو جائے ناں تو مجھ سے یہ مت پوچھنا کہ کون سی ٹیبلٹ لوں اور کتنی لوں اوکے۔" اسے ڈھٹائی سے ہنستا دیکھ کر وہ گھورتے ہوئے بولی تو وہ مزید لاپرواہی سے کندھے اچکا کر اوکے بولا تو وہ پوری کی پوری جل کر رہ گئی تھی۔

"ویسے تم ہو بہت بدتمیز۔" اسے شرم دلانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے کہا مگر دوسری طرف کوئی اثر ہی نہیں تھا۔

"کم آن یار میں ابھی زندہ رہنا چاہتا ہوں تمہارے ڈائٹ پلان پر اترنے کی کوشش کرنے لگا تو بہت جلد بوڑھا ہو کر مر جاؤں گا۔" کینٹے ٹیریا کا ڈور اوپن کر کے اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے ہنس کر کہا تو اسے حقیقتاً غصہ آ گیا تھا۔

"میں تمہیں سخت سردی میں ٹھنڈی چیزوں سے منع کرتی ہوں تمہاری ڈائٹ کا خیال کر کے نہیں روکتی اوکے اور آئندہ تمہیں کبھی منع نہیں کروں گی مائنڈ اٹ جو تمہارا دل چاہے کرو۔" غصے میں کہتی بائیں طرف ترتیب سے راؤنڈ شکل میں رکھی ٹیبل چیئرز کی طرف بڑھ گئی جہاں ان کا گروپ بیٹھا ان دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔

"تھینک گاڈ تم دونوں آئے تو سہی، ہم لوگ کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں یار، کہاں تھے تم لوگ؟" انہیں دیکھتے ہی عباد نے شکر ادا کیا ورنہ اسے آج اپنا برتھ ڈے ملتوی ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"میں تو کب سے آ چکا تھا اس کا ویٹ کر رہا تھا ڈیپارٹمنٹ میں۔" وہ چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

آج عباد کا برتھ ڈے تھا اور اسی خوشی میں وہ سب کو ٹریٹ دے رہا تھا مگر یہ سب کے لئے سرپرائز ہی تھا کہ وہ کب اور کہاں دے گا آج اس نے صبح سب کو کال کر کے یونیورسٹی کے ڈیپارٹمنٹ کے سامنے والے گراؤنڈ میں اکٹھے ہونے کو کہا تھا مگر بہت انتظار کرنے کے بعد بھی وہ دونوں نہیں آئے تھے تو وہ تینوں کینٹے ٹیریا میں آ کر بیٹھ گئے تھے جبکہ وہ اسے ڈھونڈتا ڈیپارٹمنٹ میں ہی چلا آیا تھا تاکہ اس کے ساتھ ہی کینٹے چلا جائے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو اس وقت سے جانتے تھے جب وہ اپنی بھی پہچان نہیں رکھتے تھے، ان کے گھر چونکہ ایک ہی لائن میں محض تین چار گھر چھوڑ کر تھے اس لئے وہ نہ صرف ایک دوسرے کو جانتے تھے بلکہ کافی حد تک فرینڈشپ بھی ہو چکی تھی اتفاق سے ان کا سکول بھی ایک ہی تھا پھر سیکشن بھی ایک ہوا تو دونوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، ان کے روز و شب کا زیادہ وقت ساتھ ہی گزرنے لگا تھا دونوں ایک دوسرے کی ضرورت بنتے جا رہے تھے تھوڑا سا وقت مزید گزرا تو کو ایجوکیشن کالج میں ان کی فرینڈشپ عباد، انعم اور زیاد سے ہو گئی جو بہت اچھے دوست ثابت ہوئے تھے وہ سب اپنی خوشی اپنا دکھ آپس میں شیئر کرنے کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ جب تک کہہ نہ ڈالتے بے سکون ہی رہتے۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ سب عباد کا برتھ ڈے سیلیبریٹ کرنے میں مصروف ہو چکے تھے۔

"ہیلو ہنید۔" وہ خوش گپیوں میں مصروف تھے جب شہزاہ نے اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے اس سے خیریت دریافت کی۔

"ہائے شہزاہ کیسی ہو؟" اس نے بھی جواباً مسکرا کر کہا۔

"بالکل ٹھیک۔" شہزاہ نے جواب دیا۔

"آؤ شہزاہ تم بھی جوائن کرو نا ہمیں۔" اریج نے خوش دلی سے شہزاہ کو بیٹھنے کی پیشکش کی۔

بہت پیاری نازک نازک سی، دھیمے مزاج میں بات کرنے والی، چہرے پر ہمہ وقت مسکراہٹ سجائے بہت پرخلوص سی شہزاہ اسے بہت پسند تھی، اس کی آفر پر ہنید نے گھور کر اسے دیکھا مگر وہ نظر انداز کر گئی۔

"تھینکس اریج! ایکچوئلی مجھے ہنید سے بات کرنی تھی۔" شہزاہ نے معذرت خواہانہ انداز میں اس دیکھ کر کہا پھر ہنید کی جانب دیکھ کر گویا ہوئی۔

"چلیں ہنید؟"

"سوری شہزاہ میں عباد کے برتھ ڈے پر انوائیٹڈ ہوں سو......"

☆☆☆

☆☆☆

''لیکن برتھ ڈے تو ہم سیلبریٹ کر چکے ہیں تم اگر جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ، نو پرابلم۔'' اریج نے اپنے طور پر اس کی مشکل آسان کرنا چاہی مگر جواب میں اس نے ایک بار پھر تیز نظروں سے اسے گھور کر دیکھا۔

''ہاں یار تم چلے جاؤ وی آر فری ناؤ۔'' زیاد نے بھی اس کی تائید کی تو وہ اسے بھی گھور کر دیکھنے کا قصد کر ہی رہا تھا کہ شزاء بول پڑی۔

''تھینکس گائیز، چلیں ہنید۔'' ناچار اسے اٹھنا ہی پڑا مگر جاتے جاتے وہ سب کو سخت نظروں سے دیکھنا نہ بھولا جو معنی خیز انداز میں مسکرائے جا رہے تھے۔

''شی از آ نائس گرل۔'' ان کے جانے کے بعد انعم نے کھلے دل سے شزاء کی تعریف کی۔

''ہاں لیکن ہنید مجھے شزاء کو لے کر کچھ سیریس نہیں لگتا وہ اسے صرف ایک فرینڈ کے طور پر ہی ہینڈل کرتا ہے جبکہ شزاء اس کے بارے میں کچھ خاص ایموشنز رکھتی ہے۔'' عباد نے اپنا تجزیہ بیان کرتے ہوئے کہا جس پر سب نے تائیدی انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا۔

''یہ کوئی بڑا ایشو نہیں ہے، شزاء اگر اس کی زندگی میں آ بھی جاتی ہے ناں تو وہ اسے بھی بالکل اپنے جیسا کر لے گا، دیکھ لینا تم لوگ ساری زندگی اس بے چاری کو سردی میں ٹھنڈی ٹھار کوک پلا پلا کر اس کے ایموشنز کو نہ جما دیے تو کہنا۔''

تھوڑی دیر پہلے والا سارا غصہ اس نے بڑے مطمئن انداز میں اپنی بات کہہ کر نکال ڈالا تھا جبکہ اس کی بات پر سب کی بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی اور وہ خود بھی اپنی کہی بات پر کھل کر ہنس پڑی تھی۔

☆☆☆

''ہیلو۔''

فون کافی دیر سے بج رہا تھا مگر آج وہ یونیورسٹی میں بہت تھک گئی تھی جس کے باعث وہ گہری نیند میں تھی ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا تو ہنید کا نام جگمگا رہا تھا اس نے فوراً فون کان سے لگا لیا۔

''ہیلو اریج!'' اس نے دھیرے سے اسے پکارا۔

''ہاں۔'' اس کی نقاہت بھری آواز سن کر اس کی نیند جھک سے اڑ چکی تھی اور یکدم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''یار مجھے سردی لگ رہی ہے اور فیور بھی فیل ہو رہا ہے، کیا کروں؟'' اس کی طبیعت واقعی ٹھیک نہیں لگ رہی تھی، وہ پریشان ہو گئی تھی پھر یکدم اسے اس پر غصہ آنے لگا تھا جو اس کی کبھی بھی بات نہیں مانتا تھا۔

''میں نے کہا تھا ناں تمہیں اتنی ٹھنڈ میں کوک اور دوسری ٹھنڈی چیزیں مت لیا کرو مگر تم میری سنتے کب ہو، اب بھی انجوائے کرو، مجھے کیوں ڈسٹرب کر رہے ہو؟'' پریشانی کے ساتھ اسے اس پر اب غصہ بھی آ رہا تھا۔

''اچھا بتاؤ ناں یار پلیز، مجھے لگتا ہے میں صبح یونیورسٹی بھی نہیں آ سکوں گا۔'' اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

چند لمحوں کے لئے وہ خاموش ہو گئی تھی پھر قدرے نرمی سے گویا ہوئی۔

''تم اپنے وارڈ روب میں دیکھو سب سے لاسٹ والے دراز میں فرسٹ ایڈ بکس رکھا ہے، اس میں پیناڈول اور پین کلر ہے وہ لے لو جلدی سے۔''

''پلیز اریج کچھ اور بتاؤ یار میں ٹیبلٹ وغیرہ کچھ نہیں لوں گا تمہیں پتہ ہے ناں مجھے کتنی الجھن ہوتی ہے میڈیسنز سے۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔

''مجھے پتہ ہے لیکن ابھی تم اٹھو اور میرے سامنے ٹیبلٹ لو میں ہولڈ پر ہوں پھر مجھ سے بات کر کے فون آف کرنا۔'' اسے پتہ تھا وہ ٹیبلٹ لینے کبھی بھی بیڈ سے اتر کر وارڈ روب تک نہیں جائے گا اس لئے اس نے ہولڈ پہ رہنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

''تم اٹھے نہیں ابھی تک؟'' دوسری طرف مکمل خاموشی تھی جسے محسوس کرتے ہی وہ فوراً بولی تھی۔

اس کا انداز تحکمانہ تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ ٹلنے والی نہیں تھی سو وہ کسلمندی سے کروٹ لے کر سیدھا ہوا پھر پژمردہ قدموں سے چلتا ہوا وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا اور فرسٹ ایڈ باکس کھولنے لگ گیا اس دوران فون اس کے ہاتھ میں ہی تھا، اس نے پانی کے ساتھ ٹیبلٹ حلق سے نیچے اتاری اور پھر فون کان سے لگا لیا۔

''لے لی ہے میں نے ٹیبلٹ۔'' بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے اس نے اسے بتایا۔

''تھینکس! اب پلیز ایک کپ کافی یا سوپ پی کر سکون سے سو جاؤ۔'' اس نے مزید ہدایت دی۔

''اس وقت رات کے دو بج رہے ہیں کون بنائے گا یار سب ملازم اپنے کوارٹر میں ہیں میں صبح لے لوں گا اوکے؟'' اس کا انداز سراسر ٹالنے والا تھا۔

''میں لے کر آؤں؟'' کہتے ہوئے وہ فوراً بیڈ سے اتر آئی تھی۔

''آر یو میڈ اریج! بالکل نہیں میں کہہ رہا ہوں ناں میں صبح لے لوں گا اور ویسے بھی اب میں پہلے کی نسبت بہت بہتر ہوں آئی سوئیر۔'' اس کا کچھ بھروسہ نہیں تھا کہ وہ واقعی اس کے پاس چلی آتی مگر اس کے سختی سے منع کرنے پر وہ رک گئی تھی۔

''اب میں سوؤں گا بار اوکے گڈ نائٹ۔''

''اوکے گڈ نائٹ۔'' فون بند ہو گیا تھا اور وہ کتنی ہی دیر تک اسے سوچتی رہی تھی جو اپنے بارے میں شروع سے بہت لاپرواہ تھا، کس چیز سے اسے کیا نقصان پہنچ سکتا تھا وہ قطعی بے خبر رہنا چاہتا تھا، عجیب لاپرواہ سا انداز ہوتا تھا، اس کا جس کی وجہ سے وہ اکثر اسے بے نقط سنا ڈالتی تھی، وہ کبھی کبھی تو خاموشی سے سنتا اور کبھی کبھی خوب بول پڑتا تھا اور پھر بھی وہی کرتا تھا جو اس کے دل میں آتا تھا، وہ اب بے چینی سے صبح ہونے کا انتظار کر رہی تھی اور آسمان پر سفیدی پھیلتے ہی وہ سلیپر پاؤں میں ڈالے جلدی سے کچن میں گھس گئی اور رحماں کی مدد سے ناشتہ تیار کر کے ٹرے ہاتھ میں تھامے تیزی سے پورچ عبور کر کے گیٹ کراس کر گئی، گارڈ نے اسے دیکھتے ہی فوراً گیٹ کھول دیا، وہ سیدھی اندر چلی آئی گھر میں بالکل سناٹا تھا غالباً ابھی کوئی نہیں اٹھا تھا، وہ لاؤنج میں ہو کر دائیں جانب اوپر جاتی اس کے کمرے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی، اس کے کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا، جس کا مطلب تھا کہ وہ جاگ چکا ہے، ہلکا سا ڈور ناک کر کے وہ اندر چلی آئی، وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑ کر خشک کر رہا تھا جب وہ اس کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی، وہ جانتا تھا صبح ہوتے ہی وہ اس کے سر پر آ کھڑی ہو گی اور ایسا ہی ہوا تھا اس لئے وہ چونکا نہیں تھا۔

''کیسی طبیعت ہے؟'' اس نے بے چینی سے پوچھا۔

''تمہیں کیسا لگ رہا ہوں؟'' ہیئر برش ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے تازہ دم لہجے میں اس سے جواباً سوال کیا۔

"کچھ ویک سے لگ رہے ہو، خیر میں تمہارے لئے سوپ اور سینڈوچ لائی ہوں جلدی سے بریک فاسٹ کرلو مجھے پتہ تھا تمہاری ملازمہ ابھی نہیں اٹھی ہوگی، اس لئے میں لے آئی ہوں اور یہ ٹیبلٹ بھی لے لو۔"

"ٹیبلٹ کس لئے یار؟" ٹیبلٹ کے نام پر اس نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"تمہیں فیور ہے اس لئے۔" ہاتھ میں پکڑی ڈش کو ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے جیسے اسے یاد دلایا تھا۔

"آئی ایم آل رائٹ یار، تمہیں تو عادت ہے ٹیبلٹ پر ٹیبلٹ کھلانے کی۔" صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ خفگی سے بولا۔

"جب تمہیں اتنی چڑ ہوتی ہے میڈیسن لینے سے تو کیوں ایسے کام کرتے ہو جس سے تم بیمار پڑو۔" اس کی طرف گرما گرم بھاپ اڑاتا سوپ کا باؤل بڑھاتے ہوئے اس نے تپ کر کہا۔

"میں نے کیا کیا ہے یار کوئی خود سے بھی بیمار پڑتا ہے کیا؟" اس کے ہاتھ سے باؤل لے کر وہ سوپ پینے میں مصروف ہو چکا تھا۔

"کسی اور کا تو پتہ نہیں مگر تم تو خود سے ہی بیمار ہوتے ہو۔" اس نے کوک پینے پر چوٹ کی مگر وہ جواباً کچھ نہ بولا اور چپ چاپ سینڈوچ کھانے لگا جبکہ وہ تھوڑی دیر بعد جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں جا رہی ہو، اکٹھے چلتے ہیں ناں یونیورسٹی۔" اس کے کہنے پر وہ پلٹ کر گویا ہوئی۔

"آج میں یونیورسٹی نہیں جا رہی، پاپا کی طبیعت رات کچھ ٹھیک نہیں رہی تھی اس لئے ان کے پاس رکوں گی اور حرا کو بھی کالج بھیجنا ہے آج اس کا بہت امپورٹنٹ ٹیسٹ ہے وہ خود سے بھی نہیں اٹھے گی پھر پاپا کو ناشتہ کروانا ہے، ایسے میں بہت دیر ہو جائے گی اس لئے آج یونیورسٹی جانا کچھ مشکل لگ رہا ہے۔"

"انکل کی طبیعت خراب تھی اور تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔" اسے تشویش ہو گئی تھی۔

"کچھ نہیں بس وہی سانس کا پرابلم ہو گیا تھا میں نے فوراً میڈیسن دے دی تھیں تھینک گاڈ آرام آ گیا تھا پھر وہ سکون سے سو گئے تھے، میں احتیاطاً ان کے پاس رہوں گی آج۔"

"ہوں ٹھیک ہے انہیں بہت زیادہ کیئر کی ضرورت ہے، بائی دا وے کل انکل کی ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ ہے یاد ہے ناں؟" اس نے یاد دہانی کرائی۔

"ہاں مجھے یاد ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کل شام کو ریڈی رہنا میں تمہیں اور انکل کو کلینک لے چلوں گا اوکے؟"

"اوکے اب میں چلتی ہوں پاپا اٹھ گئے ہوں گے۔" اتنا کہہ کر وہ اس کے کمرے سے باہر نکل آئی اور گھر کی طرف چل پڑی۔

☆☆☆

آج یونیورسٹی میں ڈرامہ فیسٹول منعقد ہو رہا تھا جس کے تحت یونیورسٹی کے بیشتر اسٹوڈنٹس نے مل کر کئی حساس موضوعات پر ڈرامے تیار کیے تھے جو اسٹیج پر پرفارم کیے جا رہے تھے، شام چار بجے فیسٹول کا آغاز ہوا تھا اور اب رات کے دس بج چکے تھے اتنا وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا تھا جبکہ اب بھی پروگرام چل رہا تھا مگر ٹائم زیادہ ہونے پر وہ سب باقی کا پروگرام چھوڑ کر ہال سے باہر نکل آئے تھے۔

"کم آن یار بس دو ہی پلے تو رہتے ہیں وہ بھی دیکھ لیں پھر چلتے ہیں۔" زیاد نے انہیں قائل

کرنے کی کوشش کی، مگر کوئی بھی راضی نہیں تھا، مانا وہ سب براڈ مائنڈڈ فیملیز سے تعلق رکھتے تھے مگر انہوں نے دی گئی آزادی کا کبھی ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی انہوں نے کچھ حدود رکھی تھیں جن کو وہ ہرگز کراس کرنا نہیں چاہتے تھے۔

"نو زیاد پلیز رات کے دس بج رہے ہیں ہمیں چلنا چاہیے۔" انعم نے فوراً منع کر دیا۔

"یس آف کورس۔" اریج نے بھی انعم کی تائید کی تو وہ سب پارکنگ ایریا میں موجود اپنی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

"آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔" اپنی گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے وہ اس سے مخاطب ہوا اسی اثناء میں شزاء بھی وہاں آ موجود ہوئی تو وہ دونوں اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"ہیلو اریج، ہائے ہنید۔" شزاء نے مسکرا کر باری باری دونوں کی جانب دیکھا پھر اس سے مخاطب ہو کر بولی۔

"ہنید میں کافی دیر سے تمہارا باہر آنے کا انتظار کر رہی تھی تمہیں یاد ہے ناں آج ماما نے تمہیں ڈنر پر انوائیٹ کیا تھا؟" شزاء کے استفسار پر وہ لمحہ بھر کو چپ ہو گیا، پھر سنبھل کر بولا۔

"آں ایکچوئیلی میں بھول گیا تھا اینی ویز میں کل آنٹی سے مل لوں گا، اف یو ڈونٹ مائنڈ پلیز۔" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں شزاء کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بٹ دیٹس ناٹ فیئر ہنید۔" اس سے پہلے کہ شزاء کچھ کہتی اس سے رہا نہ گیا لہٰذا فوراً بول پڑی۔

"تم نے ٹائم دیا ہوا تھا وہ انتظار کر رہی ہوں گی تمہارا بہت برا لگے گا انہیں اگر تم آج ان سے نہ ملے تو۔" وہ اسے تنبیہ کر رہی تھی۔

"ایکسکیوز می شزاء۔" وہ شزاء سے ایکسکیوز کرنے اس کا بازو پکڑ کر سائیڈ پر لے آیا۔

"تم چپ نہیں کر سکتیں دو منٹ۔" وہ نہایت آہستگی سے دبی دبی آواز میں بولا۔

"مجھے اس وقت اس کے ساتھ کہیں نہیں جانا اب تم کچھ نہیں بولو گی ناؤ شٹ یور ماؤتھ پلیز۔"

"لیکن یہ بالکل ان فیئر ہے ہنید۔" اس نے اسے سمجھانا چاہا۔

"میں تمہیں یہاں اس وقت اکیلے چھوڑ کر اس کے ساتھ اس کے گھر پر ڈنر کے لئے چلا جاؤں یہ فیئر ہے۔" اسے اب اس پر غصہ آ رہا تھا۔

"تم اس کے ساتھ چلے جاؤ اور اپنی گاڑی مجھے دے دو میں چلی جاؤں گی، دیٹس آل۔" اس نے سوچ کر حل بتایا تو وہ پل بھر کے لئے چپ ہو گیا تھا۔

"ہنید چلیں۔" شزاء کی آواز پر دونوں اس کی جانب متوجہ ہو گئے پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر اس سے گاڑی کی چابی مانگی تو اس نے ٹراؤزرز کی جیب میں چابی نکال کر اسے تھمانا چاہی مگر کسی خیال کے تحت مڑ کر شزاء سے مخاطب ہوا۔

"تم گاڑی لائی ہو۔"

"نہیں میری گاڑی بھائی کے پاس ہے آج۔" شزاء کے بتانے پر وہ یکدم پریشان ہو گیا تھا اور اپنا بڑھا ہاتھ دوبارہ کھینچ لیا تھا۔

"تم چلو میں تمہیں پہلے ڈراپ کر دیتا ہوں پھر دیکھوں گا کیا کرنا ہے؟" وہ قطعی انداز میں بولا۔

"ہنید پورے پون گھنٹہ کا راستہ ہے تم مجھے ڈراپ کرنے گئے تو سوچو واپسی کا راستہ بھی تو ہو

گا ناں، تم لوگ ٹیکسی سے چلے جاؤ میں تمہاری گاڑی لے جاتی ہوں ناں۔" پتہ نہیں کیوں وہ اس بات کو اتنا ایشو بنا رہا تھا اسے کوفت ہو رہی تھی۔

"میں اتنی رات کو تمہیں گاڑی ڈرائیو کرنے نہیں دوں گا، تم ہمارے ساتھ چلو۔" اس نے تجویز دی۔

"میں کیسے جا سکتی ہوں تمہارے ساتھ، اچھا نہیں لگتا ہید اور پھر شزاء کا گھر بہت دور ہے اس طرح مجھے بہت دیر ہو جائے گی، پاپا میرا انتظار کریں گے، وہ بہت پریشان ہو جائیں گے، بلکہ میں ایسا کرتی ہوں پاپا کو فون کر کے کہتی ہوں کہ وہ قادر چاچا کو گاڑی دے کر بھیج دیں اوکے۔" اس نے ہینڈ بیگ میں سے اپنا سیل فون نکال کر پاپا کو فون بھی کر ڈالا تاکہ وہ مکمل اطمینان کے ساتھ شزاء کے ساتھ چلا جائے۔

"آر یو شیور کہ قادر چاچا آ جائیں گے؟" اس نے اپنی تسلی کے لئے اس سے پوچھا۔

"یس شیور ہید، میں نے تمہارے سامنے فون کیا ہے ناں پاپا کو۔" اس کے فکر کرنے پر وہ مسکرا کر بولی۔

"اوکے ٹیک کیئر۔" اسے خیال رکھنے کا کہہ کر وہ شزاء کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر گیا تو اس نے صد شکر ادا کیا۔

پارکنگ ایریا سے نکل کر وہ ویٹنگ روم کے باہر رکھے بینچ پر جا بیٹھی اور ڈرامہ ہال سے نکلتے اسٹوڈنٹس کو گاہے بگاہے نکل کر گیٹ کی طرف جاتا دیکھنے لگی، پروگرام غالباً ختم ہو چکا تھا تب ہی اس کے سیل فون پر پاپا کی کال نے اس کی توجہ فون کی طرف مبذول کرالی۔

اس نے فوراً یس کر ڈالا دوسری طرف پاپا ہی تھے جو اس سے ہید کے ساتھ آنے کی ہدایت کر رہے تھے کیونکہ قادر چاچا نے پاپا کو بتایا تھا کہ گاڑی سروس کے لئے ورکشاپ گئی ہوئی ہے۔

اس نے "جی اچھا" کہہ کر فون بند کیا اور متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی، شاید کوئی کلاس فیلو مل جائے جو اسے گھر تک ڈراپ کر دے مگر ہر چہرہ انجان اور اجنبی دکھائی دے رہا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے یونیورسٹی خالی ہوتی جا رہی تھی محض چند لڑکے اور لڑکیاں ہی تھیں جو چہل قدمی کرنے والے انداز میں گیٹ کراس کر رہے تھے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ اتنی رات کو اکیلے ٹیکسی میں جانے کے خیال سے ہی اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے گارڈز نے بہت سی لائٹس آف بھی کر دی تھیں جس سے خوف مزید بڑھ گیا تھا وہ بینچ پر سے اٹھ کر ویٹنگ روم میں چلی آئی، جہاں چار پانچ لڑکیاں کسی کے انتظار میں بیٹھی تھیں، انہیں دیکھ کر اسے ایک گونہ اطمینان ہوا مگر ان میں سے دو لڑکیاں کو جاتا دیکھ کر اسے دوبارہ تشویش ہونے لگی تھی۔

آخر وہ کب تک یہاں بیٹھی رہے گی، اس نے ہاتھ میں پکڑے سیل فون کو دیکھا پھر فون بک میں موجود ہید کا نمبر سرچ کرنے لگ گئی۔

"مجھے پتہ تھا تم اب تک یہیں بیٹھی ہو گی، چلو میرے ساتھ۔" اس کا نمبر ڈائل کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اسے اپنے بہت قریب سے اس کی آواز سنائی دی اس نے فوراً سر اٹھا کر دیکھا، وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا خشمگیں نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

چند لمحے وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی، پھر میکانکی انداز میں فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، اس کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں بتا رہی تھیں کہ وہ گھبرائی ہوئی ہے تب ہی آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور ویٹنگ روم سے باہر نکل آیا اور گیٹ کراس کر گیا۔

"ان فیکٹ مجھے تمہاری کوئی بات ماننی ہی نہیں چاہیے۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی ریورس پر ڈالتے ہوئے اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا، جواباً وہ خاموش ہی رہی پھر کچھ پل بعد گویا ہوئی۔

"تم شزاء کے گھر نہیں گئے؟" اس کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی وہ اسے محض ایک نظر دیکھ کر رہ گیا۔

"بتاؤ ناں۔" اس نے دوبارہ پوچھا۔

"کیونکہ میرا دل نہیں مانا، میں نے اسے اس کے گھر ڈراپ کیا اور آ گیا دیٹس اٹ۔" اس نے بات ختم کرنے والے انداز میں بتایا اور پھر چپ کر گیا۔

"لیکن ہید؟"

"اسٹاپ اٹ یار پلیز تم اس ٹاپک پر مجھ سے کوئی بات نہیں کرو گی اِٹس انف اور تمہیں میں وارن کر رہا ہوں آئندہ مجھے ایسے کسی کام کے لئے فورس مت کرنا جس کے لئے تمہیں مجھے زبردستی کنوینس کرنا پڑے جیسے ابھی کیا تھا اوکے؟" وہ شدید جھنجھلایا ہوا تھا، وہ خاموش ہو گئی اور نظریں ونڈ اسکرین پر جما دیں، حواسوں سے سوار ہوتا خوف اب بالکل زائل ہوتا محسوس ہو رہا تھا اس نے سکون کا گہرا سانس لیا اور تشکرانہ انداز میں آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

☆☆☆

"وہاٹ؟ اِٹس ریئلی ناں؟" وہ سب اس وقت گراؤنڈ میں بیٹھے اسائنمنٹ بنانے میں مصروف تھے، جب عباد کی بات پر سب خوشی سے تقریباً چلا ہی اٹھے تھے۔

"ہاں یار۔" عباد کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

"یو مین دونوں فیملیز اِیگری ہو گئی ہیں؟" زیاد نے اچھی طرح عباد سے کنفرم کرنا چاہا گویا اسے کوئی غلط فہمی نہ ہوئی ہو۔

"ہاں بالکل۔" عباد نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"کانگریچولیشنز یار تم دونوں ہمیشہ خوش رہو۔" ہید نے باری باری عباد اور انعم کو مبارکباد دی۔

"مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ پچھلے دنوں ہم جس مسئلے کو لے کر اتنے پریشان تھے وہ اس طرح اچانک حل ہو جائے گا، اِٹس ریئلی گڈ فار یو، اللہ تم دونوں کا ساتھ ہمیشہ برقرار رکھے۔" اریج کی دعا کو زیاد نے "آمین" کہہ کر مکمل کیا تو سب نے اس کی تقلید میں آمین کہا۔

عباد اور انعم ایک عرصے سے ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے اور نوبت محبت تک آ پہنچی تھی، دونوں کے گھر والے ان کی ایک دوسرے میں دلچسپی کو بخوبی جانتے تھے مگر مسئلہ انعم کے گرینڈ فادر کا تھا جو انعم کا رشتہ اپنے نواسے سے کرنا چاہتے تھے مگر انعم کے پیرنٹس بھی چونکہ عباد میں انٹرسٹڈ تھے لہٰذا کچھ پس و پیش کے بعد انعم کے گرینڈ فادر بھی راضی ہو گئے تھے اور یوں ان دونوں کی باقاعدہ انگیج منٹ کا اعلان بس متوقع ہی تھا۔

"چلو یار آج تمام کلاسز بنک کرتے ہیں، تم دونوں ہمیں باہر کسی اچھی سی جگہ پر ٹریٹ دو۔" ہید کے کہنے کی دیر تھی سب جی جان سے تیار ہو گئے اور فوراً نوٹس بکس بند کیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

انعم اور عباد کے چہرے حقیقی خوشی سے کھلے جا رہے تھے، جبکہ وہ تینوں ان کی خوشیوں میں اس طرح خوش تھے کہ بات بے بات قہقہے آسمان کو چھو رہے تھے۔

سارا دن خوب سیر و تفریح اور ہلا گلا کرنے کے بعد وہ لوگ شام ہی کو اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے تھے۔

وہ جیسے ہی گھر پہنچی حرا نے ایک اور خوشخبری اس کے گوش گزار کی تو وہ دل سے مسکرا اٹھی، اس سے محض دو سال بڑی یمینہ جو اپنے شوہر کے ساتھ لاہور میں رہتی تھی چند دنوں بعد ان سے ملنے کراچی آ رہی تھی۔

اس کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا، وہ پورے چھ ماہ بعد یمینہ سے ملے گی یہ خوشی اسے بہت تقویت دے رہی تھی وہ خود ہی مسکرائے جا رہی تھی اور حرا اسے دیکھ کر۔

☆☆☆

''میں نے کتنی بار منع کیا ہے آپ کو، میری چیزوں کو ہاتھ مت لگایا کریں، آپ کو سمجھ کیوں نہیں آتی میری بات؟'' چھناکے کے ساتھ کسی چیز کے ٹوٹنے کی آواز آئی تو وہ جو اس کے کمرے کی طرف بڑھ آئی تو وہ جو اس کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی پہلی سیڑھی پر ہی رک گئی۔

''سوری بیٹا میں تو......''

''مت کہا کریں مجھے بیٹا، میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں اور نہ کبھی ہو سکتا ہوں سمجھیں آپ؟'' اس کے زہر خند لہجے میں ڈوبی تیز آواز سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ صبور آنٹی بے زبان اور بے جان پتلے کی مانند اس کے سامنے کھڑی ہوں گی اور وہ ان کی ممتا پر نشتر چلا رہا ہوگا۔

''آئندہ اگر آپ نے میرے کمرے کی کسی چیز کو ہاتھ لگایا تو میں آگ لگا دوں گا اس کمرے کو اور اس گھر کو، سنا آپ نے۔'' وہ آہستگی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی آئی، صبور آنٹی آنکھوں میں آنسو اور ہونٹوں پر چپ لگائے انتہائی دلبرداشتہ سی واپس پلٹ رہی تھیں۔

ان کی یہ کیفیت اس نے آج پہلی بار نہیں دیکھی تھی بلکہ اکثر ہید کا تلخ رویہ انہیں پہلے سے زیادہ کمزور اور نڈھال کر دیتا تھا۔

وہ خاموشی سے سیڑھیاں اترتی جا رہی تھیں جب اس نے پلٹ کر ان کی جانب دیکھا، نفیس سی ساڑھی میں ملبوس چہرے پہ متانت اور پروقار شخصیت کی حامل صبور آنٹی اسے شروع ہی متاثر کرتی تھیں، اسے لگتا تھا کہ اگر اس کی ماما ہوتیں تو وہ بھی یقیناً ایسی ہی ہوتیں مگر......

ایک وہی تھا جس کو ان کی نہ محبت نظر آتی تھی اور نہ خلوص بلکہ وہ تو ان کو دیکھنے تک کا روادار نہ تھا، وہ تاسف سے سر جھٹکتی اس کے کمرے میں داخل ہوگئی۔

کمرے کا نقشہ از سر نو بدلا ہوا تھا، ہر شے انتہائی ابتر حالت میں اپنی جگہ سے ہٹ کر زمین بوس تھی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے پرفیومز کو بے دردی سے زمین اور دیواروں پر مارا گیا تھا اسٹڈی ٹیبل پر رکھی بکس، لیمپ، وارڈ روب میں ترتیب سے رکھے کپڑے، بیڈ شیٹ اور تکیے سب اپنی اصل شناخت کھو چکے تھے، حتیٰ کہ وہ خود بھی بیڈ کے کنارے پر بیٹھا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے کمرے کی طرف بکھرا بکھرا سا دکھائی دے رہا تھا۔

کھٹکے کی آواز پر اس نے ذرا سا سر اٹھا کر سامنے دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا کہ وہ بری طرح دہک رہی تھیں، وہ زیادہ دیر اس کی طرف دیکھ نہ سکی اور بمشکل اتنا ہی بول پائی تھی۔

''یہ سب کیا ہے ہید؟'' کہہ کر اس نے پاس پڑا تکیہ اٹھا کر بیڈ پر رکھا تب ہی اس کی زوردار آواز سنائی دی۔

''وہی جو ہونا چاہیے تھا۔''

''اس طرح کر کے تمہیں آخر کون سا سکون ملتا ہے؟'' آہستگی سے چلتی ہوئی وہ اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تو وہ بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''بہت سکون ملتا ہے مجھے انہیں تکلیف میں دیکھ کر کیونکہ خوش تو وہ بھی دیکھنا نہیں چاہتیں مجھے جبھی میرے کسی نہ کسی معاملے میں انٹرفیئر کر کے اذیت دینے کی کوشش کرتی ہیں مجھے۔'' اس کا غصہ اب بھی کم نہیں ہوا تھا شاید اسی لئے اس کے کہنے پر دوبارہ بھڑک اٹھا تھا۔

''آہستہ بولو وہ سن لیں گی پلیز۔'' اس نے التجائیہ انداز میں کہا، مگر اس کی بات سن کر تو وہ مزید اونچی آواز میں بولنے لگا تھا۔

''ڈرتا نہیں ہوں میں ان سے بلکہ انہیں ہی سنا رہا ہوں میں یہ سب، جب میں نے منع کیا ہوا ہے وہ میری کسی چیز کو ہاتھ مت لگایا کریں تو کیا ضرورت ہے انہیں مجھے تنگ کرنے کی؟''

''تمہارا کمرہ بہت بے ترتیب ہو رہا تھا ہید کیا ہوا اگر انہوں نے سمیٹ دیا؟'' اس نے آہستہ آواز میں نرمی سے اسے سمجھانا چاہا مگر ندارد۔

''بہت خوب۔'' اس کی بات پر وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا پھر چند لمحوں بعد ہی دوبارہ اسی ٹون میں گویا ہوا۔

''پہلے میری ذات کی نفی کر کے مجھے بکھیر کر رکھ دیا انہوں نے اور اب میری بے ترتیب چیزوں کو ترتیب سے رکھ کر خواہ مخواہ احسان کرنے کی کوشش کر رہی ہیں وہ مجھ پر لیکن میں کسی کا احسان لینے کا عادی نہیں ہوں، جا کر بتا دو انہیں اور اگر آج کے بعد انہوں نے مجھ سے یا میرے کسی معاملے سے دلچسپی ظاہر کی تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گا ان کے ساتھ۔''

آج سے پہلے بھی کئی بار اس نے اسے صبور آنٹی کے ساتھ چیختے چلاتے سنا تھا مگر اس قدر غصے میں وہ آج پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

''ہید پلیز کنٹرول یور سیلف، مائیں ایسی ہوتی ہیں احساس کرنے والی اور......''

''ہاں صحیح کہہ رہی ہو تم سیلفش مدرز ایسی ہی ہوتی ہیں سینس لیس (بے حس)۔'' دکھ اور غصہ کے باعث اس کے چہرے کی رگیں تن گئی تھیں، اسے اس پر بے تحاشا ترس آ رہا تھا۔

''تم میری بات کو غلط لے رہے ہو ہید صبور آنٹی......''

''میں کچھ بھی غلط نہیں لے رہا یار۔'' اس کی بات کو تیزی سے کاٹ کر وہ مزید بولا۔

''بارہ سال کی عمر میں جب ماما مجھے چھوڑ کر گئیں تو جاتے جاتے میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھما گئیں تب مجھے لگا جیسے میرا ہاتھ ماما کے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں چلا گیا ہو بالکل محفوظ، وہی نرمی وہی لمس اور تب مجھے ماما کے چلے جانے کا نہ کوئی دکھ تھا نہ تکلیف کیونکہ جس طرح میں نے ان کو ماما کی طرح چاہا تھا انہوں نے بھی ماما کی ساری کمی کو پورا کر ڈالا تھا مگر پاپا سے شادی کے بعد دولت کی روشنی میں انہوں نے مجھے اندھیروں کے حوالے کر ڈالا، مجھے بھول گئیں وہ تنہا کر دیا انہوں نے مجھے پھر...... پھر پتہ نہیں کیا ہوا؟ مجھے ماما بہت یاد آنے لگیں تھیں بہت زیادہ۔'' وہ ایکدم چپ ہو گیا تھا۔

غم کی شدت سے اس کی آواز دھیمی اور لہجہ بھاری سا ہو گیا تھا، شدت ضبط سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں، وہ اب بالکل خاموش ہو گیا تھا کمرے میں بالکل سناٹا تھا گویا وہاں کوئی تھا ہی نہیں، تھوڑی دیر پہلے گونجتی اس کی تیز آواز کہیں غائب ہو گئی تھی، وہ بالکل چھوٹے بچوں کی

طرح ہر چیز سے ناراض ناراض سا بیٹھا تھا۔

"مجھے اب ان کی کسی محبت یا کیئر کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مجھے کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" چند لمحوں بعد وہ جیسے خود سے مخاطب ہوا تھا نہایت دھیمی آواز میں مگر اس کے الفاظ اس تک باآسانی پہنچ گئے تھے، وہ اس کی طرف بڑھ گئی۔

"ہنید پلیز ناؤ ریلیکس اینڈ کول ڈاؤن، اتنا سٹریس مت لو، تم یہیں بیٹھو میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ پہلے سے قدرے بہتر دکھائی دے رہا تھا وہ فوراً اس کے کمرے سے باہر نکل آئی پھر کچن کی طرف بڑھ گئی، تھوڑی دیر بعد وہ دو کپ چائے بنا کر پہلے صبور آنٹی کے پاس لاؤنج میں چلی آئی جو انتہائی پریشان اور ملول سی صوفے پر بیٹھی تھیں، اس نے ایک کپ ان کے سامنے سنٹرل ٹیبل پر رکھا اور ان کے پاس بیٹھ گئی، ان کے متورم چہرہ سے لگ رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ روئی ہیں۔

"آنٹی آپ پریشان مت ہوں پلیز اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں، اسے کچھ ٹائم لگے گا وہ بالکل نارمل ہو جائے گا آپ کے ساتھ، مجھے یقین ہے۔" اس نے ان کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا تو وہ یاسیت سے مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں، ان کی آنکھوں میں واضح نمی تھی۔

"پتہ نہیں وہ کب سمجھے گا ارتج، میں مانتی ہوں مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی مگر ایسا ہرگز نہیں تھا کہ میرے دل میں اس کی محبت کم ہو گئی تھی وہ تو میری بہت پیاری بہن کی خوبصورت سی نشانی تھا جس کو میں نے بہت سینچ سینچ کر رکھا تھا، ہنید کو پا کر تو میں نے کبھی اولاد کی دعا ہی نہیں مانگی تھی اور نہ کبھی مجھے اولاد کی چاہت ہوئی تھی مگر دیکھو میں نے خود اسے کھو دیا خود اسے دور کر دیا، وہ صحیح کہتا ہے میں وقتی طور پر دولت کے نشے میں چور ہو گئی تھی پھر میں نے اسے نجانے کتنے برسوں تک پلٹ کر نہیں دیکھا تھا لیکن میرا خدا گواہ ہے میں نے ہنید کو ماں سے بڑھ کر چاہا ہے، اسے کہو وہ مجھے معاف کر دے اور میرے سینے سے لگ جائے، میرے اندر ممتا کی پیاس بے کل کیے رکھتی ہے مجھے وہ مجھے سیراب کر دے، ارتج تم کہو گی ناں اسے کہ وہ ایک بار، صرف ایک بار مجھے پہلے کی طرح چھوٹی ماما کہہ کر پکارے میں بہت تڑپ رہی ہوں اس کے منہ سے سننے کو، تم کہو گی ناں؟"

وہ مسلسل روئے جا رہی تھیں اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے بازو سے پکڑ کر ان کے سامنے لا کھڑا کرے جو اس سے اتنی شدت محبت کرتی تھیں مگر وہ بے حس بنا نہ صرف انہیں اذیت دے رہا تھا بلکہ خود بھی قرب سے گزر رہا تھا۔

اس نے آنکھوں میں آئی نمی کو اپنے اندر کہیں جذب کیا اور بڑے ضبط سے بولی۔

"جی آنٹی میں اپنی ہر ممکن کوشش کروں گی کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دے، آپ پلیز پریشان مت ہوں، آپ چائے پئیں میں اسے بھی چائے دے کر آتی ہوں اوکے؟" ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے بہت نرمی سے کہا پھر ٹرے اٹھائے اس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

وہ ابھی تک اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا، وہ اس کی طرف بڑھ گئی۔

"چائے۔" اس نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے کپ لے لیا۔

اسے اس کی یہ عادت سب سے اچھی لگتی تھی کہ جس کے ساتھ ان بن ہو جاتی تھی وہ اسی کی حد تک محدود رہتا تھا باقی سب کو اس کی لپیٹ میں لینے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ دوسروں کے ساتھ

زیادہ سے زیادہ نارمل دکھائی دینے کی سعی کرتا تھا۔

وہ جلدی سے اس کا کمرہ سمیٹنے لگی ہر چیز اپنی جگہ سے دوسری جگہ پر تھی، اس دوران وہ بالکل خاموشی سے چائے پیتا رہا۔

"اٹھو بیڈ شیٹ درست کرنی ہے۔" اس کے کہنے پر اس نے خالی کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور خود اسی خاموشی سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا، اس نے ایک طائرانہ سی نظر کمرے میں دوڑائی جہاں ہر چیز اپنے ٹھکانے پر موجود تھی، کارپٹ پر بکھرے اس کے بے شمار کپڑے قرینے سے وارڈ روب میں رکھے تھے۔

"تم نے بھی کوئی چیز جگہ پر نہیں چھوڑی پورے کمرے کا حشر خراب کر کے رکھ دیا، غصہ انسانوں پر ہوتا ہے بے چاری بے جان چیزوں پر نکال کر کیا ملتا ہے بھلا؟" سلیقے سے بیڈ شیٹ بچھاتے ہوئے وہ منہ ہی منہ میں بول رہی تھی۔

"بعض دفعہ تم اتنے ہائپر ہو جاتے ہو کہ مجھے بھی سمجھ نہیں آتا تمہیں کس طرح ہینڈل کیا جائے، کچھ کنڈیشنز میں تم واقعی بہت مشکل ہو جاتے ہو ہنید، ایسا کیوں ہے؟" اس کے سوالیہ انداز پر وہ اب بھی خاموش ہی تھا۔

"دوسروں کو سمجھاتے ہو کہ تم کیا چاہتے ہو دوسرے کیا چاہتے ہیں تم بھی تو سمجھنے کی کوشش کیا کرو ناں؟" وہ کافی حد تک نارمل لگ رہا تھا تب ہی وہ اسے اس کے شدید رویے کا احساس دلانے لگی تھی مگر دوسری طرف ہنوز خاموشی برقرار تھی لہٰذا وہ فی الحال چپ ہو گئی تھی۔

"تھینکس۔" تھوڑی دیر بعد وہ مشکور نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"فار وہاٹ (کس لئے)؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"فار ایوری تھنگ (ہر چیز کے لئے)۔"

"دوستوں میں نو تھینکس نو سوری۔" اس کی بات پر اس نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم واقعی بہت اچھی دوست ہو ارتج، میں جتنا بھی فرسٹریٹڈ ہوتا ہوں، تمہارے سامنے اپنی بھڑاس نکال کر نارمل فیل کرنے لگتا ہوں اور حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارے علاوہ مجھے کوئی برداشت بھی نہیں کر سکتا۔"

وہ کھلے دل سے سچائی بتا رہا تھا، وہ شروع سے ہی اسے جانتی تھی کہ جب تک اس کے سامنے غبار نکال نہ لے اس کی تسلی نہیں ہوتی، جانتی تھی پھر جب وہ نارمل ہونے لگتا تب وہ اسے سمجھانے کی کوشش کیا کرتی تھی، مگر صبور آنٹی کو لے کر وہ اس کی کوئی بات ماننا تو دور سننا بھی نہیں چاہتا تھا۔

"تم بہت اچھے ہو ہنید بس صبور آنٹی کے بارے میں اپنے خیالات کو تھوڑا سا بدل کر تو دیکھو پلیز۔" وہ اب اصل بات پہ آئی تھی مگر اس نے سختی سے اسے ٹوک دیا تھا۔

"ٹاپک چینج کریں تو آئی تھنک بہتر ہو گا۔" مطلب وہ اس موضوع پر اب کیا کبھی بھی کوئی بات کرنا نہیں چاہے گا، اس کا انداز بالکل واضح تھا سو وہ چپ کر گئی تھی۔

"آج عباد اور انعم کی انگیج منٹ ہے کب تک جاؤ گی انعم کی طرف؟" وارڈ روب کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"میں اسی لئے تو آئی تھی تمہاری طرف تمہیں بتانے کہ مجھے بھی پک کر لینا، اکٹھے چلیں گے۔" اس نے بتایا پھر جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بس تم تین بجے تک تیار رہنا میں آ جاؤں گا تمہیں لینے۔" اس نے ٹائم بتایا۔

''تم اب کہاں جارہے ہو؟'' اسے کپڑے نکالتے دیکھ کراس نے پوچھا۔

''وہیں انعم اور عباد کی طرف جارہا ہوں کچھ ارینجمنٹس کرانی ہیں۔''

''اوکے میں چلتی ہوں اب۔'' کہہ کرروہ اس کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

لاؤنج خالی تھا صبور آنٹی شاید اپنے کمرے میں جاچکی تھیں، وہاں سے گزرتے ہوئے تھوڑی دیر پہلے روتیں صبور آنٹی اسے بے حد یاد آئی تھیں اس کا دل بے چین سا ہوگیا تھا مگر وہ کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی، ہنید کا رویہ اس معاملے کو لے کر اتنا سخت اور سرد ہو جاتا تھا کہ بعض دفعہ اسے لگتا تھا کہیں وہ اس پر ہی نہ برس پڑے۔

سوچتی ہوئی وہ گھر آ گئی اور اپنے لیے چائے بنانے لگی پھر اس نے تیاری بھی کرنی تھی مگر ابھی بہت ٹائم تھا، ابھی صرف گیارہ بجے تھے، وہ چائے کا کپ لئے حرا کے پاس اس کے روم میں چلی آئی اور خود کو فریش کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

''یہ کیا بدتمیزی ہے ہنید؟''

وہ چاروں اس وقت کیفے ٹیریا میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے جب وہ شدید غصے کے عالم میں اس کے بالکل سامنے آکھڑی ہوئی اور ہاتھ میں پکڑا خوبصورت ریپر میں لپٹا گفٹ پیک ٹیبل پہ پٹختے ہوئے مسلسل گھور رہی تھی۔

ٹیبل کے اردگرد بیٹھے عباد، زیاد اور انعم سب اسے حیرانی اور تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''کیا ہوا اریج خیریت تو ہے؟'' اس نے گفٹ پیک کو اٹھا کر اس کی جانب حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا مگر وہ کچھ کہنے کی بجائے اسے گھورے جارہی تھی۔

''کیا پرابلم ہے یار کچھ تو بتاؤ۔'' انعم کے استفسار پر وہ بھڑک ہی اٹھی تھی۔

''جو کچھ اس نے کیا ہے کیا تم لوگ نہیں جانتے ہو مجھ سے پوچھ رہے ہو؟''

''نہیں اریج ہمیں کچھ نہیں معلوم اور ویسے بھی تمہیں یہ گفٹ اگر ہنید نے دیا ہے تو اس میں اتنا غصہ کرنے کی کیا بات ہے؟'' زیاد نے الجھے الجھے سے انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ پہلے سے زیادہ تیز لہجے میں بولی۔

''اگر اس نے دیا ہوتا تو مجھے حیرانی ہوتی غصہ نہ آتا کیونکہ اس نے تو کبھی کوئی گفٹ دیا ہی نہیں ہے۔''

''پھر کس نے یہ حرکت کی ہے؟'' عباد غصہ کا قدرے تیز تھا فوراً جوش میں آگیا۔

''حسیب نے مجھے برتھ ڈے گفٹ دیا ہے کیونکہ اس نے حسیب کو میری ڈیٹ آف برتھ بتائی تھی، تم نے بتایا تھا ناں حسیب کو؟''

وہ جو مزے سے کوک کا کین منہ سے لگائے بیٹھا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر کین ٹیبل پر پٹخا اور طیش کے عالم میں اس سے استفسار کیا تو باقی سب بھی جواب کے انتظار میں اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''ہاں لیکن اس میں اتنا شور ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟'' اس نے اطمینان سے کہا۔

''کیوں بتایا تم نے اسے؟'' وہ ایک بار پھر چیخی۔

''اس نے پوچھا میں نے بتا دیا یار دیٹس آل اس میں اتنا غصہ کرنے والی کیا بات ہے؟'' اس کے انداز میں وہی اطمینان برقرار تھا جو اس کا پارہ ہائی کررہا تھا۔

''تم سے میرے متعلق کوئی بھی کچھ بھی

پوچھے گا تم اسے سب کچھ بتا ڈالو گے، ہے ناں؟'' وہ تاسف سے بولی۔

''وہ کسی نہیں ہے یار، وہ حسیب ہے تمہارے پاپا کے عزیز دوست کا بیٹا اور تم سمیت یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے اور ویسے بھی حسیب کوئی ایسا ویسا لڑکا نہیں ہے جسے میں نے سوچے سمجھے بغیر تمہاری ڈیٹ آف برتھ بتائی تھی وہ بہت ویل مینرڈ ہے تمہیں برتھ ڈے گفٹ پریزنٹ کرنا چاہتا تھا دیٹس اٹ۔'' وہ بڑے آرام سے پوری تفصیل بتا کر خوبصورتی سے ریپر کیے ہوئے گفٹ پیک کو سراہتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

جبکہ وہ نہایت غصے سے اس کے جھکے سر کو گھورے جارہی تھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کس طرح اتنی سنا ڈالے کہ وہ آئندہ کبھی یہ حرکت نہ کرے مگر پھر اچانک وہ کچھ بھی کہے بغیر مڑی اور کیفے ٹیریا سے باہر نکل آئی۔

''اریج کو بہت برا لگا ہے ہنید، آئی تھنک تمہیں اس سے سوری کرنا چاہیے۔'' اس کے جانے کے بعد انعم نے اس سے کہا، جواباً وہ خاموش ہی رہا تھا پھر گھر جا کر اس نے اسے ڈھیر ساری کال کیں مگر اس نے ایک بھی کال ریسیو نہیں کی تھی جبکہ وہ گھر پر بھی موجود نہیں تھی پھر اس نے اسے سوری کا میسج ٹیکسٹ کیا اور بیڈ پر دراز ہو گیا۔

فون کی رنگ ٹون سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی کمرے میں ملگجا اندھیرا پھیلا ہوا تھا، یقیناً شام ہوگئی تھی اس نے سیل فون پر ٹائم دیکھا شام کے سات بجے تھے، اس نے فون کان سے لگا لیا۔

''کہاں ہے تو میں کب سے تجھے فون کررہا ہوں یار۔'' فون ریسیو کرتے ہی عباد کی تیز آواز اس کے کان سے ٹکرائی۔

''خیریت ہی ہے ہم سب اریج کے گھر پر ہیں تم کیوں نہیں آئے ابھی تک؟''

''تم لوگ کیوں آئے ہو سب ٹھیک تو ہے ناں؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''وہاٹ یو مین یار، وی آر آل انوائیٹڈ، آج اریج کا برتھ ڈے سیلبریٹ کررہے ہیں اس کے گھر پر، اس نے انوائیٹ کیا تھا ہم سب کو، تجھے انوائیٹ نہیں کیا اس نے؟'' بتاتے بتاتے عباد نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں مجھے تو نہیں کیا۔'' اس نے بتایا۔

''اچھا چل یار تو آجا ہم سب انتظار کررہے ہیں تیرا، اریج لگتا ہے ناراض ہے تجھ سے حسیب والی بات پر، ہم ویٹ کررہے ہیں تیرا اوکے؟'' عباد نے سوالیہ انداز میں کہا پھر فون آف کردیا۔

فون بند ہونے کے بعد وہ تھوڑی دیر یونہی لیٹا رہا پھر دوبارہ کمبل لے کر دراز ہوگیا مگر اگلے

ہی دس منٹ بعد اریج کا فون بھی آ گیا تھا، یقیناً فون سب کے زور دینے پر کیا گیا تھا۔

''کہاں ہو تم؟'' اس نے ناراض مگر سخت لہجے میں پوچھا۔

''بہت مزے میں ہوں۔'' اس نے آرام سے جواب دیا۔

''پتہ ہے مجھے، لیکن شاید تمہیں نہیں پتہ کہ آج میرا برتھ ڈے ہے۔'' اس نے طنز کیا جس کا اس پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

''اچھا، پھر؟'' اس کے لہجے میں سکون ہی سکون تھا جو اسے بری طرح زچ کر رہا تھا۔

''پھر یہ کہ تم میرے گھر آ رہے ہو یا نہیں؟'' اس نے تحکمانہ انداز میں استفسار کیا۔

''نہیں۔'' اس کا اطمینان جوں کا توں تھا۔

''کیوں؟'' اس کے انکار پر وہ تپ گئی تھی۔

''کیونکہ تم نے مجھے انوائیٹ نہیں کیا۔'' اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''میں نے تمہیں اس وقت فون کیا ہے تو شاید اسی مقصد کے لئے کیا ہے تمہاری خیریت دریافت کرنے کے لئے نہیں کیا۔'' اس نے غصے سے کہا پھر فون بند کر دیا تو وہ مسکرا کر فون کو دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور شاور لے کر تیار ہونے لگا، ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ اس کے گھر پر تھا۔

پاپا، یمینہ، حرا کے علاوہ عباد، انعم اور زیاد سب لوگ لان میں راؤنڈ ٹیبل کے گرد رکھی چیئرز پر بیٹھے غالباً اسی کا انتظار کر رہے تھے۔

ٹیبل پر رکھے بلیک چاکلیٹ کیک کو اپنی اصل حالت میں دیکھ کر اس نے قیاس آرائی کی۔

''شکر ہے تم آ گئے بلید ورنہ ان سب نے تو مل کر مجھے بھوکا رکھنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔'' اسے دور سے آتا دیکھ کر یمینہ وہیں سے اونچی آواز میں بولی تو وہ مسکراتا ان کے درمیان میں جا بیٹھا۔

''اریج پلیز آ جاؤ اور کیک کاٹ دو اب مزید انتظار مت کرنا قسم سے بہت بھوک لگی ہے۔'' اریج کو اندر سے آتا دیکھ کر یمینہ نے التجاء کی، یمینہ ہمیشہ سے ہی بھوک کی کچی تھی اس لئے کب سے شور مچا رہی تھی مگر کوئی بھی اس کی بات پر کان نہیں دھر رہا تھا، اسے بھی پتہ تھا کہ وہ تمام دوست جب تک پورے نہیں ہوں گے کیک تو کیا پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں پیئے گا، ان کا آپس میں اتفاق اور محبت اسے بے حد اچھی لگتی تھی مگر ان کا یہ اتفاق دوسرے کی جان پر ستم ڈھا دیتا تھا۔

اریج اور یمینہ نے مل کر آج خوب ڈھیر ساری ڈشز بنائی تھیں جو بے حد لذیز اور خوش ذائقہ تھیں سب نے بہت سراہا تھا، اس دوران وہ دونوں بھی سب بھلا کر معمول کے مطابق ہنس بول رہے تھے دور تک شائبہ نہ تھا کہ ان دونوں کے درمیان صبح کسی قسم کی بدمزگی ہوئی تھی۔

وہ سب ایسے ہی تھے لڑتے پھر ایک ہو جاتے، ایک دوسرے کو خوب سناتے مگر سب بھول بھال کر ہنسی مذاق شروع کر دیتے ذرا سی بات کو مسئلہ بنا لیتے تو کسی بھی مسئلہ کو عام سی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیتے۔

جس وقت وہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹے رات کے گیارہ بج چکے تھے، آج انہوں نے خوب انجوائے کیا تھا، عباس انکل بھی کبھار ہی ان کی کمپنی کو جوائن کرتے تھے اور وہ جب بھی ان کے درمیان بیٹھتے تو دلجمعی سے محفل لگا کرتی تھی، ان کی نرم خو اور مشفق شخصیت سب کے لئے قابل احترام تھی وہ خود بھی انہیں اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔

(باقی آئندہ)

کچھ روز سے میں اک عجیب سے مخمصے سے دو چار ہوں، بات کرتے ہوئے کہیں کھو جاتی ہوں، یہ میری حاضر جوابی و شگفتہ بیانی جیسے مفقود ہو کر رہ گئی ہے، اک عجیب سی پژمردگی چھائی ہوئی ہے، یوں جیسے کچھ کھو گیا ہو جو ڈھونڈنے پر بھی مل نہیں رہا، اک بے چینی نے یوں آپ سمجھ نہیں پائیں گے، پہلے میرا تعارف ضروری ہے۔

میں ایک چالیس سالہ نوجوان خاتون ہوں، چالیس سالہ اور نوجوان، میرے اس متضاد بیان پر آپ یقیناً ہنس رہے ہوں گے، آپ اپنی ہنسی میں حق بجانب ہیں اور اپنے بیان میں بھی غلط نہیں، دراصل آپ نے مجھے دیکھا نہیں، اگر دیکھ لیتے تو یقیناً میرے بیان کی صحت پر ایمان لے آتے، آپ اسے میری خوش فہمی سمجھے یا احساس برتری سے ماری ہوئی حسن کے زعم میں ڈوبی کوئی مغرور حسینہ! مگر سچ یہی ہے کہ میں خود شناس ہوں، میں جانتی ہوں کہ میں ان چند خواتین میں سے ہوں جن کے حسن، جوانی پر وقت جیسے آ کر تھم سا جاتا ہے اور اس صورت حال سے میں اک طویل مدت سے لطف اندوز ہو رہی ہوں، مجھے دیکھ کر لوگ پوچھتے ہیں۔

"Are you Miss or Mrs."

اور جب میں بتاتی ہوں کہ میں دو بچوں کی ماں ہوں تو تب حیرت سے گنگ سے ہو جاتے ہیں، تخلیقی مراحل سے گزرنے کے باوجود میرا بدن لچکیلی شاخ کی مانند چھریرا ہے، جلد شگفتہ، چہرے پر کم سنی اور معصومیت، یہ تمام عناصر میری شخصیت کو..... دل کشی اور رعنائی عطا کرتے ہیں، ڈاکٹر کے پاس جاؤں تو وہ بغیر پوچھے پرچی پر میری عمر پچیس سال لکھ دیتا ہے اور میری صحیح پر حیرت سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے۔

"Oh you dont look like that"

تو میرا دل سرشاری سے بھر جاتا ہے کیونکہ میں جانتی ہوں کہ آپ ساری دنیا سے اپنی عمر چھپا لیں مگر اپنے ڈاکٹر سے نہیں چھپا سکتے ورنہ چند سالوں میں ہی اپنی جوانی کھو دیں گے کہ آپ کا ڈاکٹر ہی جانتا ہے کہ آپ کے پچیس یا پچاس سالہ عمل کو کیا درکار ہے بہر حال یہ تو بر سبیل تذکرہ یوں ہی ذکر آ گیا، بات تو ہو رہی تھی کہ میں کس

قدر سرسبز و شاداب اور سدا بہار جوانی کی حامل ہوں، حتیٰ کہ میرے میاں بھی جو اب قدرے گنجے اور چھوٹی سی توند کے مالک ہیں میرے ساتھ نکلنے سے گریز کرنے لگے ہی کہ کئی دفعہ ہوا دکاندار نے کہا۔

''صاحب جی گڑیا کے لئے شاپنگ نہیں کریں گے۔'' اور میرے صاحب احتجاجاً غصے سے گاڑی میں جا بیٹھے اور مجھ پر خواہ مخواہ غصہ اتارنے لگے۔

''یہ تم کیا یونہی چھمک چھلوسی بنی پھرتی ہو ذرا سوبر سا رویہ اختیار کرو، آخر دو بچوں کی ماں ہو تم۔'' تو میں بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی اور معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتی ہوئی بولی۔

''میں نے کیا کیا ہے؟ میں نے تھوڑی اسے کہا تھا کہ...... بھئی میں تو آپ سے مکمل طور پر وفادار ہوں اب آپ جیسے بھی ہیں۔'' اور یہ واقعی سچ ہے کہ اس طرح کی صورتحال سے میں وقتی طور پر لطف اندوز ضرور ہوتی ہوں لیکن دلی، ذہنی و جسمانی طور پر مکمل طور سے اپنے شوہر کی وفادار ہوں، میرے اس بیان پر وہ مزید تپ گئے مگر میں نے بغیر پرواہ کیے اپنی بات جاری رکھی۔

''آپ نے بھی تو خود سے بالکل لاپرواہی برت رکھی ہے بندہ تھوڑی سی walk اور Exercise کر لے، کچھ اپنے اوپر دھیان دے، خاص طور پر جب پہلو میں مجھ سی حسین بیوی ہو۔''

میرے یوں اترا کر کہنے پر انہوں نے نظر بھر کر مجھے دیکھا ان نگاہوں میں جذبوں کی حدت فخر مان ستائش سب کچھ تھا اور سچ تو یہ ہے کہ کسی بھی حسین عورت کا حسن دو آتشہ اپنے شوہر کی محبت پا کر ہی ہوتا ہے۔

ایک دن تو حد ہی ہو گئی چند خواتین میری ساس نے بڑے کڑوے لہجے میں غصے اور سرد نگاہوں سے مجھے اور ان خواتین کو گھورتے ہوئے کہا۔

''وہ اس کا والی وارث کھڑا ہے اسی سے مانگ لو رشتہ اس کا۔'' وہ حیرانی سے بولیں۔

''اس چھوٹے سے کھیلتے بچے سے، یہ اس کا والی وارث ہے، کیا مطلب؟'' میری ساس پھر اسی طرح بولیں۔

''ہاں ہاں بیٹا ہے اس کا، اس وقت تو یہی گھر ہے اور میرا بیٹا اس کا خاوند کام پر گیا ہے۔''

وہ خواتین ایسے بھاگیں کہ پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا، میرا قہقہہ بے ساختہ تھا اور دور تک ان کے پیچھے گیا، نہ میں نے اپنی ساس کی ناراضگی کی پرواہ کی اور نہ اس کے نتائج کی، اور سچ تو یہی تھا کہ ایسی کوئی صورت حال مجھے عجب کمینی سی خوشی سے دوچار کر دیتی تھی میرا دل ان دیکھی مسرت سے سرشار ہو جاتا، آپ اسے سستی گھٹیا پن بازاری کہیں، مگر سچ تو یہی ہے کہ میرا دل خوشی سے بھر جاتا، میں آئینے میں خود کو دیکھ کر خود پر نثار ہو جاتی کہ میں اس عمر میں دو بچوں کی ماں ہوتے ہوئے بھی اس قابل ہوں کہ کوئی مجھے دیکھ کر پاگل ہو جائے۔

میں محسوس کر سکتی ہوں کہ میری سوچ کے اس رخ سے آپ اکتاہٹ سی محسوس کر رہے ہوں گے کہ میرا یہ قصیدہ آخر اور کتنا طویل ہو گا اور اپنے حسن کی یہ بے سروپا تعریف آخر چہ معنی دارد مگر یہ سب بیان کرنا اور بتانا آپ کو ضروری تھا کیونکہ جب تک آپ کے ذہن کے پردے میری ان دیکھی تصویر نہ بنتی آپ مجھ سے صحیح طرح سے آگاہ نہ ہوتے تو آپ میرے مسئلے کو کیسے سمجھ سکتے تھے؟ میرے مسئلے میری تکلیف میری اذیت کو آپ اسی وقت محسوس کر سکتے ہیں جب آپ مجھ

سے آگاہ ہو جائیں، اس لئے آپ مجھ سے اکتائے بغیر میرے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

میں کوئی بدکردار اخلاقیات سے عاری نہیں ہوں، بس اپنے حسن سے آگاہ ہوں یا یوں کہیے کہ اپنے حسن کے نشے میں گم اور چور چور ہوں مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ میں سرسبز شاداب اور سدا بہار حسن کی مالک ہوں اور یہ کہ اس سدا بہار جوانی کے موسم پہ کبھی خزاں نہیں آئے گی، اب سے کچھ عرصہ پہلے سب ٹھیک تھا اور آئینہ میرے اس زعم کی بھرپور گواہی دیتا تھا، میرا تنا ہوا بدن و بے داغ کم سنی و معصومیت کا بھولپن لئے تیکھے نقوش کا حامل چہرہ سچ تو یہ ہے کہ آئینہ بھی مجھے دیکھ کر شرما جاتا، مجھے یہ لگتا تھا کہ یہ سرسبز موسم ہمیشہ یونہی رہے گا مگر......

پھر ہوا یہ کہ مجھے خزاں کے آنے کا احساس ہونے لگا مگر کیسے؟

وہ ایسے کہ میری بیٹی اس دن اپنے پاپا کے ساتھ چیونگم بکس لے کر آئی، دو تین مختلف برانڈز تھے، ان میں سے ایک دو نے مجھے میرے بچپن میں پہنچا دیا، بچپن سے لوٹ کر جب میں اپنے حال میں لوٹی تو میں نے بڑے شوق سے اپنی بیٹی کو بتایا کہ اس طرح کی ایک ببل گم میں دس پیسے اور ایک چار آنے، پچیس پیسے کی لے کر آیا کرتی تھی، تو میری بیٹی نے بڑی حیرت سے مجھے دیکھا۔

''مما یہ کیا ہوتا ہے اور یہ کون سے پیسے ہوتے ہیں؟'' تو میرے بڑے بیٹے نے بڑا سمجھدار بن کر کہا۔

''بے وقوف یہ coins ہوتے ہیں مما کے زمانے میں ایسے ہی پیسے ہوتے تھے۔'' تو میری بیٹی مزید حیرانی سے بولی۔

''تو کیا مما یہ آپ والے coins انڈر گراؤنڈ چلے گئے ہیں، جیسے مختلف تہذیبیں چلی جاتی ہیں۔''

میں جو ایک صدمے کی سی کیفیت میں تھی بڑی دل گرفتگی سے بولی۔

''نہیں بیٹا انہیں زمین نے نہیں مہنگائی نے نگل لیا ہے۔''

میرے میاں بڑے شرارتی سے موڈ میں بولے۔

''بیگم آج پہلی بار احساس ہوا کہ آپ بھی بوڑھی ہو رہی ہیں۔'' میں یہ سنتے ہی ایک دم بجھ گئی اور وہ میری دل گرفتگی کو محسوس کر کے سب چپ ہو گئے مگر پھر تو یہ جیسے روز کا معمول ہی ہو گیا، کچھ عرصے سے ہو بھی یہی رہا ہے کہ ہر جنس کی قیمت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور مجھے جو یہ محسوس ہوتا تھا کہ میرے بچپن اور میرے بچوں کے بیچ فقط اک میری جوانی کا سفر ہی تو ہے، یوں لگنے لگا ہے کہ میں ان سے کوئی صدی پیشتر زمانے میں جیتی تھی، پیپسی کی وہ بوتل جو لفافے میں ڈالے جھلاتے ''چوں چوں چاچا'' گاتے ساڑھے تین روپے میں لایا کرتی تھی تو اب اپنی چھوٹی بیٹی کو کیسے سمجھاؤں کہ ساڑھے تین روپے کیا ہوتے ہیں جس نے فقط پانچ روپے کا سکہ دیکھا ہے، مہنگائی کا منہ زور جن جس نے اپنے جادوئی ہاتھ سے میرے شفاف بدن پر دراڑیں اور چہرے پر جھریاں ڈال دی ہیں، میں جو اپنی عمر سے دس سال فقط دس سال چھوٹی دکھتی تھی اب لگتا ہے سو سال پیچھے چلی گئی ہوں۔

مگر یہ بے چینی و پریشانی محض میری نادانی ہی تو ہے وہ ہوشربا مہنگائی جو تہذیبوں اور سکوں کو نگل گئی ہے اس کے آہنی پنجے تلے جانے مجھ سے کیسی شاداب جوانیاں کچلی گئی ہوں گی۔

☆☆☆

محبت گمشدہ میری

فرحین اظفر

زندگی بالکل اچانک ایک دم ہی پلٹا کھاتی ہے، کب...... کیا...... کیسے ہو جائے کچھ پتہ ہوتا ہے، نہ اندازہ...... کبھی بم کے دھماکے کی طرح غیر متوقع لیکن اذیت سے پُر اور کبھی چاندرات کی طرح قرین از قیاس لیکن پرائز بانڈ جتنی خوشی سمیٹے ہوئے۔

اس نے اپنے دل کو ٹٹولا اور سرشاری اور اطمینان کی چادر اوڑھے ٹرین کی رفتار کے ساتھ رواں دواں دھڑکنوں کو پا کر شانت سا ہو گیا۔

کل اسی وقت اسی طرح سفر کر کے وہ اندرون سندھ کی جانب عازم سفر ہوا تھا، تب اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آنے والی کل میں جب وہ کوٹڑی سے بدین کی جانب روانہ ہونے کے لئے ریل گاڑی میں سوار ہوگا تو اس طرح تن تنہا نہ ہوگا، بلکہ ایک بے حد معصوم اور انجان، ان چھوئی کلی کی طرح نازک وہ لڑکی، وہ پری چہرہ اس کی جیون ساتھی بن چکی ہوگی۔

بے شک خدا نے کسی کے لئے کہاں جوڑ اتارا ہے، یہ آسمانوں پہ ہی لکھا ہے اور زمین والے قبل از وقت اسے جان بھی نہیں سکتے، اس کی شادی کا سلسلہ پچھلے چار سالوں سے مسلسل کھٹائی میں تھا، چار سال پہلے جب وہ اٹھائیسویں سن میں داخل ہوا تو اس کے قریبی یار دوستوں نے اسے شادی کا مشورہ دیا تھا، لیکن یہ مشورہ صرف مشورہ ہی تھا، عملی طور پر کوشش کرنے والے ماں باپ رضائے الٰہی سے فوت ہو چکے تھے اور ایک جان چھڑکنے والی بہن کراچی شہر سے کئی گھنٹوں کی مسافت پر واقع بدین جیسے چھوٹے سے شہر بیاہ کر چلی گئی تھی۔

وہ بے چاری اپنے طور پر تھوڑی بہت کوششیں کرتی بھی تو یا تو لڑکی بدین کی نکلتی اور کراچی شہر کے حالات دیکھتے ہوئے مستقلاً یہاں

مکمل ناول

آنے کو تیار نہ ہوتی، یا پھر وہ خود ہی اتنی سستی دکھاتا کہ مصباح بس لڑکی دیکھ کر ہی رہ جاتی۔
اسے آج سمجھ آرہا تھا کہ یہ دیر اور تاویلیں کیوں اتنے سال درمیان میں اٹکتی رہیں، کیونکہ اسے صرف شادی نہیں کرنی تھی، صرف گھر نہیں بسانا تھا، بلکہ اسے حقیقی معنوں میں کسی کے لئے چھپر چھاؤں بننا تھا، کسی کی امید، کسی کا سہارا اور کسی کا مجازی خدا بننا تھا۔
آخری سوچ نے اس کے لبوں پر مسکان بکھیر دی، جبھی برابر میں اونگھتا وجود ٹرین کے ایک جھٹکے سے ہڑبڑا سا گیا۔
اس نے سوجی آنکھیں کھول کر اپنے دائیں طرف بیٹھے شخص کو دیکھا، جس کے کندھے پر بے خیالی میں اس کا سر ڈھلک گیا تھا، پھر جلدی سے ذرا پرے ہو کر اپنی چادر ٹھیک کرنے لگی، منصور کھڑکی سے باہر دکھائی دیتے مناظر سے نظریں ہٹا کر اب اسے دیکھ رہا تھا، جو اسی کی نگاہوں کے ارتکاز سے گھبرا کر بار بار کبھی پہلو بدلتی، کبھی سر پر رکھی چادر کو دوبارہ جماتی اور کبھی گود میں رکھے ہینڈ بیگ کو خواہ مخواہ چھیڑتی، اس نے گہری سانس بھر کر اپنی نظریں ہٹالیں۔
''اسٹیشن آنے والا ہے، تمہیں بھوک تو لگی ہوگی، کچھ کھانے کو لے آؤں۔'' وہ سر جھکائے اپنے بیگ کو گھورتی رہی۔
''اتنا گھبرانے کی کوئی بات نہیں، جس چیز کی ضرورت ہو، بلا جھجک بولو۔'' اس کا سر مزید جھکا۔
''اوکے...... میں کچھ کھانے کو لاتا ہوں، پتہ ہے مجھے تمہیں بھوک لگی ہے۔'' ٹرین رک گئی، تو وہ نرمی سے کہتا ہوا اٹھ گیا۔

☆☆☆

دیگ کا ڈھکن کھلتے ہی اشتہا انگیز خوشبو نے آنگن اور کمروں میں موجود سب لوگوں کی بھوک کو اور چمکا دیا، پلیٹیں کھنکنے لگیں، پورا گھر شور سے بھرنے لگا، بچوں کی چیخ و پکار، دستر خوان اور پلیٹوں کی پکاریں، چند ایک لڑکیاں بھاگ بھاگ کر دستر خوان لگانے اور دیگ سے بریانی نکال کر سب تک پہنچانے لگیں، بنا کسی کو بلائے، کیسے ہی عورتوں کی قطاریں دستر خوان کے دائیں بائیں بندھ گئیں۔
یہ کسی نو بیاہتا جوڑے کی چوتھی کی رسم نہیں تھی، بلکہ یہ تو ایک معصوم کے سوئم کے چاول تھے، جو اپنی طبعی عمر پوری کر کے قدرت خالق کے مطابق اس فانی دنیا کو الوداع کہہ گیا تھا، اپنے شانوں پر دھری بوجھ کی گٹھڑی کو دوسرے بہت سارے لوگوں میں بانٹ کر۔
''اے سنتی ہے رضیہ! زیبن کو تو کوئی بھی اپنے کول رکھنے کو تیار نہیں۔'' ایک عورت نے دوسری کو ٹہوکا مارا۔
''کو...... کی...... کیوں...... کیں، رکھے گا کون جوان جہان کڑی ہے۔'' دوسری نے بڑی فکر سے چاول نگلے اور اپنا حصہ بتایا۔
''کل کلاں کو کوئی اونچی نیچی گل ہوگئی تے فیر۔'' سامنے والی سر دھنتی ہوئی پلیٹ صاف کرنے لگی۔
''ہاں بھئی کیا کریں فیر، زیبن کو اب کلا تو ادھر نہیں چھوڑ سکدے۔''
دیگ خالی ہو جانے پر دستر خواں سمٹ جانے اور دور و قریب کے تمام عزیز و اقارب اور محلے داروں کے چلے جانے کے بعد اب گھر میں صرف زیب النساء کے تایا، پھوپھی اور ایک عدد خالہ ہی باقی رہ گئی تھیں۔
وہ بھی قریب ہی بیٹھا، مغموم سی شکل بنائے جانے والے کے بارے میں سوچ رہا تھا، بھاء

کریم رشتے میں اس کا بھائی لگتا تھا، کوئی قریبی نہیں لیکن ایسی دور کی رشتے داری بھی نہیں تھی، ہاں بس یہ تھا کہ سالہا سال سے شہر کی رہائش نے اس سے اس کے قریب دور کے سبھی رشتے دار چھڑوا دیئے تھے۔
''زیبن کا سب سے زیادہ حق تجھ پر ہے بھاء جی، آخر کو تو سگا تایا ہے۔'' اس کی سوچوں کو ایک پاٹ دار آواز نے بریک لگا دی۔
''حق کی بات نہ کرو بھین جی، حق تو اس کا ہم سب پر برابر ہے، پر میرے گھر میں جوان منڈے ہیں۔''
''لو اے کی گل اے، منڈے تے فیر میرے گھر وی ہے۔'' پھپھو نے قصہ مکا دیا، باقی بچ جانے والی خالہ گھبرا گئیں۔
''یہ آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔'' وہ اپنے لہجے اور انداز سے اس گاؤں کی باسی نہیں لگتی تھیں۔
''زیبی آپ کے پاس نہیں جائے گی تو کہاں جائے گی، آپ لوگ چنگی طرح جانتے ہیں میرا دو کمروں کا کا بک جتنا مکان ہے اور تین لڑکیاں پہلے ہی بیٹھی ہیں، میں مزید ایک اور لڑکی کو اپنے گھر کیسے رکھ لوں، میرا تو کوئی بیٹا بھی نہیں، جو اپنے باپ کا سہارا بن سکے۔'' ان کا لہجہ بھرا گیا، شاید ''مزید'' ایک اور لڑکی نما بوجھ سہارنا ان کے بس کی واقعی بات نہیں تھی، ورنہ گھبرا تو اس کے تایا اور پھپھو بھی رہے تھے، مگر اتنا نہیں۔
''بھئی میری نوں ہنگامہ کر دے گی، میں تو چلتی ہی اس کے سہارے ہوں، جے میرا خرچہ پانی بند کر دیا تو میں کتھے جاواں گی۔''
''او وڈی آئی اپنی نوں کے ٹکڑوں پر پلنے والی کا بوتھا تو دیکھو، اس بے چاری میں دم کہاں، کل تک تو تو کہہ رہی تھی کہ گت سے پکڑ کر نکال باہر کروں گی۔''
''وہ ہور گل تھی، جب میرا مرد کماتا تھا، اب نہیں، تو کیوں نہیں لے جاتا اپنے ساتھ۔'' پھپھی تنک گئی۔
معاملہ بگڑنے لگا، شور بڑھنے لگا، بات کہیں سے کہیں نکلنے لگی، تو اس نے مداخلت کر دی۔
''آپ لوگ اس طرح آپس میں لڑیں تو مت، دیکھیں زیب النساء کے بارے میں بھی سوچیں، اس کا غم بہت بڑا ہے، اگر آپ اس کا غم بانٹنے کے بجائے آپس میں اس طرح تکرار کریں گے، اسے بوجھ سمجھ کر ایک دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کریں گے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔''
محفل میں اچانک ہی سناٹا چھا گیا، حاضرین محفل نے یوں چونک کر اس کی طرف دیکھا جیسے اب سے پہلے وہ نظر ہی نہیں آیا تھا، اس نے سلیمانی ٹوپی پہن رکھی تھی، جو اب اچانک ہی اتار دی تھی۔
''دیکھو باؤ، یہ ہمارا آپسی معاملہ ہے، آپ نہ بولو۔'' تاؤ نے اپنے ابال کو کم کرتے ہوئے بمشکل اسے آرام سے منع کیا۔
''یہ صرف آپ کا نہیں، زیب النساء کا بھی معاملہ ہے۔'' اس نے دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر نڈھال کھڑی زیب النساء کو دیکھا، جو آنکھوں میں آنسو بھرے پوری جان سے کانپتی اپنی قسمت کے فیصلے کی منتظر تھی، وہ اپنے تایا پھپھو اور خالہ کے بیچ میں ایسی شٹل کاک بن گئی تھی، جسے کوئی بھی اپنے کورٹ میں گرنے نہیں دینا چاہتا تھا۔
اس نے ایک گہری نگاہ اس معصوم بے زبان لڑکی پر ڈالی، پہلے پپڑی زدہ ہونٹ آنسوؤں سے بھیگ گئے تھے، موتیوں کی شفاف لڑیاں چہرہ بھگوتی گریبان میں گر رہی تھیں، بڑی

بڑی آنکھوں میں حزن کے ساتھ خوف بھی صاف نظر آتا تھا۔

اس نے ایک کے بعد دوسری نگاہ اس بے سہارا وجود پر ڈالی اور جیسے سالوں سے ٹلتا ہوا فیصلہ لمحوں میں طے پا گیا، وہ رشتے میں اس کی بھتیجی اور عمر میں اس سے بارہ سال چھوٹی تھی، لیکن سگی تو نہیں تھی ناں۔

''میں آپ سے تنہائی میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں، لیکن خدارا اسے میری پر خلوص درخواست سمجھیے گا، اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں۔''

تایا جی چند لمحے اسے تولتی نگاہوں سے دیکھتے رہے، پھر پچھلے احاطے میں چلے آئے اور جب اس نیم اندھیرے احاطے سے نکل کر صحن میں ان کی واپسی ہوئی تو ان کی باچھیں کانوں تک چری جا رہی تھیں۔

☆☆☆

نکاح کی رسم میں گنے چنے لوگ شامل تھے، تایا، ان کے لڑکے، پھپھی پھوپھا، خالہ ان کی دو بیٹیاں، وہ خود اور دو چار دوسرے رشتے دار، تایا خود ہی اس رشتے کے لئے سب سے پہلے راضی ہوئے اور انہوں نے ہی اعتراض اٹھائے دوسرے لوگوں کا بھی منہ بند کر دیا۔

''جس کسی نوں بھی تکلیف ہے وہ کڑی نوں اپنے ہی ساتھ لے جائے، مینوں کوئی اعتراض نہیں۔'' انہوں نے دبنگ لہجے میں اعلان کیا اور سب اپنی اپنی جگہ دبک گئے۔

اس نے ایک کونے میں جا کے مصباح کو فون کیا، جلدی جلدی صورت حال سمجھائی اور نکاح خواں کو لینے دوڑ پڑا، جانے کیسی عجیب سی پھرتی اور تیزی اس کی رگ و پے میں سرائیت کر گئی تھی کہ نکاح کے بعد اس نے صبح تک رکنے کا بھی تکلف نہیں کیا اور اسی وقت زیب النساء کو لے کر وہاں سے نکل پڑا۔

زیب النساء کو تو پتہ نہیں لیکن جب ٹرین نے بدین ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم کو چھوا تو جیسے ایک سکون سا اس کے روم روم میں اتر کر اسے پوری طرح شانت کر چکا تھا، قریبی مساجد سے اذانوں کی آوازیں آ رہی تھیں، اس نے ایک ہاتھ میں زیبی کا بیگ اور دوسرے ہی اس کا سرد ہاتھ تھام لیا۔

☆☆☆

نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی، یادوں کا ریلا اتنی تیزی سے آیا کہ اس کی بے خبر نیند کو اپنے ساتھ بہا کر دور لے گیا اور آج کی رات یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی، وہ روز یونہی دن بھر زمانے کی خاک چھان کر جب بستر پر گرتا تو تھکن سے اس کا جوڑ جوڑ فریاد کرتا، لیکن کھلے آسمان تلے نرم بستر پر لیٹتے ہی تاروں بھرے آسمان پر نگاہ پڑتی اور اسے گزرا سے یاد دلانے لگتی۔

ہاں وہ ایسی ہی تاروں بھری رات تھی، جب اس نے پہلی بار پورے استحقاق سے زیب النساء کا سرد ہاتھ تھاما تھا اور پھر چونک اٹھا تھا، اس کا ہاتھ بے حد سرد تھا، جبکہ یہ گرمیوں کے دن تھے، بدین کی نمیالی فضا میں حبس بھرا تھا، وہ تیز تیز قدم اٹھاتے چونک کر رکا۔

''تمہارے ہاتھ اتنے سرد کیوں ہیں، کیا تم ابھی بھی مجھ سے خوفزدہ ہو۔''

''نن...... نہیں تو۔''

''دیکھو مجھ پر بھروسہ رکھو، نکاح کیا ہے تم سے، کوئی مذاق کی بات نہیں ہے یہ، یہ الگ بات ہے کہ سب کچھ اتنی جلدی اور اچانک سے ہوا کہ تم سے پوچھنے کا موقع ہی نہیں ملا، بس اس وقت مجھے جو بہتر لگا میں نے وہی کیا، تمہیں بے سہارا دیکھ کر سہارا دینے کے لئے مجھے یہی خیال سوجھا

کہ میں خود ہی تمہارا سہارا بن جاؤں۔'' اس نے قدموں کی رفتار سست کر دی، اب وہ دھیمے لہجے میں اس کا حوصلہ بندھا رہا تھا۔

مصباح کا گھر اسٹیشن سے زیادہ دور نہیں تھا، تھوڑی دیر بعد اس کے گھر کا دروازہ سامنے تھا، اس نے اپنی بات مکمل کر کے دستک دی اور دستک اتنی صاف اور واضح تھی کہ اس کا غنودگی میں جاتا ذہن ہڑبڑا سا گیا، پل بھر میں منظر بدلا، خالی ڈھنڈار ویران گھر میں وہ اکیلا اپنی چارپائی پر پڑا تھا، زیب النساء وہاں کہیں نہیں تھی، وہاں تو بس تنہائی تھی اور خاموشی تھی، اس کے چاروں اطراف وحشت کا گھنا جنگل اُگ آیا۔

''زیبی! زیبی! کہاں ہو تم، کہاں چلی گئیں، کہاں ڈھونڈوں میں تم کو۔'' سینے میں سانس گھٹنے لگا، وہ بے اختیار پلنگ سے اٹھ بیٹھا۔

''کہاں ہو تم زیبی! ایک بار بس ایک بار آواز دے لو، سات سمندر پار سے بھی ڈھونڈ لاؤں گا تمہیں۔'' دونوں مٹھیوں میں سر کے بال جکڑ کر وہ بے بسی سے ہڑبڑا رہا تھا، اس کا لہجہ اور انداز گہرے دکھ کا مظہر تھا۔

اسی وقت دستک دوبارہ ہوئی، کسی نے بہت بری طرح سے دروازہ پیٹا تھا، وہ ایک دم بری طرح سے چونکا، پھر زیبی کا سوچ کر تیز قدموں سے دروازے تک آیا اور بنا پوچھے کواڑ وا کر دیئے۔

☆☆☆

مصباح بہت اچھی عادت کی ملنسار لڑکی تھی، سب سے پہلے تو اس نے دونوں کو غسل کے بعد الائچی والی خوشبودار چائے پیش کی، نہا دھو کر چائے پی کر ایک تازگی سی جسم و جاں میں بہتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

''ناشتہ ابھی کرو گے آپ لوگ یا آرام کرو گے۔''

''میں تو آرام کروں گا، زیب سے پوچھ لو۔'' اس نے جان بوجھ کر معاملہ زیب پر چھوڑ دیا۔

''جی میں...... میں بھی۔'' وہ اسی طرح گھبرائی گھبرائی سی تھی۔

مصباح نے اس کا بستر اپنے کمرے میں لگا دیا، یہ ہدایت اسے اس نے خود ہی دی تھی تاکہ مصباح زیب سے بات چیت کر کے اس کی گھبراہٹ اور پریشانی کو ختم کر سکے اور وہ خود بچوں کے کمرے میں جا کر لیٹ گیا، یوں بھی صبح کی روشنی نمودار ہو چکی تھی اور بچے اسکول جانے کے لئے اٹھنے ہی والے تھے۔

وہ بستر پر لیٹا تو چند ہی لمحوں میں بے خبر ہو گیا، شاید یہ گھر کے ماحول کا سکون تھا اور اپنائیت۔

☆☆☆

''تم یہاں آرام سے سو سکتی ہو، تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا اور میرے علاوہ یہاں کوئی آئے گا بھی نہیں۔'' مصباح نے اس سمٹی، شرمائی اور بوکھلائی لڑکی کو جو اب اس کی بھابھی تھی، اطمینان سے لے کر بستر پر بٹھا دیا۔

''تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو۔'' وہ لیٹنے کے بجائے یوں اکڑی سی بیٹھی ہوئی تھی، مصباح کی بات پر جواب دینے کے بجائے اس کا منہ دیکھنے لگی، مصباح گہری سانس لے کر اس کے برابر میں بیٹھ گئی اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تمہیں اب بالکل بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میرا بھائی بہت اچھا انسان ہے، اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور انہیں پورا کرنے والا، میں تو خیر اس کی بہن ہوں ناں، مگر تم خود دیکھ لینا چند دنوں بعد جب تمہاری یہ جھجک اور شرم

ختم ہوگی تو تم پر اس کی خوبیاں آشکار ہوتی چلی جائیں گی، تمہیں اس کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی، وہ بہت بھلا آدمی ہے، سلجھا ہوا اور شریف، تم بعد میں خدا کا جتنا بھی شکر ادا کروگی کم لگے گا۔'' اس کے لہجے میں اپنے بھائی کی محبت رچی ہوئی تھی، زیب النساء خاموشی سے دیکھتی رہی۔

''اب تم بھی تو کچھ بولو، میں نے تمہاری آواز ہی نہیں سنی، جب سے آئی ہو یونہی چپ چاپ بیٹھی ہو۔'' مصباح نے ہنس کر اسے چھیڑا۔

''آپ...... آپ دونوں ......بہن بھائی ...... بہت اچھے ہیں۔'' بہت مشکل سے سر جھکا کر اٹک اٹک کر اس نے بات مکمل کی اور مصباح اس کے جھکے سر کو دیکھ کر ہی جان گئی کہ وہ رو رہی ہے، اس نے بے اختیار اسے گلے سے لگا لیا، زیب دھیرے دھیرے سسکنے لگی، جتنا اس کا دل بھرا ہوا تھا، لگتا تھا کہ وہ باپ کے جانے کا غم سہار نہیں پائے گی، جب اس نے اپنے سگے خون کے رشتوں کو خود سے جان چھڑاتے اور ایک دوسرے کی طرف دھکیلتے دیکھا تو لگا تھا کہ اس کا دل ابھی پھٹ جائے گا، اس کا وجود یہ پہاڑ جیسا دکھ اٹھا ہی نہیں سکتا، ابھی اس کے وجود کے پرخچے اڑ جائیں گے، کیا وہ اتنی ہی بوجھ تھی سب کے لئے۔

''وہاں کوئی مجھے رکھنے کو تیار نہیں تھا باجی، آپ کے بھائی کو مجبوراً......'' اس کی سسکیاں بلند ہوگئیں، بات مکمل نہیں کی گئی۔

''ارے نہیں پاگل کس نے کہا یہ تم سے کہ اس نے مجبوراً شادی کی ہے تم سے، یہ غلط فہمی کے سوا اور کچھ نہیں، اب تمہارا دل تو میرا بھائی اپنے رویے سے ہی صاف کرے گا، میں تو صرف اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ اب یہ خیال بھول کر بھی اپنے دل میں مت لانا، اگر اسے کوئی مجبوری ہوتی تو وہ تم سے نکاح نہیں کرتا، اس کا ایک رشتہ اس سے پہلے بھی تو ہے تم سے۔'' اس نے آنسوؤں بھرا چہرہ اٹھا کر تعجب سے مصباح کو دیکھا۔

''وہ رشتے میں تمہارا چاچا لگتا ہے، بلکہ لگتا تھا۔'' مصباح کہہ کر زور سے ہنس دی، وہ بھی جھینپ گئی، مصباح نے اس کے ملائم چہرے کو ہاتھوں کے کٹورے میں بھر لیا۔

''اب اپنے آنسو صاف کرلو بالکل ہلکی پھلکی ہوکر سو جاؤ، یوں سمجھو کہ اگر اللہ نے تم سے ایک چھت ایک آسرا واپس لے لیا تھا، تو دوسرا عطا کر دیا ہے، جو یقیناً تمہارے لئے بہترین ہے، یہی وعدہ ہے ناں اللہ کا ہم سے، کہ جب وہ ہم سے ایک اچھی چیز لے گا تو بدلے میں اس سے بہتر عطا کرے گا۔'' ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھتی زیب نے جلدی سے سر ہلایا اور مصباح اس کی اس حرکت پر فدا ہی ہوگئی۔

''اللہ زیبی! میری پیاری سی بھابھی، تم کتنی معصوم ہو۔'' اس نے زیبی کو باہوں میں بھر کر سینے میں بھینچ لیا۔

☆☆☆

دروازہ کھلتے ہی کوئی بڑی بے تابی سے حملہ آور ہوا اور پورا دروازہ دھاڑ سے کھول کر اندر گھس آیا، منصور کے اوسان خطا ہو گئے، کیونکہ اس کے اس طرح اندر آنے سے اس کے دل میں کسی چور اچکے کا خیال آیا تھا، مگر وہاں کوئی چور نہیں بلکہ سر سے پیر تک سفید چادر میں لپٹی کوئی دوشیزہ کھڑی تھی۔

''ارے ارے کون ہو تم اور ایسے اندر کیا گھستی آرہی ہو۔''

''دروازہ بند کر دیجئے، خدا کے لئے دروازہ بند کر دیجئے، میں سب بتا دوں گی، اللہ کے واسطے۔'' اس کی آواز میں ایسی تڑپ تھی، ایسی

بے بسی آمیز التجا تھی کہ منصور نے جلدی سے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔

لڑکی جلدی سے آگے ہوئی اور دروازے سے کان لگا کر کھڑی ہوگئی، بھاگتے قدموں کی آواز نزدیک آئی، اس لڑکی کی آنکھیں اس نیم اندھیرے میں بھی خوف کے مارے پھٹی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھیں، آوازیں نزدیک آ کر دور ہوتی گئیں، وہ دروازے کے برابر والی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوئی اور منصور کو اشارے سے باہر دیکھنے کے لئے کہا، اس نے احتیاط سے دروازہ کھول کر جھانکا، دور اندھیرے میں دو سائے سیدھے بھاگتے جا رہے تھے، اس نے سر اندر کر کے سر تا پیر پسینے میں شرابور اس وحشی ہرنی کو دیکھا، جس کی جان سولی پر ٹنگی تھی، بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا۔

''چلے گئے۔'' اور وہ دیوار کے ساتھ لگی نیچے بیٹھتی چلی گئی، اس کے ہانپتے وجود سے گکر کی سیٹی کی مانند سانسیں نکل رہی تھیں، چند لمحے یونہی ہانپنے کے بعد اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

''اوئے یار خدا کے لئے، کیوں شور کر کے میرا کردار مشکوک کر رہی ہو، اندر چلو۔'' اب جب وہ اندر آ ہی چکی تھی تو اسے اندر بلانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

وہ اس کے آگے جا کر کمرے کی لائٹ جلا آیا، وہ دھیرے دھیرے اس کی تقلید میں کمرے میں داخل ہوئی ہر دہلیز پر ٹھٹک کر اسے دیکھا، وہ اس کی سہمی نظروں کا مفہوم سمجھ گیا۔

''میں...... اکیلا ہی یہاں رہتا ہوں۔'' وہ صرف لفظ ''اکیلا'' سن کر ہی تیزی سے واپس پلٹی۔

''رکو میری بات سنو۔'' وہ اس کا ہراس سمجھ گیا تھا، اب راستے میں آ کے اس کو روکے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔

''اتنی رات کو اگر ان انسان نما حیوانوں سے بچ گئی ہو، تو کیا خود کو دوبارہ ان کے منہ میں دینے کا ارادہ ہے، کہیں گئے نہیں ہوں گے وہ، یہیں کہیں سونگھتے پھر رہے ہوں تمہاری بو، کیونکہ ان ہی گلیوں میں غائب ہوئی ہو تم۔'' اس نے پتھر کے بت کی مانند ساکت ہو کر اس کی بات سنی، پھر ایک وحشت زدہ نظر چاروں طرف ڈالی۔

''مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، وہ باورچی خانہ ہے، یہ کمرے میں باتھ روم ہے، میں سونے کے لئے چھت پر جا رہا ہوں، اندر سے دروازے کی کنڈی لگا لو، بھوک لگے تو کچھ کھا لینا اور صبح جب روشنی پھیل جائے تو کنڈی کھول کر باہر آ جانا۔'' بات مکمل کر کے وہ اندر کمرے میں آیا، لڑکی جلدی سے دہلیز سے باہر جا کھڑی ہوئی۔

''اوڑھنے کی چادر لے کر جا رہا ہوں، اوس گرتی ہے تو ٹھنڈ لگتی ہے اس لئے۔'' اس نے اطمینان سے وضاحت دی، پھر چادر نکال کر اس کے برابر سے نکل کر سیڑھیاں چڑھ گیا۔

☆☆☆

نیند تو خیر اب کیا آنی تھی، کہ ایک زندہ جیتا جاگتا نسوانی وجود اس کے گھر میں موجود تھا اور یہ بات اس کے کردار اور اس کی عزت کے لئے بہت خطرناک بھی ثابت ہو سکتی تھی، جو اگر کسی کو خبر ہو جاتی، کہ ایک جوان جہان لڑکی کے ساتھ وہ اس گھر میں اکیلا ہے۔

رات بھر الجھی بکھری سوچوں اور بچھڑی ہوئی محبت زیبی کو یاد کرتے گزر گئی، صبح دم فجر کے وقت کہیں جا کر اس کی آنکھ لگی۔

نیند میں جاتے وقت غنودگی کے عالم میں بھی اس کے دل میں بچھڑی محبت کی یاد سسک رہی تھی اور لبوں پر دعا جاگ رہی تھی کہ جس طرح میں اس انجانی لڑکی کی حفاظت کر رہا ہوں، اسی طرح میری زیبی کو بھی بحفاظت خیر خیریت کے ساتھ مجھ تک پہنچا دے۔

''آمین ثم آمین۔'' آدھے سوئے آدھے اس کے لبوں سے چند لفظ نکل کر خنک فضا میں بکھر گئے تھے۔

☆☆☆

دھوپ کی تپش آنکھوں تک پہنچی تو اس نے کسمسا کر کروٹ لی، پھر ایک دم چونک کر اٹھ بیٹھا، دن کافی نکل آیا تھا، اس کی چارپائی اس رخ پر تھی کہ وہاں ایک دیوار کا سایہ رہتا تھا، جبھی دھوپ اس کے سر تک پہنچنے میں دیر لگی۔

اس نے چادر پھینکی اور دو دو سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آیا تو وہ انجان لڑکی سامنے ہی بیٹھی تھی، سرخ چہرہ اور جلن زدہ آنکھیں لئے صاف پتہ چل رہا تھا کہ رات بھر اس نے سونے کی بجائے رونے کا کام کیا ہے۔

وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا بنا کچھ کہے منہ ہاتھ دھو کر کچن میں چلا گیا اور کچن کی کھڑکی سے اسے دیکھا، وہ کسی بت کی مانند ایستادہ تھی، وہ پلٹ کر اپنے کام میں لگ گیا، جب سینکے ہوئے سلائس اور چائے کی ٹرے لے کر باہر نکلا تب بھی وہ یونہی ساکت تھی۔

''لو ناشتہ کر لو۔'' وہ جیسے کسی خواب سے جاگی پھر بدک کر پیچھے ہوئی۔

''کیا ہوا، مجھے تو یہی ناشتہ بنانا آتا ہے۔''

''مجھے ناشتہ نہیں کرنا، خدا کے لئے مجھے میرے گھر چھوڑ آئیں۔'' وہ بری طرح سسک اٹھی۔

''گھر تک جانے کے لئے بھی تو کچھ توانائی چاہیے۔'' اس نے دانستہ گھر کہاں ہے؟ تم کون ہو؟ رات میں کیا ہوا؟ جیسے سوالوں کو نظر انداز کر دیا تھا، وہ جانتا تھا، ذرا دیر بعد جب وہ اس کے اوپر ذرا برابر بھی بھروسہ کرے گی تو خود ہی سب کچھ بتا دے گی۔

''لو کھا لو شاباش! دیکھو اب تمہیں یقین آ جانا چاہیے کہ، میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے والا نہیں۔'' اب کے بار اس نے سنجیدگی سے کہہ کر مکھن لگے ہوئے توس اس کے سامنے رکھے او ساتھ میں بھاپ اڑاتا چائے کا مگ بھی۔

''پی لو، میں بہت اچھی چائے بناتا ہوں، تھوڑا کھاؤ گی پیو گی تو جان آ جائے گی، میں جانتا ہوں تم نے کئی گھنٹوں سے کچھ نہیں کھاتا۔'' اس نے اندھیرے میں بالکل نشانے پر تیر دے مارا، وہ پھر سے رونے کی تیاری پکڑ ہی رہی تھی کہ اس نے پھر روک دیا۔

''بہن یہ رونے کا سین اب ختم بھی کر دو جلدی ناشتہ کر لو، اس سے پہلے کہ میری آواز سن کر کوئی آ جائے آس پڑوس سے۔'' اس نے سوں سوں کرتے سلائس اٹھایا اور کترنے لگی۔

''چائے بھی پی لو اور یقین کرو با خدا اس میں کوئی نشہ آور ملاوٹ نہیں ہے۔'' وہ دھیرے دھیرے لقمے حلق سے اتارنے لگی، وہ کن انکھیوں سے دیکھتا رہا، ناشتہ خاموشی سے اختتام تک پہنچا۔

''اور پیو گی چائے۔'' اب کی بار اس کا لہجہ اپنائیت لئے ہوا تھا، جواب حسب توقع نفی میں تھا۔

''او کے، میں تو پیوں گا، مگر پلیز تم رونا مت، تم سے نہیں بنواؤں گا۔'' وہ خراماں خراماں برتن اٹھا کر چلا اور آواز لگاتا گیا۔

''جا کے وہ سامنے بیسن سے ہاتھ منہ دھو لو،

اٹھو شاباش، یہاں بیٹھے بیٹھے زندگی نہیں گزرے گی۔''

''پتہ نہیں اب میری زندگی گزرے گی بھی یا ایک ہی جگہ ٹھہر جائے گی۔'' مرے مرے انداز میں اٹھ کر اس نے بیسن تک جاتے ہوئے سوچا، دل ایک بار پھر دھاڑیں مارنے کو کر رہا تھا۔

☆☆☆

مصباح اور زیبی میں چند گھنٹوں میں دوستی پروان چڑھ گئی، وہ سو کر اٹھا تو باہر سے بچوں کی ہنسی اور باتوں کی آواز آ رہی تھی، یقیناً زیبی بھی جاگ چکی تھی، بچے اسے باہر نکلتا دیکھ کر شور مچاتے ہوئے آئے اور ٹانگوں سے لپٹ گئے۔

باہر کچے صحن میں دھوپ پھیل گئی تھی، کمرے اور برآمدہ ٹھنڈا تھا اور پورے ماحول میں دودھ پتی کی خوشبو پھیل رہی تھی، اس نے بچوں کو پیار کیا اور گہری سانس بھر کر آواز لگائی۔

''بہت بھوک لگی ہے مصباح فٹافٹ ناشتہ لے آؤ۔''

''لا رہی ہوں بھئی، تمہارے انتظار میں زیب نے بھی ناشتہ نہیں کیا ہے، حالانکہ کب سے اٹھی ہوئی ہے، میں نے کتنی بار کہا لیکن......'' اس نے مسکراتے ہوئے آملیٹ آمیزہ فرائی پین میں ڈالا اور گرم پھلکا اتار کر قریب رکھا اصلی گھی اس پر مل دیا۔

''واہ واہ واہ مزہ آ گیا۔'' اصلی گھی اور چائے کی خوشبو نے بھوک چمکا دی تھی، اس نے زیب کے برابر میں ہی پیڑھی کھینچ لی، حیرت انگیز طور پر زیب آرام سے بیٹھی رہی۔

''لاؤ بھئی مجھے تو چائے نکال کر دو۔''

''صبر کرو آملیٹ کے ساتھ کھاؤ ناں یہ لو۔'' مصباح نے آملیٹ ایک ہی پلیٹ میں نکال کر دونوں کے آگے رکھ دیا، ایک ہی پلیٹ میں روٹی تھی، زینب دھیرے دھیرے نوالے توڑنے لگی مصباح نے یقیناً ان دونوں کے درمیان موجود تکلف کی دیوار ڈھانے کے لئے ہی اس طرح کیا تھا۔

مصباح چائے سامنے رکھ کر کسی کام سے اٹھ کر باہر نکل گئی، اس کے جاتے ہی منصور نے ایک لقمہ بنا کر زیب کی طرف بڑھا دیا، زیب بری طرح جھینپ گئی، پھر لقمہ منہ میں ڈال لیا، منصور نے تین چار بار یہی کیا، ایک نوالہ خود کھایا، ایک اس کی طرف بڑھا دیا، زیب شرمائی ہوئی کھاتی رہی، پھر زیب نے اس کا بڑھایا ہوا لقمہ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی طرف بڑھایا، یہ یقیناً اجنبیت سے مانوسیت کی طرف بڑھتا ہوا پہلا قدم تھا، منصور تو اس حرکت پر نہال ہو ہی گیا، مگر جیسے ہی اس نے منہ کھولا زیب نے آہستگی سے نوالہ اپنے منہ میں رکھ لیا۔

منصور ہونق ہو گیا اور زیب اس کی طرف دیکھ کر دبی دبی آواز میں ہنس دی۔

وقت کے لمحات میں بہتی زندگی نے ایک نظر رک کر انہیں دیکھا اور آہستگی سے آگے بڑھ گئی، یہ یقیناً ایک محبت بھری زندگی کی طرف بڑھتا پہلا قدم تھا اور زیب کی ہنسی نے بتایا تھا، کہ اس کا مسکراتا چہرہ زندگی کو گلزار بنانے کی طرف بڑھتا پہلا قدم تھا۔

☆☆☆

''نام کیا ہے تمہارا۔'' منہ ہاتھ دھو کر اس کی شکل کافی معقول نکل آئی تھی، ذہنی حالت بھی سنبھل چکی تھی، جبھی اس نے جواب میں بھل بھل آنسو بہانے کے بجائے شرافت سے جواب دیا۔

''کرن۔''

''ہوں تو کرن بی بی، اب مجھے الف سے

بے تک ساری کہانی سناؤ، میں کوئی سوال نہیں کروں گا، کون ہو، کہاں سے آئی ہو اور کل رات جو ہو رہا تھا وہ کیوں ہو رہا تھا۔"

"میں اپنی خالہ کے یہاں آئی تھی رہنے اور سمندر دیکھنے، ایک دن خالہ کی بیٹی کے ساتھ بازار گئی اور وہاں میں کھو گئی۔" اس کی ضبط کی انتہا یہیں تک تھی۔

"رونا بند کرو اس طرح بات نہیں ہو سکتی پھر کیا ہوا آگے، اتنی بڑی لڑکی ہو، کھوتے تو چھوٹے بچے ہیں، رکشہ پکڑتیں گھر واپس چلی جاتیں۔"

"مجھے گھر کا راستہ نہیں پتہ تھا، میں پہلی بار کراچی آئی ہوں۔" چائے کا گھونٹ اس کے حلق میں اٹک گیا، کسی نے نوک دار چھری دل کے بہت اندر تک کہیں اتار دی، وہ یک ٹک اس کی شکل دیکھے گیا، وہ خود بھی تو کم و بیش ایسے ہی حالات کا ڈسا ہوا تھا، اس کا بھی تو کوئی اپنا کوئی پیارا، وہ معصوم نادان اور انجان لڑکی، جسے اپنے بازوؤں کا سہارا دے کر دنیا میں جینے کا آسرا دیا تھا، ایک خوشیوں بھری زندگی کے خواب دکھائے تھے، وہ خواب سارے وقت کے ہاتھوں چکنا چور ہو چکے تھے، ان ٹوٹے خوابوں کے سنگریزے دن رات اس کا جگر چھلنی کرتے تھے، وہ بے چینی سے سر پٹختا، بال نوچتا بے حال ہوا جاتا، لیکن کہیں سے کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔

قریب و دور کے سب جاننے والوں عزیز رشتے داروں یہاں تک کہ آفس کولیگز کے پاس اس کی تصویر تھی اور اس نے کس طرح دل پر پتھر رکھ کر یہ کام کیا تھا یہ وہ خود ہی جانتا تھا، صرف پولیس میں رپورٹ لکھوانے سے اس نے سختی سے انکار کر دیا تھا اور سب کو بس ایک ہی تاکید کی تھی۔

"اپنے اپنے طور پر جس سے جس طرح بھی بن پڑے معلومات کرواؤ۔"

نہ کوئی فون نمبر تھا، نہ کوئی نشان پتہ، خدا جانے اسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا، وقت کا بے رحم سیل رواں اپنی تلاطم خیز موجود میں اس معصوم کلی کو کہاں بہا لے گیا تھا اور وہ اس سے دور ہوئی تھی تو یوں کہ اپنے پیچھے اپنا نقش پا بھی ریت پر پڑے نشانوں کی مانند مٹاتی چلی گئی تھی۔

"میں نے کوشش کی تھی ایک رکشے والے کو پتہ سمجھانے کی۔" وہ اس کی حالت سے بے خبر بول رہی تھی، وہ چونک کر اپنے دھیان سے نکلا۔

"لیکن جس جگہ کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں، بھلا اس جگہ کا کیا بتاتی کسی کو، وہیں ایک عورت نے بھانپ لیا کہ میں یہاں نئی ہوں، وہ مجھے گھر بھجوانے کا بہانہ کر کے اپنے ساتھ لے گئی، دو دن اپنے پاس رکھا اور پتہ نہیں کیسے کیسے عجیب عجیب لوگوں سے مجھے اپنا رشتے دار کہہ کر ملواتی رہی، دوسرے روز رات میں میری آنکھ کھلی تو میں نے چھپ کر اس کی باتیں سن لی وہ...... وہ بے شرم عورت مجھے......" اب کی بار اس کی آواز میں یوں تڑپ تھی، وہ آہ و بکا تھی، کہ منصور کو اپنا دل کسی پاتال میں اترتا محسوس ہونے لگا اور کچھ جاننے کی ضرورت نہ تھی، وہ بری طرح بلک رہی تھی، منصور نے تاسف آمیز انداز میں پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا، پانی پی کر اس کے دل کو ذرا کی ذرا سکون ملا۔

"اور یہ آدمی کہاں سے تمہارے پیچھے لگے۔"

"اسی کے گھر سے، میرے پاس کچھ سامان تو تھا نہیں، خالی ہاتھ اسی رات کے اندھیرے میں نکلنے لگی تو ایک منحوس نے مجھے دیکھ لیا، لیکن وہ غلط کام کرتے تھے، اس لئے شور تو مچا نہیں سکتے تھے، جتنی دیر میں ایک دوسرے کو جگا کر میرے پیچھے نکلے اتنی دیر میں میں کافی آگے نکل آئی،

پاگلوں کی طرح بھاگتی رہی، اپنی جان اور عزت بچانے کے لئے، نہ سر پہ چادر نہ پیر میں چپل، اللہ کسی کو یہ وقت نہ دکھائے۔" منصور سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا، تسلی اور تشفی کا کوئی بھی لفظ اس کے دل کے سکون کا سامان نہیں بن سکتا تھا۔

"گھر کہاں ہے تمہارا؟"

"میرا اپنا گھر تو...... جی لاہور میں ہے۔"

"کیا...... لاہور؟...... اتنی دور؟" اس کی آواز کسی چیخ سے مشابہہ تھی، پھر اس کی بے چارگی بھری شکل پر ترس آ گیا، چند لمحے خاموشی رہی، پنکھے کی گھرر گھرر میں دونوں اپنی سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے، پھر اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"تمہاری خالہ کس جگہ رہتی ہیں، آئی مین ان کا علاقہ وغیرہ۔"

"مجھے تو کچھ بھی نہیں پتہ، بس یہ معلوم ہے کہ ان کا گھر نورس چورنگی کے پاس ہے۔"

"نورس چورنگی۔" اس نے خود یہ نام پہلی بار سنا تھا، مگر کسی سے پوچھ تاچھ کر کے وہاں پہنچنا مشکل نہیں تھا۔

"اگر نورس چورنگی تک لے جاؤ تو خالہ کے گھر جا سکتی ہو؟ راستہ آتا ہے۔" جواب خاصا حوصلہ شکن تھا، منصور گہری سانس لے کر خاموش ٹھنڈا ہو گیا۔

"اور لاہور میں اپنے گھر کا راستہ۔"

"لاہور کے سارے راستے آتے ہیں جی، میں وہیں تو پیدا ہوئی ساری زندگی وہیں رہی ہوں۔" وہ جلدی سے تڑپ کر بولی، منصور ایک بار پھر سوچ میں پڑ گیا۔

"اگر میں تمہیں ٹرین کے ذریعے لاہور تک لے جاؤں تو تم اسٹیشن سے......" منصور کی بات ادھوری رہ گئی، وہ حق دق رہ گیا، وہ لڑکی...... وہ انجان لڑکی پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی اس کے قدموں میں بیٹھ چکی تھی۔

"ارے یہ...... یہ کیا کر رہی ہو، اٹھو بھئی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی منصور کو اسے قدموں سے تھام کر اٹھانا پڑا۔

"میں...... میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی، خدا آپ کو سکھی رکھے آپ مجھے میرے ماں باپ کے پاس بھیج دیں اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔"

منصور نے اس بلکتی ہوئی لڑکی کو ترحم اور گداز سے دیکھا، اس کا اپنا دل بے طرح بھر بھر آ رہا تھا، اس کے چہرے میں اسے کسی اور کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا، روتا بلکتا، دہائیاں دیتا۔

"یہ میرا تم پر کوئی احسان نہیں ہوگا بہن! یہ تو ایک نیکی ہوگی، جس کے بدلے میں شاید میرا اللہ مجھ کو میرے بچھڑے ہوئے سے ملا دے۔" اس کا گلا رندھ گیا۔

"بس اتنا یاد رکھنا کہ جب تک تم اپنے بھائی کے ساتھ ہو، کوئی تمہاری طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔" اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اس کے سر پر رکھ دیا، کرن کے جلتے بلتے دل پر کسی نے نرم پھوار برسائی تھی۔

☆☆☆

مصباح کے گھر سے ہی اس نے فون پر آفس کی طرف سے ہفتے بھر کی چھٹی لی اور مصباح کے یہاں ہی ایک ہفتے کا قیام کیا، وہ دن اس کی زندگی کے خوبصورت ترین دن تھے، بے فکری، محبت کی سرشاری اور مصباح کی بھرپور میزبانی اور اخلاص بھرا رویہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے نزدیک لانے میں معاون ثابت ہوا، اس کے قرب میں شب و روز گزار کر منصور کو احساس ہوا کہ وہ اللہ کی طرف سے اس کے لئے

ایک بہترین تحفہ تھی، شرم وحیا والی، شریف النفس، تصنع اور بناوٹ سے کوسوں دور، وہ بس اس کی سنگت چاہنے لگا، دن رات، صبح دوپہر شام اس کا جی چاہتا، وہ اس کی من موہنی صورت کو اپنی نگاہوں میں بسا کر زندگی کا سفر تمام کر دے۔

اب شاہراہ حیات پر کوئی نشیب وفراز نہ آئیں اور وہ اپنے جیون ساتھ کا ہاتھ پکڑ کر دور تک چلتا چلا جائے، جہاں تک کہ یہ سفر یونہی اپنے اختتام کو پہنچ جائے۔

وہ کتنے نرم اور میٹھے انداز میں بولتی ہے، وہ کتنی دھیمے سے ہنستی ہے اور وہ کتنی جلدی ڈر جاتی ہے، منصور کا کام تھا بس اسے کھوجنا، اسے پڑھنا اور اس کی ذات میں پنہاں رموز کھولنا، اس نے خود کو اس کی ذات تک محدود کر لیا تھا، خود میں سمو لیا، جذب کر لیا تھا، اس کی پسندیدگی محبت میں ڈھل کر سب دوریاں پاٹ چکی تھی، اجنبیت اور تکلف کی تمام دیواریں گرا چکی تھی، وہ سرتاپا اس کی تھی، اس کی ہو چکی تھی، تن سے من سے دل سے، زبان سے، دماغ سے اور اپنے ہر عمل سے چپکے چپکے اسے جتاتی رہتی تھی کہ جتنا پیار وہ اس سے کرتا ہے، وہ خود بھی اس دوڑ میں اس سے پیچھے نہیں ہے۔

یہاں تک کہ ایک ہفتہ اپنے اختتام کو پہنچا اور ان لوگوں نے کراچی کے لئے رخت سفر باندھا، روانہ ہونے سے ایک دن پہلے مصباح، زیب کے لئے ڈھیروں ملبوسات، جیولری اور سینڈلز کی شاپنگ کر کے آئی، مصباح کی بیٹی نے اپنا جیب خرچ جمع کر کے اپنی اکلوتی اور پیاری مامی کو ایک خوب صورت میک اپ کٹ اور ہینڈ بیگ تحفے میں دیا۔

اب کی بار جب وہ کراچی کی جانب عازم سفر ہوتے تو زیب النساء کسی پٹی نہیں بلکہ ایک نئی نکور کڑھائی والی آف وائیٹ چادر میں لپٹی ہوئی تھی، شوخ رنگ لباس، ہلکا میک اپ اور جیولری کے ساتھ کوئی بھی دیکھنے والا اسے ایک نگاہ میں ''نو بیاہتا'' کی حیثیت سے پہچان سکتا تھا۔

''بس یہ مہینہ گزر جائے پھر میں تمہارے بہنوئی کے ساتھ کراچی آؤں گی تو ولیمے کی رسم ادا کریں گے اور ہاں تم زیب کو اس کے تایا اور پھوپھی سے ملوانے بھی لے جانا، کیا سوچتے ہوں گے وہ کہ جب سے نکاح کر کے لے کر گئے واپسی کا نام ہی نہیں لیا اور اگر ملوانے نہ بھی لے جا سکو تو ان کو ولیمے پر تو ضرور بلا لینا، ان کو بھی اطمینان ہو جائے گا کہ انہوں نے زیب کا ہاتھ میرے بھائی کے ہاتھ میں دے کر کوئی غلطی نہیں کی۔'' مصباح نے بات مکمل کرتے ہوئے شوخی سے زیب کے گال پر چٹکی کاٹی، وہ جھینپی جھینپی شرمائی اور گھبرائی سی منصور کے ساتھ ساتھ تھی۔

☆☆☆

''خالہ یہ میری ایک دوست کی بہن ہے، لاہور میں رہتی ہے۔''

ناشتے اور بات چیت کے فوراً بعد وہ اسے لے کر محلے میں رہنے والی ایک بزرگ خاتون کے پاس لے آیا، جو بھی تھا وہ بہرا حال اسے اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا تھا، کیونکہ یہ کسی بھی لحاظ سے ٹھیک نہیں تھا، نہ شرعی نہ معاشرتی۔

خالہ نے پتہ نہیں اس کی بات پر یقین کیا تھا یا نہیں، بہرا حال ان کے چہرے سے کچھ اندازہ نہیں ہو سکا، انہوں نے محبت بھرے انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور تسلی دی کہ جتنے دن وہ یہاں رہے گی، اسے اس گھر کو اپنا گھر سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔

''بھائی! آپ تو مجھے لاہور لے جانے کا

کہہ رہے تھے، وہ کب......'' اسے بات ختم کر کے دروازے کی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ بے قراری سے آگے آئی۔

''لے جاؤں گا، فکر مت کرو، نوکری پیشہ آدمی ہوں، آفس میں بتانا پڑے گا چھٹی بھی لینی پڑے گی ناں۔'' اس نے تسلی بخش انداز میں اسے دیکھا، لیکن وہ ابھی بھی امید وبیم کی کیفیت میں تھی۔

''تم پریشان مت ہو، بہن کہا ہے، تو بھائی بن کر دکھاؤں گا تمہیں اور اچھا......رکو۔'' اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اپنا سیل فون نکالا۔

''یہ رکھ لو، کوئی پریشانی ہو فوراً فون کرنا اس میں میرا نمبر ہے، پڑھی لکھی تو ہو ناں۔'' اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے موبائل تھام کر جلدی سے سر ہلایا۔

''تو بس ٹھیک ہے، میں ابھی جا کر اس میں بیلنس ڈلواتا ہوں۔'' اس نے بجھے بجھے انداز میں زیب کے لئے خریدا گیا نیا نکور موبائل اس لڑکی کے ہاتھ میں تھما دیا، جو بھری بھری آنکھوں سے موبائل کو دیکھ رہی تھی اور جس نے اپنا نام کرن بتایا تھا۔

''اور بات بات پر رونے مت بیٹھ جانا، خالہ کو شک ہو جائے گا۔''

''جی جی۔'' اس نے سر ہلا کر تابعداری سے اپنی نم آنکھیں صاف کیں۔

''گڈ گرل۔'' اس نے چلتے چلتے پھر سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''میں کل آؤں گا، پرسوں تک چھٹی مل گئی تو انشاء اللہ پرسوں تک لاہور کے لئے نکل جائیں گے۔''

☆☆☆

ٹرین پوری رفتار سے کراچی کی جانب رواں دواں تھی، دن چڑھتے ہی فضا میں تپش کا عنصر در آیا تھا، کئی گھنٹوں کے مسلسل سفر نے اس کے ساتھ ساتھ زیب کو بھی تھکا ڈالا تھا، پھر بھی وہ خوش تھا، راستے سے ہی منصور نے اس کو مختلف اسٹیشنز سے مختلف چیزیں خرید کر کھلائی تھیں۔

وہ پہلی بار گاؤں سے نکل کر ٹرین کا سفر کر رہی تھی، یا دوسری بار کیونکہ پہلی بار وہ ریل گاڑی کے ذریعے اپنے آبائی گاؤں سے بدین تک گئی تھی، ٹرین حیدر آباد اسٹیشن کو چھوڑ کر کوٹری جنکشن کی طرف جا رہی تھی۔

''بھوک لگی ہے کچھ کھاؤ گی۔'' اگلے پندرہ منٹ میں گاڑی کوٹری جنکشن کو چھوڑنے والی تھی، اس نے پہلے سے زیب سے پوچھ لینا مناسب خیال کیا۔

''نہیں بھئی، اتنا کچھ تو کھا لیا ہے، اب پیٹ میں بالکل جگہ نہیں ہے۔''

''اچھا اب جو اسٹیشن آئے گا، اس پر گاڑی کافی دیر رکتی ہے، میں اسٹیشن پر جا کر جسم پر تھوڑا پانی ڈال لوں گا، بہت گرمی ہے یار برا حال کر رکھا ہے۔''

کوٹری جنکشن کے وسیع پلیٹ فارم پر قطار در قطار بنے ویٹنگ رومز میں کم سے کم اتنی سہولت تو حاصل ہی تھی، لیکن حسب توقع زیبی گھبرا گئی۔

''نہیں نہیں اگر ٹرین چل دی اور آپ نہ آئے تو۔'' وہ اس کی سہمی شکل دیکھ کر ہنس دیا۔

''ایسا نہیں ہو گا، میں یوں جاؤں گا اور یوں آؤں گا، زیادہ ٹائم نہیں لگے گا ورنہ میں تو تم سے بھی کہتا کہ کم از کم منہ ہاتھ ہی دھو لینا۔''

گرمی نے خزاں کی چادر اوڑھنے سے پہلے ایک بار پھر شدت پکڑ لی، راتیں تو ٹھنڈی ہوتی تھیں، لیکن دن میں گرمی کی شدت نے سب کو

بے حال کر رکھا تھا، زیب کا اپنا بھی کا جل پھیل گیا تھا، لپ اسٹک اڑ گئی تھی، اس کے تھکے ہوئے چہرے پر پسینہ اور تیل چمک رہا تھا۔

''تو میں آپ کے ساتھ اتر جاؤں گی اور آپ کے ساتھ ہی واپس چڑھ جاؤں گی۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''اور سامان کی حفاظت کون کرے گا؟'' وہ گہری سانس لے کر بیٹھ گئی۔

کوٹری اسٹیشن پر رکتے ہی میں نے اترنے کے لئے پر تولے، زیب کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''جلدی آجایئے گا۔''

''ہاں بھئی ہاں، مجھے پتہ ہے، آرہا ہوں، اف۔اللہ پورے جسم میں چیونٹیاں سی کاٹنے لگی ہیں۔'' ذرا سی دیر میں پسینے بہہ جاتے تھے۔

اس نے پلیٹ فارم پر چھلانگ لگائی اور سامنے دکھائی دیتے ایک ویٹنگ روم کے کھلے دروازے سے سیدھا واش روم میں گھس گیا۔

ٹھنڈے پانی کی تیز پھوار نے تن من بھگو دیا تو جسم و جاں میں نئے سرے سے تازگی سی بھرنے لگی، دل و دماغ معطر ہو گئے، وہ دیر تک آنکھیں بند کر کے زیب کے تصور میں کھویا رہا، گرمی، الجھن اور چبھن اپنا وجود کھو رہی تھی اور تصور کے پردے پر زیب کے نوخیز حسن کی تجلیاں بکھر رہی تھیں، جانے کتنی دیر گزری تھی، جب ٹرین کے تیز ہارن نے اس کو حال میں واپس لا پٹخا۔

ریل کی سیٹی کی آواز...... تو تب ہی گونجتی ہے جب ریل چلنے والی ہو، اس نے بدحواس ہو کر جلدی سے نل بند کیا، شلوار قمیض کھینی، اتنے میں ریل گاڑی کے سرکنے کی ہلکی سی آواز کانوں میں پڑی، پہیے گھومے، انجن غرایا اور...... اس کے ہاتھوں میں ٹھیک ٹھاک لرزش اتر آئی۔

زیب ٹرین میں اکیلی رہ گئی تھی اور اس کے بدترین خدشات، سچ ہونے ہی والے تھے، جلدی جلدی میں اس نے تن پر کپڑے چڑھائے تو الٹی قمیض کو سیدھا کرنے کے چکر میں جیب سے موبائل اور والٹ نکل کر دور جا گرے، سارے ضروری کاغذات اور شناختی کارڈ پانی میں بکھر گئے۔

''اوہ خدایا۔'' بدحواس ہو کر اس نے موبائل جھپٹا، والٹ اٹھایا، کچھ کاغذ مٹھی میں دبوچے اور چند ایک کو وہیں چھوڑ دیا، پھر بھی جب وہ بے قراری سے دوڑتا ہوا ویٹنگ روم سے نکلا، تو ٹرین اتنی سپیڈ پکڑ چکی تھی کہ بھاگ کر اس میں سوار ہونا ناممکن ہو گیا تھا، گاڑی کا آخری ڈبہ لمحوں میں پلیٹ فارم چھوڑ کر آگے نکلتا چلا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے لگا کہ اس کی روح بھی جسم کا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔

دماغ ماؤف ہونے لگا، ہاتھ پیر کپکپانے لگے اس کا جی چاہا اپنے آپ کو جوتے لگا دے یا وہیں بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر روئے۔

یہ اس نے کیا غلطی کر دی تھی، گاؤں کی حدود سے پہلی بار باہر نکلنے والی ایک نیم خواندہ، بیوقوفی کی حد تک معصوم لڑکی کو ٹرین میں اکیلا چھوڑ دیا تھا اور ٹرین جا بھی کہاں رہی تھی کراچی، پاکستان کے سب سے بڑے شہر۔

☆☆☆

سر پر ستاروں کی تھال جھلملا رہا تھا اور نیچے انسانوں سے لدی دنیا میں وہ تھی، بالکل اکیلی، کم از کم اسے تو یہی لگتا تھا، وہ چند دن جو اس نے ایک محبت کرنے والے ہمراہی کی سنگت میں بسر کیے کسی خواب کی مانند ہو گئے تھے، ایسا خواب جو آنکھیں کھلتے ہی حقیقت کی دنیا سے دور چلا جاتا

ہے، کھو جاتا ہے، خیالات کے ہجوم میں گم ہو جاتا ہے ایک جاگتی آنکھوں دیکھا سپنا اور ایک سپنے کی طرح ناقابل یقین حقیقت۔

زندگی ایک نیا موڑ لے کر کہاں سے سفر میں چلی تھی اور کہاں لے جا کر اسے چھوڑا تھا، اسے اپنا وجود ہوا میں معلق محسوس ہوتا تھا، جہاں وہ سہارے لئے ہاتھ پیر مارتی تو حبس زدہ فضا میں لڑکھڑا جاتی، پھر سہم کر خوفزدہ ہو کر دنیا میں فی الحال میسر اس واحد سہارے کو جکڑ لیتی اور وہ واحد سہارا کون تھا اور اسے کب اور کہاں مل گیا تھا، وہ واحد سہارا تھیں، عقیلہ خاتون۔

گزرے واقعات کسی فلم کی مانند اس کی نیند، خوشی سے خالی اور آنسوؤں سے بھری آنکھوں میں چلنے لگے۔

☆☆☆

وہ بے حد محبت اور لگاوٹ سے اس کا ہچکیوں سے ہلتا وجود بانہوں کے گھیرے میں سمیٹے ہوئے تھیں، جیسے جیسے ٹرین نے رفتار پکڑی تھی، اس کا دل بے قابو ہو کر سینے کی دیواریں پھاڑ کر باہر نکلنے لگا تھا، چہرے پر خوف و ہراس نے پھیل کر اس کی شکل بگاڑ دی تھی، جبھی بوگی کی اگلی سیٹوں سے ایک عورت اس کا چہرہ بھانپ کر اس کے پاس آئی تھی۔

''کیا ہوا بیٹی۔'' انہوں نے اتنا ہی پوچھا تھا کہ سہمی سہمی سسکیاں اس کے لبوں سے آزاد ہونے لگیں، یہی عقیلہ خاتون تھیں۔

''ارے تم بالکل فکر مت کرو، تمہارا شوہر تو کراچی کا رہنے والا ہے ناں، میں خود ڈھونڈ لوں گی اس کو تم کیوں فکر کرتی ہو، کچھ نہیں ہوگا۔''

ان کی تشفیاں بالکل بے کار ہی لگ رہی تھیں، میلے میں کھوئے ہوئے بچے کی طرح وہ وحشت اور ہراس بھری نگاہوں سے بھیڑ میں اس اپنے کو تلاش کر رہی تھی، جس کی انگلی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔

''دیکھو میں خود تو لاہور میں رہتی ہوں لیکن جب تک تمہیں تمہارے خاوند کے حوالے نہیں کروں گی تب تک تمہیں یونہی اکیلا نہیں چھوڑوں گی، ارے میری بیٹی، مجھ پر بھروسہ تو کرو۔'' وہ اسے پچکارتی رہیں، بہلاتی رہیں، یہاں تک کہ اس کے اڑے اڑے دل کو ذرا کی ذرا قرار آ گیا۔

☆☆☆

گھپ اندھیری رات میں ایک روشنی کی کرن چمکی اور وہ، اٹھ کر اسٹیشن ماسٹر کے کمرے کی طرف دوڑ پڑا۔

''دیکھیں ٹرین اپنے اسٹارٹ سے ہی آلریڈی تین گھنٹے لیٹ تھی، اس لئے دھابیجی، جھمپیر اور جنگ شاہی جیسے چھوٹے اسٹیشن پر نہیں رکے گی، اب ٹھیک دو گھنٹے بعد کراچی سٹی اسٹیشن پر ہی ٹرین رکے گی۔''

''کراچی سٹی۔'' اس کی نگاہوں کے سامنے ایک جم غفیر ناچ اٹھا، بھانت بھانت آوازیں، ہزاروں کا ہجوم ریڑھی، بل، بوتل، انڈے، چائے اور جریدے فروخت کرنے والے کھڑکی کھڑکی ہاتھ ڈال، چیزوں کا لین دین، خرید و فروخت، سرخ رنگ کے لباس میں ادھر سے ادھر دوڑتے قلی، اسٹیشن کا عملہ، بوگیوں میں چڑھتے اترتے، اپنے عزیزوں کو رخصت کرتے اور خوش آمدید کہتے خاکروب، ٹی ٹی اور سب سے بڑھ کر وسیع پلیٹ فارم پر بھاگتے دوڑتے، چہل قدمی کرتے، مسکراتے روتے اور انتظار کرتے لوگوں کا ایک ہجوم...... اس کا سر چکرانے لگا۔

بدین اور حیدر آباد شہر کے درمیان بسنے والے ایک چھوٹے سے پسماندہ گاؤں سے آئی،

نیم خواندہ عورت بھلا اس رش کا، اس ہجوم کا، اس جم غفیر کا سامنا کر سکتی تھی۔

لمحے بھر کے لئے تو اسے لگا جیسے ایک پرتپش جلتا ہوا دن، ہجر کی گھڑی کو پتھر کی لکیر کی طرح اس کی قسمت پر کھرونچنے ہی والا ہے، لیکن......

لیکن...... وہ اتنی آسانی سے کھو نہیں سکتی، آخر وہ ایک باشعور لڑکی ہے، کوئی حواس باختہ کم سن بچی نہیں، اس نے خود کو خود ہی حوصلہ دینے کی کوشش کی۔

''اس سے ایک امر تو واضح ہے کہ آپ کی بیگم راستے میں کسی اسٹیشن پر نہیں اتر سکیں ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اگر انہیں سٹی پر کسی نے اترنے سے روک دیا، تو......'' آگے اس سے بات سنی نہیں گئی۔

''میں سٹی اسٹیشن ماسٹر کو فون کر کے کہہ دیتا ہوں، وہ عملے کے ذریعے تلاشی لے لیں گے، اگر آپ کی بیگم ٹرین میں ہوئیں تو چانس ہے کہ مل جائیں، لیکن سو فیصدی نہیں، کیونکہ رش اتنا ہوتا ہے اور اس میں سے کسی ایک لڑکی کو ڈھونڈنا جس کے پاس شناختی کارڈ تک نہیں اور کسی نے اسے کبھی دیکھا بھی نہیں ہے تو......'' وہ اور نہ جانے کتنی ان گنت مجبوریاں گنوا رہے تھے، شاید وہ ٹھیک کہہ رہے ہوں، لیکن اس کے ذہن پر تو ایک ہی بات سوار تھی۔

''آپ فون کریں، میری بات کروائیں۔''

☆☆☆

''اسٹیشن ماسٹر تو چھٹی پر ہے اماں جی۔'' وہ بنا کچھ کہے سوچی ہوئی آنکھوں سے اس چھوٹے سے لڑکے کو دیکھنے لگی، جو عقیلہ بیگم کا دیا ہوا نوٹ مٹھی میں دبائے تیزی سے اِدھر اُدھر معلومات کرنے دوڑا بھاگا پھر رہا تھا، اس کی اطلاع نے زیب تو زیب عقیلہ بیگم کو بھی اچھا خاصا مایوس کیا۔

''ہفتے بھر کے بعد آئیں گا۔''

''اچھا۔'' وہ مایوسی سے بول کر سوچ میں پڑ گئیں۔

''تو ایسا کر پتر، میرے نال گھر چل، تے ہفتے بھر کے بعد آ کر پتہ کریں گے۔'' عقیلہ بیگم خود بھی زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھیں، ورنہ اگر خود سے جا کر پوچھ تاچھ کرتیں تو زیب یقیناً وہیں رک کر منصور کا انتظار کر سکتی تھی، لیکن ایسا نہیں ہوا، وہ ڈر کے مارے عقیلہ بیگم کے ساتھ چپکی رہی اور ان کے کہنے پر ان ہی کے ساتھ، ان کے عزیزوں کے یہاں چلی آئی، جہاں ایک چھوٹے سے گھر میں کسی لڑکی کی شادی کی تقریبات اپنے عروج پر تھیں۔

عقیلہ بیگم وہاں آ کر ایسی مصروف ہوئیں کہ چاہنے کے باوجود دوبارہ اسے اسٹیشن نہ لے جا سکیں، ستم بالائے ستم یہ کہ کراچی آنے کے تیسرے ہی دن انہیں لاہور سے ایک فون کال موصول ہوئی۔

عقیلہ بیگم کے والد بالکل اچانک دل کے دورے میں جان بحق ہو کر خالق حقیقی سے جا ملے، ان پر غم کا پہاڑ کیا ٹوٹا، انہیں اپنی سدھ بدھ نہ رہی، ایسے میں ایک غیر انجان اور پرائی لڑکی کو اس کی منزل تک پہنچانے کے سب ارادے خاک ہو گئے، سارے عزم مٹی میں مل گئے۔

گو کہ انہوں نے زیب النساء کو نہ کچھ کہا نہ جتایا، لیکن وہ خود کو خود ہی بوجھ سمجھنے لگی، شادی کی تقریبات اور خوشیوں بھرا گھر یونہی چھوڑ کر عقیلہ بیگم روتی دھوتی لاہور واپس ہوئیں تو کسی نادیدہ سامان کے بوجھ کی طرح زیب النساء بھی ان کی بغل میں دبی تھی۔

واپسی کے سفر میں عقیلہ بیگم کے ساتھ ان کی بیٹی بھی موجود تھی، جسے زیب النساء سے دلی

ہمدردی محسوس ہوتی تھی، اسی نے لاہور کی روانگی پکڑتے ہوئے خود بخود اسے ساتھ لے لیا تھا۔

☆☆☆

رات بہت گہری اور تاریک تھی، ٹرین کسی چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی تھی، اس نے مندی مندی آنکھوں سے باہر جھانکا، لیکن یہاں تو دور دور تک ویرانہ تھا، نیم سوئے نیم جاگے ماحول میں ہلچل سی بیدار ہوئی، اس نے سن گن لینے کی خاطر ادھر ادھر دیکھا، پھر سامنے کی سیٹ پر سوئی ہوئی کرن کو، اس نے اندھیرے اور تنہائی کے باوجود لیٹنے کے بجائے صرف منصور کی موجودگی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے، کھڑکی کی طرف سکڑ کر، پیر موڑ کر اوپر رکھ لئے تھے اور گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر ان میں سر رکھے سو رہی تھی، ٹرین کو جھٹکا لگنے کے ڈر سے اس کی بھی آنکھ کھل گئی۔

''کیا ہوا؟ ٹرین رک کیوں گئی۔''

ابھی وہ کوئی جواب نہیں دے پایا تھا کہ ایک ہلچل سی مچی اور ایک غنڈہ ٹائپ نوعمر لڑکا بوگی میں آن گھسا، منصور کی برتھ اور سیٹیں بوگی کے دروازے سے ذرا دور تھیں، منصور صورتحال بھانپ کر دوسری جانب کھڑکی کے ساتھ لگی سنگل سیٹ کی جانب سرک گیا اور ذرا سا جھک کر اپنا والٹ سیٹ کے نیچے پھینک دیا۔

لڑکے کے ہاتھ میں ایک پھلدار چاقو تھا اور بوگی میں قدم رکھتے ہی اس نے آواز لگائی تھی کہ ''خبردار کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔''

عام دنوں کی بہ نسبت ٹرین کی اس بوگی میں بہت کم لوگ تھے اور جو تھے وہ بھی اس لڑکے کے ہاتھ میں دبے چاقو کا چمکدار پھل دیکھ کر اپنی جگہ پر جم چکے تھے۔

خدا جانے اس کا مقصد کیا تھا، چڑھنے کے فوراً بعد وہ سب کو تنبیہ کرنے میں لگا تھا اس نے منصور کو جھکتے اور والٹ پھینکتے نہیں دیکھا تھا۔

یوں ہی چوکنا انداز میں چلتا ہوا وہ چند قدم آگے بڑھ کر منصور کی طرف آیا، منصور بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا، بوگی کی چند سیٹوں اور برتھوں پر موجود لوگوں کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

ایک ہتھیار بردار شخص جو کسی ویرانے میں ٹرین رکنے کی وجہ سے چڑھ آیا تھا اور جب کہ اس کے ہاتھ میں چاقو بھی تھا، وہ لوگوں سے لوٹ مار بھی نہیں کر رہا تھا۔

یوں ہی دھیرے دھیرے چلتا وہ منصور کی سیٹ تک آیا، پھر گردن گھما کر دوسری طرف دیکھا تو سکڑی سمٹی کرن کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب حریصانہ سی چمک آ گئی۔

اس نے چاروں جانب گردن گھما کر گویا اندازہ کرنے کی کوشش کی کہ یہ لڑکی اکیلی ہے یا اس کے ساتھ کوئی مرد ہے، کرن کی طرف قدم بڑھانے کی وجہ سے منصور اس کی پشت پر چلا گیا تھا اور اس نے دوسرے مردوں کی طرح اس کی طرف بھی توجہ نہیں دی تھی۔

''اے چھوری، کہاں جانا ہے، چل میں لے کر چلوں۔'' لوفراں انداز میں کہتے ہوئے اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

''بھائی۔'' کرن جتنا سہم کر پیچھے ہٹی، منصور اتنا ہی تیزی سے آگے بڑھا لیکن اگلے ہی لمحے اسے رک جانا پڑا، لڑکے نے پلٹ کر اپنے چاقو کا پھل سیدھا اس کی گردن پر رکھ دیا۔

☆☆☆

وقت کا پنچھی زندگی کے آسمان پر کتنے ہی لمحوں کو گھنٹوں اور گھنٹوں کو دنوں میں تبدیل کرتا ساتھ لے اڑا...... وہ روز عقیلہ بیگم سے استفسار کرتی۔

''خالہ جی......کوئی خیر خبر۔''

''ارے بنی تو کیوں فکر کرتی ہے، میرا بیٹا معلومات کر رہا ہے ناں، جیسے ہی کوئی اتہ پتہ ملا سب سے پہلے تجھے ہی تو بتاؤں گی۔''

عقیلہ خاتون جنہیں وہ ان ہی کی خواہش پر خالہ جی کہنے لگی تھی، ہمیشہ ایک ہی انداز، ایک ہی طریقے سے اس تشفی دیتی تھیں، اب تو اتنے دن گزر چکے تھے کہ ان کے الفاظ سے جھلکنے والی خوش امیدی نے دم توڑ دیا تھا، ہر بار نئے سرے سے پر امید ہونے کی بجائے مایوس ہی ہوتی جا رہی تھی، ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کا دل بیٹھتا جاتا تھا، وہ اس نئے گھر میں آکر گھر کے لوگوں کی طرح ہی گھل مل گئی تھی، شاید اس کی ایک وجہ عقیلہ خاتون کا اپنائیت بھرا ساتھ اور گھر میں کسی مرد کی عدم موجودگی ہی تھی۔

عقیلہ خاتون کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جو صبح کو نکلا رات عشاء کے بعد گھر میں گھستا تھا، اس کے علاوہ گھر میں خود ان کے علاوہ ایک بہو اور بنی ثوبیہ رہتی تھیں، ثوبیہ اور بھابھی سے اس کی اچھی دوستی ہوگئی، اس نے گھر کے کاموں میں بھی احسان مندی کے طور پر ہاتھ بٹانا شروع کر دیا، ثوبیہ اور بھابھی دن بھر اسے ساتھ لگائے رکھتیں، کبھی باتیں تو کبھی کام کے دوران اس کی پچھلی زندگی کے متعلق سوالات کرتی رہتیں۔

عقیلہ خاتون گھر میں کم ہی ٹکتی تھی، پورا دن محلے والوں کی خبر گیری میں گزر جاتا یا پڑوس میں رہنے والی اپنی دیورانی کے یہاں، بعض اوقات تو وہ دوپہر یا رات کا کھانا بھی وہیں کھا لیتیں۔

زیب النساء اکثر دل ہی دل میں سوچتی، کہ اگر وہ اپنے محبوب شوہر سے یوں حادثاتی طور پر بچھڑی نہ ہوتی تو اس گھر میں بہت شوق اور خوشی سے رہتی اور بظاہر تو یہاں کوئی پریشانی بھی نہیں تھی، دن مصروفیت میں گزر جاتا اور رات منصور کی یاد میں۔

وہ ایک آس پر جی رہی تھی، آس و نراس کی کیفیت میں ڈولتی صبح سے شام کرتی پیا ملن کی آس میں دن گزار رہی تھی، جبھی ایک دن اچانک اس الجھتی بکھرتی زندگی میں زور کا جھٹکا لگا، جب عقیلہ خاتون کا بیٹا کھانا کھا رہا تھا اور اس کے آگے گرم روٹی رکھتے ہوئے اس نے زیب کا ہاتھ جان بوجھ کر چھو لیا۔

زیب کے ہاتھ میں کرنٹ سا دوڑ گیا، اس نے یکدم دور ہو کر اس شخص کے چہرے پر ایک خوفزدہ نگاہ ڈالی، تو وہاں مکار چہرے پر سجی عیار مسکراہٹ نے اس کے دل پر پیر رکھ دیا۔

☆☆☆

منصور جہاں کا تہاں رہ گیا، بوگی میں موجود باقی لوگوں میں اپنی جگہ جم کر رہ گئے۔

''کوئی مائی کا لال اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔'' اس نے سب کو رکتے دیکھ کر ایک بڑھک لگائی، پھر منصور کے گلے پر ہاتھ رکھے رکھے دوسرا ہاتھ کرن کی طرف بڑھایا۔

''چل چھوری اٹھ جلدی نکلنا ہے اپن کو۔''

اس کا انداز خالص غنڈوں اور بدمعاشوں والا تھا، کرن کی حالت ایسی ہو گئی جیسے اس نے بھوت دیکھ لیا ہو، اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلا کر خود کو کھڑکی کی طرف اور سمیٹ لیا۔

''اوئے سنا نہیں تو نے۔'' کرن کو کھڑکی کی طرف گھستا اور نفی میں سر ہلاتا دیکھ کر وہ لحہ بھر کے لئے اس کی طرف مڑ کر غرایا، اسی وقت ٹرین کو ایک جھٹکا لگا اور اس نے اسٹارٹ لیا، یوں ہلکا سا جھٹکا لگنے سے وہ جو کرن کی طرف مڑا تھا، معمولی سا لڑکھڑا دیا اور منصور کو جیسے اسی موقع کی تلاش تھی، لحہ بھر کی بات تھی۔

اس نے اپنی گردن پر رکھا چاقو والا ہاتھ چشم زدن میں بری طرح مروڑ کر ایک جھٹکا دیا اور ہاتھ کو اس لڑکے کی پشت سے لگا دیا، ٹرین چلنے سے ڈبوں میں جو تھوڑی سی لڑکھڑاہٹ پیدا ہوتی ہے وہ منصور کی بھرپور معاون ثابت ہوئی، اس نے لڑکے کو یونہی ہاتھ مروڑ کر آگے کی طرف دہرا کیا اور زور سے آگے کی طرف دھکیل دیا، لڑکے کے ہاتھ سے چاقو چھوٹ کر زمین میں جا گرا، بدمعاش لڑکا دھکیلے جانے پر کرن اور اس کے سامنے والی سیٹ کے درمیان گرا، کرن نے اس کو گرتے دیکھ کر زوردار چیخ ماری، لڑکا زمین پر گر کر سرعت سے پلٹا، لیکن منصور ہوشیار تھا، اس نے لڑکے کو دھکیلتے ہی زمین پر گرا اس کا چاقو اٹھا لیا۔

لڑکا جس تیزی سے زمین پر گر کر پلٹا تھا، اتنی تیزی سے وہیں ساکت ہو گیا، سامنے ہی منصور ہاتھ میں چاقو پکڑے کھڑا اسے اٹھنے کا اشارہ کر رہا تھا، لڑکے نے دھیرے سے کھڑے ہو کر ایک طائرانہ نگاہ سب طرف ڈالی۔

اس پاس کی سیٹوں پر بیٹھے لوگ ابھی بھی یونہی ساکت تھے، کسی نے ان پر جادوئی اسم پڑھ کر پھونک دیا ہو۔

ٹرین نے دھیرے دھیرے رفتار پکڑ لی تھی، لیکن ابھی بھی اپنی فل اسپیڈ پر نہیں آئی تھی یوں بھی سب کچھ یوں اچانک ہوا کہ نہ اس لڑکے کو اور نہ کسی اور کو سمجھنے کا موقع ملا اور منصور نے صورت حال قابو پا لیا۔

''چلو جلدی باہ نکلو، ٹرین کی اسپیڈ بڑھ رہی ہے، جتنی جلدی کود جاؤ گے اتنی کم چوٹیں لگیں گی شاباش۔'' منصور نے بولتے ہوئے اسے گریبان سے پکڑ کر باہر کی طرف دھکیلا، لڑکے نے ایک لحہ کینہ توز نظروں سے اسے گھورا اور پھر دھیمی رفتار سے آگے کو سرکتی ٹرین سے باہر چھلانگ لگا دی۔

منصور نے سر باہر نکال کر اندھیرے میں اسے کھوجنا چاہا لیکن ناکام رہا، ٹرین لحہ بہ لحہ تیز ہوتی جا رہی تھی، اس نے چاقو بھی باہر فضا میں اچھال دیا۔

☆☆☆

زندگی تو صحیح معنوں میں اب اس پر تنگ ہوئی تھی، اب تک تو صرف راستہ بھول جانے بھٹک جانے اپنے شوہر سے بچھڑ جانے کا غم تھا، لیکن اب اپنی جان کے بجائے عزت پر بات آئی تو پتہ چلا کہ سر سے سائبان چھن جانا کسے کہتے ہیں۔

وہ چونکی نگاہوں سے سارا وقت ادھر ادھر دیکھتی رہتی، اس کی حالت دن بدن بتدریج بدلتی چلی گئی، باتیں کم اور عجیب سی کیفیت زیادہ رہنے لگی۔

عقیلہ خالہ کا بیٹا سلیم اپنی ماں، بہن، بیوی کے لئے جیسا بھی ہو لیکن، اس کے لئے وہ صرف ایک مرد تھا، ایک ایسا مرد جس کی نیت صاف نہیں تھی اور جس کے لئے وہ بے حد آسان شکار اور بہت ہی سہل ہدف ثابت ہونے والی تھی، ظاہری سی بات تھی، کون تھا اس گھر میں جو اپنے سگے خونی رشتے کو چھوڑ کر ایک بے آسرا لڑکی کی بات پر یقین کرتا۔

اس کو کسی پل چین قرار نہیں ملتا تھا، سلیم کے دفتر چلے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے سے باہر نکلتی اور شام ڈھلے اس کی واپسی کے ٹائم واپس کمرے میں گھس جاتی، پھر کھانے کے لئے بلانے پر بھی نہیں جاتی اور دن بھر ہر ہر دستک پر اس کا دل دھڑکتا رہتا، وہ مصیبت الگ کہ کہیں کسی روز سلیم دفتر سے جلدی چھٹی کر کے نہ آ جائے اور چھٹی والا دن تو کسی بھوت کی مانند اس کے سر پر سوار تھا، چھوٹے سے اسی نوے گز کے گھر میں وہ اس بدنیت انسان سے کتنا اور کہاں

تک پہنچ سکتی تھی، دل چاہتا تھا خود کو اس کی ایک نگاہ غلط انداز سے بھی محفوظ کرلے۔

سوچ سوچ کر اس کی آنکھوں میں وحشت اتر آئی تھی اور نیندیں حرام ہو چلی تھیں، کہ لگتا تھا اس گھر سے دانہ پانی اٹھنے کے دن آ گئے ہیں، لیکن یہاں سے نکل کر قسمت اب اسے اور کہاں لے کر جانے والی تھی، کس گلی میں، کس کے چوبارے پر پہنچنے والی تھی، کیا معلوم تھا۔

اس نے خود ہی حتی الامکان سلیم سے بچنا شروع کر دیا تھا، رات کو بھی ثوبیہ کے ساتھ سوتے ہوئے وہ اس وقت تک جاگتی رہتی جب تک ثوبیہ نیند کی آغوش میں نہ چلی جائے، پھر خاموشی سے اٹھ کر دروازے کی کنڈی چڑھا لیتی اور فجر کی نماز پڑھ کر اتنا تڑپ تڑپ کر روتی کہ ہچکی بندھ جاتی۔

اس نے اپنی ہر ہر دعا میں منصور کو مانگا تھا، اس کا رکھوالا، اس کا سہارا اس کا ساتھی، اپنے خدا کے روز گڑگڑا، گڑگڑا کر التجا کرتی کہ جس طرح بھی ہو، منصور کو اس سے ملا دے، کہیں سے بھی کسی بھی طرح، اس سے پہلے کہ کسی انہونی کے ہو جانے سے اس کی عزت پر آنچ آ جائے، یا اس گھر کے درودیوار لرز اٹھیں، کوئی الزام کوئی بہتان اس کے کردار پر ہمیشہ کے لئے انمٹ داغ بن کر چمٹ جائے، اس سے پہلے، وہ وقت آنے سے پہلے اس کی عزت کو اس کے محرم کے سپرد کر دے۔

جہاں وہ رو رو کر اپنی عزت بچانے کے لئے خدا کے حضور دعا کرتی وہیں خدا نے کسی اور کی عزت کی رکھوالی اس کے خاوند کے سپرد کر دی تھی۔

☆☆☆

ٹرین میں سوار باقی تمام لوگ اپنی منجمد کیفیت سے جاگ کر باہر نکلے اور منصور کو شاباشی دینے گئے، منصور کرن کے پاس آیا تو اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، میں نے ابھی جو بھی کیا ایک بھائی ہونے کے ناطے میرا فرض تھا اور بھائی اپنی بہنوں کی عزت کی حفاظت کر کے ان پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔"

اس نے ایکبار پھر جذب سے کہہ کر کرن کے سر پر ہاتھ رکھا اور آنکھیں بند کر کے دل سے دعا کی۔

"یا اللہ! میری زیب جہاں بھی ہو جیسی بھی ہو، اس کی جان اور عزت کی حفاظت کرنا۔"

☆☆☆

وہ صبح بھی جانے کیسی عجیب سی صبح تھی۔

سلیم کو آفس بھیج کر بھابھی اپنا منہ، سر لپیٹ کر پڑ گئی کہ سر میں درد ہے اور عقیلہ خالہ جی کا دل بھی عجیب سا ہونے لگا تھا، ثوبیہ کی اپنی کیفیت بھی کچھ بجھی بجھی سی تھی۔

"پتہ نہیں کیا بات ہے، کسی کام میں جی نہیں لگ رہا۔" ثوبیہ کئی بار کہہ چکی تھی، جس کا بھی تو زیب نے چونک کر نوٹس لیا اور کبھی وہ اپنے ہی جہان میں کھوئی رہی۔

یوں بھی اب اس کا زیادہ وقت درود، آیت الکرسی اور وظائف کے ورد میں ہی گزر جاتا تھا، خود اپنی حفاظت کرنے کا ایک یہی طریقہ اس کی سمجھ میں آ رہا تھا۔

اس نے ڈھیلے ہاتھوں سے اپنے اور ثوبیہ کے چائے کے کپ دھو کر رکھے اور باہر نکلی، تبھی دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔

"یا اللہ خیر!" وہ کہتی ہوئی جھپاک سے اپنے اور ثوبیہ کے مشترکہ کمرے میں گھس گئی، کچن سے نکلتی ثوبیہ نے بطور خاص اس کا ڈرنا اور گھبرانا

نوٹ کیا، پھر جا کر دروازہ کھولا۔

"تائی امی ہیں؟" اس کا چچازاد بارہ سالہ بھائی سامنے کھڑا تھا، بے حد گھبرایا ہوا۔

"ہاں کیوں کیا ہوا؟"

"جلدی سے آئیں، امی نے بلایا ہے۔"

خالہ جی سن کر تیزی سے اٹھیں اور چپلیں پیروں میں اڑستی ہوئی برابر والوں کے یہاں لپکیں۔

"خدا خیر کرے، صبح سے ہی دل عجیب سا ہو رہا ہے۔"

ثوبیہ، عقیلہ خاتون کے جانے کے بعد دیر تک صحن میں بیٹھی اپنی ماں اور زیب کے رویے کو یاد کرتی رہی، زیادہ تعجب اسے زیب کے اس طرح کمرے کی طرف بھاگ جانے پر تھا۔

بجائے جلدی سے دروازہ کھولنے کے وہ جا کر کمرے میں چھپ سی گئی، کیوں...... کیا وہ ڈرتی ہے؟...... کیا اسے یہاں بھی کسی سے خوف محسوس ہوتا ہے؟

سوال ہی سوال تھے اور جواب ندارد، اس نے سر جھٹک کر دروازے کی کنڈی لگانے کے بجائے صرف کنڈا سرکا دیا اور واش روم چلی گئی۔

چند ہی منٹ گزرے ہوں گے، جب اس نے صحن میں ایک کونے میں بنے واش روم کے اندر ہی کسی کے کنڈا سرکا کر اندر داخل ہونے کی آواز سنی، پھر خاموشی چھا گئی۔

"کون آیا ہے اس طرح خاموشی سے بھلا۔" سوچتی ہوئی وہ ہاتھ دھو کر باہر نکلی تو اپنے کمرے سے وحشت زدہ سی زیب کو دیکھ کر حیران رہ گئی، مگر ابھی کوئی سوال بھی نہیں کر پائی تھی کہ اس کے پیچھے ہی سلیم باہر نکلا، جس کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

ثوبیہ کے پیروں کو زمین نے جکڑ لیا، ایک سوچ اسے سانپ کے زہر کی طرح نیلوں نیل کر گئی۔

"کہیں زیب کے اس خوف کے پیچھے میرا اپنا بھائی تو نہیں۔" وہ اپنی جگہ جم سی گئی تھی، جب سلیم کی نظر اچانک اس پر پڑی، اس کے مسکراتے لب ذرا کی ذرا سکڑے پھر پھیل گئے۔

"ڈر گئی تیری بہن ثوبی، میں سمجھا تو ہے، میں نے ہاتھ پکڑ لیا۔" وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا اور زیب اس کے گلے لگ کر سسک اٹھی۔

ثوبیہ کے بازو بے جان انداز میں یونہی لٹکے رہے، وہ اپنے بھائی سے پوچھ بھی نہیں سکی، کہ جس بہن کا پچھلے بیس سالوں میں کبھی ہاتھ نہیں پکڑا، آج کیوں...... سلیم اسے یوں سنجیدگی سے کھڑا دیکھ کر کھسیانا سا ہو رہا تھا، تبھی دھاڑ سے دروازہ کھول کر خالہ اندر داخل ہوئیں۔

"غضب ہو گیا وے سیلے، پروین کی لڑکی جو کراچی گئی تھی اپنے نانکوں کے یہاں، وے اللہ ماری جنے کہاں کھو گئی۔" عقیلہ نے اپنے سینے پر دو ہتڑ مارے، ثوبیہ اور زیب نے بے اختیار ہڑبڑا کر انہیں دیکھا تھا۔

☆☆☆

دن پر دن گزرتے چلے گئے، اس کی واپسی اور ورثاء کی تلاش ایک قصہ پارینہ بن گئی، سب گھر والوں کو اپنے گھر کی لڑکی کی فکر پڑ گئی، برابر والوں کے یہاں سے عقیلہ خاتون کے دیور اور بھتیجا فوراً ہی کراچی روانہ ہو گئے، لیکن ان کی بہن نے ایک بڑی غلطی یہ بھی کی تھی کہ عقیلہ خاتون کی دیورانی اور اپنی بہن پروین کو اس کی لڑکی کی گمشدگی کی اطلاع دیر سے دی۔

چند دن تک وہ لوگ خود ہی جگہ جگہ تلاش کرتے رہے اور جب یہ گمان یقین میں بدل کہ ان کے حواس سلب کرنے لگا کہ اب لڑکی کا ملنا مشکل ہے تو روتے دھوتے فون کر کے اپنی بہن کو

بتایا اور حقیقتاً یہاں سب ہی کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

وقتی طور پر سلیم کی توجہ اور زیب کا خوف دونوں نے ہی اپنی سمتیں بدل لیں، بات اتنی بڑی تھیں کہ گھر والوں کی بدحواسی سب پر آشکار تھی، چھپائے نہیں چھپتی تھی، اس پر مستزاد کراچی سے مستقل آنے والی مایوس کن خبریں، کرن کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔

وہ ایک بھرے پرے بازار میں اچانک گم ہوگئی اور پھر لاکھ سر پٹخنے پر بھی اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا، پروین عرف پینو چاچی پر تو قیامت سی قیامت ٹوٹی تھی، اسے تو نہ کھڑے چین تھا، نہ لیٹے آرام، نہ بیٹھے سکون رو رو کر اس کی آنکھیں سوجن زدہ ہو چکی تھیں، آواز بیٹھ گئی تھی، ہر فون کی بیل پر وہ سب سے پہلے لپکتی اور ہر دستک پر سب سے پہلے بھاگتی، روز بلڈ پریشر بڑھ جاتا، ڈاکٹر آتا دوا دیتا اور سکون آور انجکشن لگا کر جاتا، اس کی حالت ایسی تھی کہ ہر اپنا پرایا اشک بار تھا۔

اس کی آہیں، کراہیں اور سسکیاں عقیلہ خاتون، ثوبیہ اور کرن کا دل چھلنی کرتی تھیں۔

ایک دن جب وہ یونہی آہ و بکا میں مصروف تھی اور خالہ جی چاول سے بھری پلیٹ سامنے رکھے اس سے منتیں کر رہی تھی کہ تھوڑا سا کھا لے، جب زیب ہمدردی سے اس کے برابر میں بیٹھی پینو چاچی کو ہمدردی سے سہلا رہی تھی، تب چاچی نے یکدم ہی اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"تو بھی تو اپنے گھر بار سے بچھڑی ہے، ہم نے تیری عزت کی کتنی حفاظت کی، دیکھ کیسے تجھے اپنی بیٹی بنا کر رکھا ہے، تو خدا سے دعا کر بیٹی میری کرن خیریت سے مل جائے، تیرے دل سے دعا نکلی تو خدا ضرور سنے گا۔"

اس ماں کی آواز میں وہ تڑپ تھی، وہ التجا تھی کہ زیب کا دل بلک اٹھا، اس کا بس نہ چلا کہ اس کرلاتی ممتا کو ٹھنڈا کرنے کے لئے وہ کہاں سے جاکے اس انجانی، ان دیکھی لڑکی کو لا کر اس کے سامنے کھڑا کر دے، اس ماں کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جائے، اس کی روتی بلکتی ماں کو قرار مل جائے، مگر وہ خود کتنی بے بس تھی، اسے تو اپنا پتہ نہ تھا تو، کسی اور کے لئے کیا دعا کرتی۔

"چپ کیوں ہو گئی، بول کرے گی ناں میری کڑی کے لئے دعا، کرے گی نا تو۔" چاچی کے ہاتھ اس کے سامنے بندھے تھے، یہ منظر اس کی قوت برداشت سے باہر تھا، وہ چاچی کے ہاتھوں پر اپنا ماتھا ٹیک کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور چاچی نے اسے اپنی اولاد کی طرح سینے میں سمو لیا۔

☆☆☆

ٹرین نے جونہی لاہور ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم کو چھوا، کرن کے وجود میں ایک بجلی سی بھر گئی، اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ چلتی ٹرین کے رکنے سے پہلے ہی باہر چھلانگ لگا دے۔

پلیٹ فارم پر اتر کر وہ اتنی تیزی سے آگے آگے بھاگی چلی جا رہی تھی کہ، منصور کو اس کے قدم سے قدم ملاتے ہوئے خود بخود ہنسی آنے لگی، وہ خود بھی حیرت سے سوچنے لگا کہ آج کتنے دن کے بعد اس کے لبوں کو یوں بے ساختہ ہنسی نے چھوا تھا، اسٹیشن کی رونقیں کراچی سے کہیں بڑھ کر تھیں۔

اگر کوئی بات الگ تھی تو صرف یہ کہ یہاں اردو بولنے والے کم تھے اور پنجابی بولنے والے کہیں زیادہ اور پھر بولی بھی اتنی ٹھیٹھ کہ کم از کم منصور کو نہ سمجھ آ رہی تھی اور بولنے کا تو پھر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

کرن نے خود ہی ایک رکشے والے سے

گٹ پٹ کی، پھر "در فٹے منہ" کہہ کر دوسرے والے کی طرف دوڑ پڑی۔

"کیا...... کیا ہوا...... کرن!" منصور اسے بھاگتے دیکھ کر بوکھلایا۔

"ارے بہت پیسے بتا رہا ہے۔"

"اچھا۔" منصور زور سے ہنس دیا۔

یہ اس کے دل میں اترتا اطمینان ہی تھا کہ کرن کو اب اس بات کی فکر نہ تھی کہ وہ گھر کب اور کیسے پہنچے گی، اسے یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ یقیناً گھر پہنچ ہی جائے گی، اس کی طبیعت کی چونچالی لوٹ آئی تھی، چہرے کی رونق بحال ہو گئی، مزاج میں تازگی اور آواز کی کھنک لوٹ آئی تھی۔

وہ اپنے شہر پہنچ کر خوش ہو گئی تھی، با اعتماد ہو گئی تھی، ذرا دیر کے بعد ان کا رکشہ کرن کے بتائے ہوئے جانے پہچانے راستوں پر بھاگتا دوڑتا ایک دروازے پر جا رکا، اس نے اتر کر کرایہ دیا اور واپس پلٹا۔

"دروازے پر تو تالا لگا ہے، پتہ نہیں سب کہاں ہیں۔" منصور نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

گھر کے دروازے پر تالا لگا دیکھ کر بھی اس کے اوسان خطا نہیں ہوئے تھے، بلکہ وہ یوں خوش اور مطمئن تھی، جیسے گلی میں نہیں اپنے ابا کے دست شفقت کی چھاؤں تلے کھڑی ہے۔

"یہ آگے میرے تایا ابا کا گھر ہے، چلیں ان کے ہاں چلتے ہیں، سب لوگ پریشان تو بہت ہوں گے، تایا ابا اور ہماری فیملی ایک ہی سمجھ لیں، دکھ سکھ کی سانجھ ہے ہمیشہ سے۔" وہ منصور سے باتیں کرتی ہوئی خود ہی تایا کے گھر کی طرف چل پڑی، منصور نے اس کے پیچھے قدم بڑھائے۔

☆☆☆

اس کے قدموں تلے سے زمین سرکتی جا رہی تھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ، حالات اس نہج پر بھی جا سکتے ہیں، جلے پیر کی بلی کی طرح پورے گھر میں یہاں سے وہاں چکراتی وہ کوئی بھٹکی ہوئی بد روح ہی لگتی تھی، حالانکہ ثوبیہ نے اشاروں کنایوں میں کئی بار اس سے اگلوانے کی کوشش کی کہ اسے یہاں کوئی پریشانی ہے، کوئی تنگی ہے، کوئی خوف ہے تو بتاؤ۔

لیکن وہ کچھ نہ بول سکی، کچھ نہیں کہہ سکی، بس بھری ہوئی آنکھوں سے ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہی، پھر سر جھکا دیا اور اب یہ ایک نئی پریشانی کھڑی ہو گئی تھی۔

خالہ جی، چاچی کے ساتھ کراچی جا رہی تھیں، کیونکہ کرن کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا اور چاچی کی حالت دن بدن بگڑتی جا رہی تھی۔

زیب نے سنا تو دل کیا کہ خالہ جی کے قدموں میں پڑ کر انہیں جانے سے روک لے، لیکن معاملہ اتنا سنگین تھا کہ وہ خود بھی چاہتے ہوئے بھی، یہ بات نہیں کر سکتی تھی۔

وہ بے چارگی بھری نگاہوں سے انہیں سامان پیک کر کے جاتا دیکھتی رہی، اب گھر میں صرف وہ خود ثوبیہ اور بھابھی تھیں، لیکن صد شکر کہ بھابھی نے کل سویرے ہی اپنے میکے چلے جانا تھا، سلیم بھی بیوی کے ساتھ اپنے سسرال چلا جاتا، پھر اس کی واپسی بیوی کے ساتھ ہی ہوتی، لیکن یہ تو ایک دن کا سکون تھا، آنے والے دنوں میں وہ کس طرح اکیلے گزارا کرے گی، سوچ سوچ کر اس کی روح فنا ہوئی جاتی تھی، مزید ستم بھاوج نے یہ کہہ کر ڈھایا کہ اگر واپسی کا موڈ نہیں بنا تو سلیم اسے میکے میں چھوڑ کر واپس آ جائے گا، یعنی خالہ جی کے بعد ان کی بہو کی غیر موجودگی، پھر جتنے کم گھر کے افراد سلیم کی بدتمیزی کے لئے اتنی ہی راہیں ہموار۔

خدا خدا کر کے نیند کی پری نے اپنی آغوش میں سمیٹا تو صبح کافی دن چڑھے اس کی آنکھ کھلی، بھابھی اور سلیم جا چکے تھے، اس نے باہر نکل کر سب سے پہلے ان کی غیر موجودگی کا یقین کیا پھر ثوبیہ کے پاس کچن میں چلی آئی۔

ثوبیہ کا سرخ چہرہ اس بات کا گواہ تھا کہ اپنی چچازاد بہن کی گمشدگی نے اسے بھی بہت فکرمند کر دیا ہے، وہ خاموشی سے ثوبیہ کا بنایا ہوا ناشتہ کرنے لگی۔

''زیبی سنو ذرا۔'' چائے کا آخری گھونٹ بھر کر اس نے سر اٹھایا تو ثوبیہ چادر اوڑھے کھڑی تھی۔

''میں ذرا وہ گلی کے نکڑ والی درزن کے پاس جا رہی ہوں، دروازہ اندر سے اچھی طرح بند کر لے۔'' حسب معمول وہ بری طرح گھبرا گئی۔

''تم...... اچھا...... کب، کب آؤ گی واپس۔'' ثوبیہ نے بغور اس کی گھبراہٹ نوٹ کی۔

''ڈرو مت، میں فوراً آ جاؤں گی اور ہاں بھابھی اپنے میکے گئی ہے۔'' اپنی بات کہہ کر وہ ذرا کی ذرا رکی۔

''میرا ویر شام سے پہلے نہیں لوٹے گا۔'' زیب کا منہ کھل گیا اور ثوبیہ ایک زخمی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ کر پلٹ گئی۔

''دروازے کی اندر سے کنڈی لگا لو۔''

ثوبیہ چلی گئی اور وہ، اس کے انتظار میں پورے گھر میں بے چینی سے چکرانے لگی، جانے کیوں اس اکیلے گھر میں اسے عجیب سی وحشت محسوس ہو رہی تھی، لمحہ لمحہ اس کا دل منصور کو یاد کرنے لگتا اور اس کے دل سے ایک آہ سی نکل جاتی۔

''جانے کب اس ماحول سے ان لوگوں سے اور خاص طور پر اس منحوس سلیم سے میری جان چھوٹے گی۔'' بے اختیار جھنجھلا کر اس نے خود کلامی کی۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی، وہ بے اختیار چونکی پھر گہری سانس لے کر باہر کی طرف قدم بڑھائے اور تیزی سے جا کر دروازہ کھول دیا۔

دروازے پر اس کے اندازے کے بالکل برعکس ثوبیہ نہیں تھی، بلکہ وہاں جو ہستی کھڑی تھی، اس نے اس کا وجود سرتاپیر ہلا ڈالا، وہ برف کی سل میں ڈھل گئی، اس کے اندر ہلنے جلنے کی بھی سکت باقی نہیں رہی۔

''بلے بھئی بلے، آج سورج کدھر سے نکلا تھا، جو بوا کھلتے ہی چن نظر آ گیا۔'' وہی لوفرانہ انداز تھے اور خبیث قسم کی چمک سے لبریز عیار آنکھیں۔

زیب کے قدموں میں لرزش اتر آئی اس کا جی چاہا؛ اس خبیث شخص کو دھکے دے کر باہر نکال دے یا پھر اسے راستے سے ہٹا کر خود باہر بھاگ جائے۔

وہ ان دونوں میں سے کسی بھی خواہش پر عمل نہیں کر سکتی تھی، بس اسے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرتے دیکھتی رہی۔

''اوئے کی ہویا اے۔'' وہ پلٹ کر اسے وہیں جما ہوا دیکھ کر چونکا، پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔

''کیا گھر میں کوئی نہیں۔'' زیب نے اپنی ہمت جمع کی اور اس کا چہرہ دیکھتی دو الٹے قدم پیچھے ہٹی، سلیم اس کا ارادہ بھانپ گیا۔

زیب نے اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی اور اندر گھس کر تیزی سے دروازہ بند کرنا چاہا لیکن

سلیم اس کے کہیں زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا، اس نے ایک زوردار دھکے سے دروازہ کھولا، زیب جھٹکے سے پیچھے ہٹی اور وہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

زیب کے وجود پر لرزہ طاری تھا، جانے ثوبیہ ابھی تک واپس کیوں نہیں پلٹی اور یہ اس وقت اتنی جلدی واپس کیسے آ گیا، ادھر اسے خوفزدہ دیکھ کر سلیم پوری طرح اپنے چہرے پر سے خود ساختہ شرافت کا ماسک اتار کر اس کی طرف بڑھا۔

''آگے نہیں بڑھنا ورنہ میں شور مچا دوں گی۔''

بے تحاشا شور مچاتے دھڑ دھڑاتے دل کی دھڑکنوں کو وہ اپنے کانوں میں سن رہی تھی، ایک ایک پل کے بعد نگاہوں کے سامنے اندھیرا سا چھا جاتا تھا۔

''شور مچائے گی...... تو کر لے شوق پورا...... یہاں کون ہے جو تیرا شور سنے۔'' وہ اور شیر ہو گیا، جانتا تھا کہ آج اس گھر تو کیا پڑوس میں بھی اس کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا، لیکن وہ بھول گیا تھا، کہ انسان نہیں تو کیا ہوا، اس کا خالق تو موجود ہے، جو اوپر آسمان سے سب دیکھنے والا ہے، جو سب کا سب سے بڑا سہارا ہے، جو سب کی عزتوں اور عصمتوں کا رکھوالا ہے، سلیم اپنی شیطانیت کے زعم میں اس پر حاوی ہوا ہی چاہتا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی، زیب کی رکتی ہوئی سانس کی نالی سے جیسے کسی نے پیر ہٹایا۔

سلیم کینہ توز نگاہوں سے اسے گھورتا ہوا پلٹا اور دروازے پہ جا کر پوچھا، پھر تیزی سے دروازہ کھول دیا، جیسے ہی وہ پلٹ کر دروازے سے نکلا، زیب نے تیزی سے پٹ ملا کر کنڈی چڑھائی اور تیز تیز سانس لیتی زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

''یا اللہ مجھے بچا لے، مجھے بچا لے میرے خدایا۔'' فریاد اس کے گھٹے ہوئے لبوں سے نکل کر آسمان کی طرف سفر کرتی رحمت الٰہی کو پکار رہی تھی اور اس رب کی رحمت جوش میں آ چکی تھی، جبھی کسی لڑکی کی انجان آواز سن کر اس نے آہستگی سے کنڈی گرائی اور جھری میں سے باہر جھانکا۔

سامنے کا منظر عجیب ناقابل فہم سا تھا، کوئی انجان لڑکی سلیم سے لگی رو رہی تھی، سلیم اس کا سر تھپک رہا تھا، زیب کو بے اختیار اس شخص سے گھن آئی۔

''منافق، جھوٹا، دوغلہ۔'' اس کے دل نے کئی القابات سے بیک وقت نوازا۔

وہ لڑکی اب سلیم سے الگ ہو کر کسی اور سے متعارف کروا رہی تھی، وہ شخص جو سلیم کے سامنے کھڑا تھا اور سلیم کی پشت کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا تھا، پھر......

سلیم سامنے سے ہٹا اور نووارد کو اشارے سے اندر چلنے کی دعوت دی، تب زیب نے اس کا چہرہ دیکھا اور اسے گمان ہوا کہ اس کی بصارتوں کو دھوکا ہوا ہے، اس نے زور زور سے آنکھیں مسلیں۔

نووارد نے اندر کی طرف قدم بڑھائے اور یونہی ایک نگاہ سامنے بند دروازے پر ڈالی، اسی وقت دروازہ پاٹوں پاٹ کھلا اور وہاں سے ایک وجود بے قراری سے باہر نکلا، منصور کے قدم ٹھہر گئے اور ہفت آسمان نظروں میں گھوم گئے۔

''منصور!'' کسی چیخ کی طرح یہ آواز زیب کی تھی، منصور کی زیب النساء کی، زیبی کی......

اگلے ہی پل وہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس کے سینے سے لگی مچل مچل کر رو رہی تھی، منصور خود حیران پریشان قدرت کے اس انوکھے اتفاق پر جامد سا کھڑا تھا، اس کے بازوؤں کا گھیرا زیب کے گرد

تنگ ہوتا گیا اور وہ تڑپ تڑپ کر روتی اپنی ہجر میں جھلستے دنوں اور فراق میں رتجگی راتوں کی سب کہانی کہتی چلی گئی۔

منصور پہلے حیران، پھر شکرگزار اور آخر میں بالکل پرسکون ہو گیا، اس کی گمشدہ محبت واپس مل گئی تھی، خدا نے اس کی عزت و عصمت کی حفاظت کی تھی، جو یقیناً اس کی کسی نیکی کا صلہ تھا، سلیم بہت کچھ بھانپتے ہوئے سب سے پہلے وہاں سے رفو چکر ہوا، زیب نے اسے لا کر پانی پلایا، تسلی دی کہ اب تو منصور اسے مل گیا تھا، اب ڈرنے گھبرانے، رونے والی کوئی بات نہیں تھی۔

''چلو اندر چلو، سب سے پہلے میں کراچی میں اپنی خالہ کے گھر فون کروں گی، تمہارے سیل فون سے جو تمہارے میاں جی نے تمہارے کھو جانے کے بعد لیا تھا اور وہ بھی خاص تمہارے لئے، پھر میں تمہیں بتاؤں گی کہ انہوں نے ایک بھائی کی طرح کس طرح میری مدد کی اور کتنا میرا خیال رکھا۔''

کرن کسی بلبل کی طرح چہکتی انہیں اپنے تایا جی کے گھر کے ڈرائنگ روم میں لے جا رہی تھی، سلیم غائب تھا اور ثوبیہ واپس نہیں آئی تھی، زیب نے ان کی طرف توجہ نہیں دی کہ اب اس کی ضرورت نہیں تھی، اس نے ایک بار پھر اپنے خاوند اور محبوب کو دیکھا اور اندر بڑھنے سے پہلے لاڈ سے اس کے کندھے پر سر ٹکا دیا۔

منصور جس نے اب تک اس کا شرمیلا روپ ہی دیکھا تھا، محبت کے اس مظاہرے پر سرشار ہو گیا، سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

''بے شک اللہ تعالیٰ بڑا رحیم ہے وہ اپنے بندوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔''

☆☆☆

گیارہویں قسط کا خلاصہ

حالار اپنی واپسی پر ان سب کو دیکھ کر بہت ششدر رہ جاتا ہے اسے اپنے باپ سے شکایت ہونے لگتی ہے۔

لاھوت شہر چلا آیا ہے اور پلیٹ فارم کے ہجوم میں خوش کھڑا ہوتا ہے، علی گوہر واپسی پر بہت دکھی ہے عمارہ اس کی حالت دیکھ کر فکر مند رہتی ہے۔

امرکلہ اپنے پرانے خالی گھر میں لوٹ آتی ہے جہاں اس کی حالت اور خراب ہو جاتی ہے۔

امرت اور عمارہ کی بات کے دوران امرت شادی کا تذکرہ کرتی ہے، علی گوہر مہینے کے نویں روز پریشان ہو کر گھر سے نکلتا ہے تو اسے نواز حسین، کبیر احمد کی موت کا بتاتا ہے۔

بارہویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے

"کبیر بھائی مر گئے، علی گوہر وہ چلے گئے۔" نواز حسین بچوں کی طرح رونے لگا تھا اس سے لپٹ کر۔

علی گوہر پتھرایا ہوا مجسمہ محسوس ہو رہا تھا اور پروفیسر غفور کو موت کی بات نے ہی چپ اوڑھا دی تھی، چپ کی کالی چادر نینوں کے شانوں پر ڈھلک گئی اور جو دکھائی دیئے، وہ اشک تھے۔

☆☆☆

فنکار کی زندگی کی ڈائری سے وہ ایک دن ہی تھا جو نکل گیا تھا، کھسک گیا تھا جس کے نقشے پر موت کی کالی لکیر کھنچی ہوئی تھی، سارے کیلنڈر تو امرت نے پھاڑ دیئے تھے، وہ دونوں بھرپور نیند لے کر اٹھے تھے باری باری، اس کے بعد ایک پینٹنگ سے اوپر کا شہزادہ اور ایک شہزادے کا جوان حالار آنکھوں سے اجڑا ہوا بظاہر دیکھنے میں صحت مند توانا، اس نے کنگھی کی، فنکار کے کہنے میں آ کر سرمہ تک لگایا، مگر سرخ کوٹ نہ پہن سکا، سرخ کوٹ فنکار نے چھپا لیا، جیسے کوئی چپکے سے اپنا ماضی اپنے دل و دماغ میں چھپا لیتا ہے اور نئی سوچ سوچنے لگتا ہے، فنکار نے حالار کی دلجوئی کی، دونوں برآمدے میں بیٹھے امرت کے لائے راشن سے دودھ پتی چینی نکال نکال کر چائے بناتے اور پیتے رہے۔

فضول سی باتیں کرتے ہوئے آدھا دن قہقہے لگاتے رہے، پھر مغرب ڈھلی تو حالار کا جیسے گھر کی خاموشی میں دم گھٹنے لگا تھا، اس نے سرخ کی جگہ کالا کوٹ لیا اور کالے شوز پہن کر کھڑا ہو گیا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے ابے، چل پورا حیدر آباد چھان ماریں۔" فنکار جیسے ایک دم سے جوان سا ہو گیا تھا۔

"اسی دن کا تو انتظار تھا یار۔" فنکار حالار کا ہاتھ پکڑے پکڑے باہر آیا۔

"کیا ہی کمال ہو کہ نواز حسین کا تانگہ مل جاتا۔"

تانگہ بہر حال مل گیا، کوئی سا بھی اور دونوں دن کو رات کیے اور اب رات کو آباد کرنے چلے تھے۔

آوارہ گردی اگر دل کو ڈھارس دیتی ہے، دماغ کی سوچیں کھولتی ہے، آنکھوں کو ایک طرح سے کھولتی ہے تو آوارہ گردی اتنی بری بھی نہیں ہے۔

آوارہ گردی کسی طرح سے اچھی بھی ہے۔

☆☆☆

وہ دونوں اندر آئے، آج پہلی بار عمارہ نے سلام کرنے میں پہل کی تھی، وہ بھی خالہ کو مخاطب کر کے، لمحے بھر کو تو وہ حیران رہ گئیں، امرت اسے لے کر اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔

"کچھ کھاؤ گی؟" امرت نے بیگ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"مہمان نوازی نبھا کر بدلہ لینا چاہتی ہو؟" عمارہ پل بھر میں اجنبی سی ہو جاتی تھی۔

"میرا بس چلے نا عمارہ تو تمہاری ساری سوچ کو لاک اپ میں بند کروا دوں۔" وہ ہنسنے لگی۔

"میری سوچوں کو نہ سہی، مجھے تو لاک اپ کروا سکتی ہو تم، ویسے تم سے کچھ بعید نہیں ہے۔" وہ آرام سے بیٹھ گئی اپنی چیزیں ایک طرف رکھ کر۔

"میرے بس میں اگر ہوتا تو میں سب سے پہلے حنان کو لاک اپ میں کروا دیتی۔" وہ بے ساختہ کہہ گئی، کتنی تلخی لہجے میں ابھر آئی۔

"تم اس سے اتنی نفرت کرتی ہو؟" وہ چونکی۔

"اس کے باوجود بھی تم اس کے ساتھ ایک مہینے کے شارٹ نوٹس پر شادی کرنے جا رہی ہو، لڑکی تم ٹھیک ہو نا۔" عمارہ پھر سے اپنی جون میں لوٹ آئی، وہی رعب دار انداز، یہی نہیں غصے میں کھڑی ہو گئی۔

"مجھے لگتا ہے...... مجھے لگتا ہے عمارہ، میں کسی بھول بھلیوں جیسی اندھیری گلی میں پھنس گئی ہوں، جہاں سے رستہ نظر نہیں آتا، وہاں کسی موڑ پر کوئی مشعل اٹھائے کھڑے عبدالحنان مسکرا رہا ہے اور میرے پاس یہ آخری چارہ ہے، کہ میں اس مشعل کی جلتی بجھتی لو کی روشنی میں ہی یہاں سے نکل جاؤں۔" وہ دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی۔

"ایک تو تمہیں اور علی گوہر کو دوسروں کو الجھانے کا بہت شوق ہے۔" وہ کھڑے سے پھر بیٹھ گئی، عمارہ کے نزدیک ہی۔

"علی گوہر......" وہ کچھ کہتے کہتے رہ گئی۔

"خدا کے لئے بغیر سوچے سمجھے کچھ نہ کہنا۔" جیسے اس نے کہا تھا ساتھ ہی اس کی ہنسی چھوٹ گئی اور ساتھ ہی اس نے سیل فون اٹھا کر پیزا آرڈر کیا اور دروازہ کھول کر امی کو چائے لانے کا کہا، اپنے لئے کپڑے نکالے اور عمارہ کو کتابوں کے ریک کی طرف متوجہ کر کے خود ہاتھ لینے چلی گئی، دس منٹ بعد وہ باہر آئی تو عمارہ کو اسی جگہ لیٹے ہوئے پایا، آگے بڑھ کر اس نے دیکھا تو وہ سو چکی تھی، اس نے بتی بند کی اور کمرے سے باہر آ گئی، کچھ دیر وہ وقار صاحب کے پاس بیٹھی رہی پھر باہر نکلی، پیزا آ گیا تھا، مگر عمارہ سو رہی تھی، اس نے پیکنگ نہیں کھولی پیزا کی، چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی تھی، وہ کچھ دیر اس کے پاس فاصلے پر بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

کیا پرسکون نیند تھی، اسے اندازہ ہوا کہ وہ رات بھر نہیں سو سکی ہو گی جبھی لیٹتے ہی بے فکری والی نیند آ گئی، تقریباً ساڑھے تین گھنٹے وہ سوئی رہی تھی۔

امرت عشاء پڑھ کر دعا کر رہی تھی جب اسے اٹھتے دیکھا، اسی غائب الحواسی سے اس نے اٹھتے ہی روم کی ہر چیز پر نظر ڈالی جیسے نیند سے بیدار ہوتے اجنبی مسافر کی سی کیفیت ہوتی ہے، بات سمجھ آنے پر وہ اٹھ بیٹھی۔

امرت نے دعا ختم کر کے ہاتھ چہرے پر پھیرے اور لائٹ آن کر دی اس سے پہلے ہلکی روشنی تھی۔

"میں سو گئی تھی؟" وہ اس سے پوچھنے لگی۔

"نہیں تم سونے کی کوشش میں تھیں اور اس کوشش میں کسی قدر کامیاب بھی ہوئیں۔" اس نے جاء نماز تہہ کر کے رکھتے ہوئے کہا۔

"چائے تو ٹھنڈی آئس کریم جیسی ہو گئی اور پیزا کی قریباً یہ حالت ہو گی، مگر خوشی اس بات کی ہے کہ تمہاری نیند پوری ہو گئی۔" وہ کہتے ہوئے پیزے کا ڈبہ لے گئی کچن کی طرف، عمارہ جھنجھلاتی

اٹھی اور واش روم میں گھس گئی، پیچھے ہی صنوبر بیگم آئیں امرت کا ایک جوڑا نکالا واش روم کا دروازہ بجایا اور اسے کپڑے پکڑا کر باہر آ گئیں، عمارہ فریش ہو کر باہر آئی، امرت کا سیل فون اٹھایا اور گھر کا نمبر ملاتے ملاتے رک گئی پھر باہر آئی، وہ سامنے کچن کی کھڑکی میں دکھائی دی۔

''اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں تمہارا فون استعمال کرلوں؟'' اس نے اجازت لینے کے انداز میں پوچھا۔

''بالکل کرسکتی ہو اگر کریڈٹ موجود ہو تو۔'' امرت وہیں سے کہتے ہوئے چائے گرم کرنے لگی ساتھ میں چاکلیٹ فلیور ایڈ کرلیا، چائے خاص دودھ پتی تیار تھی، عمارہ نے بیزاری سے فون کو دیکھا، کریڈٹ واقعی ختم تھا۔

''بیٹا میں نے تمہارے گھر پہ فون کر دیا ہے، تا کہ وہ لوگ پریشان نہ ہوں، حمید بھائی سے بات ہوگئی ہے میری۔'' وہ اپنے کمرے سے باہر آتے ہوئے اسے کہنے لگیں تو عمارہ کو جیسے تسلی ہوئی۔

امرت پیزا اور چائے کی ٹرے لئے اس کے ساتھ بالکونی میں آئی دو کرسیاں کمرے سے کھسالیں میز پر کور ڈال دیا دستر خوان کا، لیں جی کھانے کی ٹیبل تیار تھی، عمارہ اس کی کارکردگی ملاحظہ کر رہی تھی۔

''کیا دیکھ رہی ہو عمارہ؟''

''دیکھ رہی ہوں تمہارا سلیقہ دفتر سے گھر تک کام کرتا ہے، گوہر بھی ایسا ہی ہے، بالکل تم پہ گیا ہے، سوچتا بھی تمہاری طرح اور بولتا بھی بعض اوقات ایسے ہی ہے۔'' عمارہ نے چائے کا کپ اٹھا لیا کہتے ہوئے۔

''علی گوہر بڑا دلکش اور دلچسپ اور دلفریب انسان ہے۔'' امرت بیٹھ گئی اپنے حصے کا کپ لے کر۔

''بڑا دل جلا، بڑا دھوکے باز اور بڑا دغاباز بھی ہے۔'' عمارہ مسکرائی کہتے ہوئے۔

''بڑا اچھا لگتا ہے تمہیں علی گوہر۔'' امرت بغیر سوچے سمجھے بولی تھی۔

''اچھا تو ساتھ رہتے ہوئے ایک جانور بھی لگنے لگتا ہے ہمیں، ہم نے تو بچپن ساتھ گزارا ہے۔''

''اللہ کرے گا تم لوگوں کی جوانی سمیت بڑھاپا بھی ساتھ گزرے گا، کیسے کہہ دیتی ہو، بغیر سوچے سمجھے۔'' عمارہ نے چائے کا سپ لیا۔

''یہ تم نے چائے بنائی ہے یا شیرہ، اتنے سارے لوازمات، چاکلیٹ کا الگ فلیور آ رہا ہے ساتھ میں ملک کا اور ملائی کا، لگتا ہے جیسے میں گرم آئس کریم کھا رہی ہوں، ویسے اچھا لگ رہا ہے، گوہر کو بھی یہ فلیور کھلانا، یا پلانا۔'' وہ کہتے ہوئے مسکرا دی۔

''تم اسے لے آنا میرے گھر، میں اسے کھلا پلا کر روانہ کروں گی تمہارے ساتھ۔'' امرت نے اس کی بات کو اپنے طور پر لیا۔

''تم بہت بری ہو امرت۔'' عمارہ نے اسے گھور کر کہا۔

''کھلانے اور پلانے والی ہوں اس کے باوجود بھی بری ہوں۔'' وہ دونوں اب پیزا کھول کر چیک کرنے لگیں۔

''گوہر ہے کہاں؟'' امرت نے پیزا کا ایک بائٹ لیا۔

''وہ بہت دن سے اداس ہے، وہ اس سے محبت کرتا ہے امرت، بہت زیادہ، میں چاہتی ہوں وہ اسے ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جائے، وہ کہاں ہو سکتی ہے امرت؟ وہ تمہاری دوست تھی نا؟'' عمارہ نے امرت سے استفسار کیا۔

''عمارہ! اس سے وابستہ حقائق بہت تلخ ہیں، مجھے نہیں اندازہ گوہر کو اس کی تلاش کی وجہ کیا ہے، گوہر کیوں اس کے لئے تڑپ رہا ہے، یہ سارا قصہ بہت مشکل ہے، یقین جانو گوہر سے زیادہ کبھی میں نے اسے ڈھونڈا ہے، بہت زیادہ، میں اس سے خفا ہوں، بہت ناراض ہوں، خوش اس لئے کہ وہ زندہ ہے مگر کہاں ہے یہ نہیں پتہ۔''

''زندہ اور سلامت رہنے میں فرق کیا ہوتا ہے امرت؟''

''زندہ اور سلامت رہنے میں بہت فرق ہوتا ہے عمارہ، جیسے کوئی زندہ تو ضرور ہوتا ہے، مگر ڈھے چکا ہوتا ہے، ریت کے ذروں کی طرح کوئی بکھرا، ٹوٹے ہوئے کانچ کی طرح ٹوٹا، اندر سے مردہ، باہر سے زندہ، المیہ...... انسان ایک المیہ......'' امرت کے ہاتھ سے بائٹ نیچے گرتے گرتے بچا اور میز پر کنارے رکھ دیا۔

''مجھے لگتا ہے جیسے امرت میں ہار گئی ہوں، اس ساری جنگ میں شکست مجھے ہوئی ہے، میری انا کو ہوئی، میری ضد کو میری طلب کو، میری خواہش کو، یقین جانو میں نے گوہر کے لئے کبھی کچھ زیادہ نہیں سوچا، ہاں میں اسے اپنی جائیداد سمجھنے لگی، اپنی ملکیت، مجھے لگتا ہے اس پر میرا ہی حق ہے، آج سے نہیں امرت بچپن سے، گوہر ٹھیک کہتا ہے کہ میرے اس کے ساتھ بہت رشتے ہیں، جیسے میں اس کی دوست، اس کی کزن، اس کی ساتھی، اس کی بہن، اس کا بھائی، ہر کچھ، اتنے سارے رشتوں میں نہیں معلوم کہ کون سا رشتہ زیادہ پختہ ہے، ہر وقت کے ساتھ ہمارے رشتے بدلتے رہے، وہ جب چھوٹا تھا تب میں اس کی بڑی بہنوں کی طرح حفاظت کرتی تھی، دوستوں کی طرح کھیلتی، اپنے کھلونے اس کو دے دیتی، اسے بچوں کی طرح بہلاتی، پھر ہم بڑے ہو گئے اور اتنے بڑے کہ ہم میں گیپ آنے لگے، وہ آوارہ گرد ہو گیا، میں اس پر چڑنے لگی، شکایتیں بہت زیادہ ہو گئیں، جتنے درخت کے پتے، اتنی شکایتیں، اسے بھی مجھے بھی، پھر وہ بھٹک گیا۔'' امرت عمارہ کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی، اس دوران وہ اسے ٹوکنا نہیں چاہ رہی تھی۔

''اس رات جب نانی کا سوئم تھا، تم لوگ چلے گئے تھے وہ رات گئے لوٹا، چہرے پر بہت سی کھروچیں تھیں، کہنے لگا ایک عجیب لڑکی ملی ہے، جنگل سے آیا ہوں، اس رات میں نے اس کی کسی بات کا یقین نہیں کیا، اس رات اس کی آنکھوں میں عجیب روشنی تھی، ایسی عجیب روشنی، تمہیں کیا بتاؤں، پھر اس کے بعد وہ اکثر گھر سے گم رہنے لگا تھا، وہ کئی کئی دن بعد گھر آتا تھا، پھر ایک روز جب میں پروفیسر غفور کے ساتھ جاب تلاش کر رہی تھی تو وہ مجھے اسی کوٹ میں، میں نے اسے کہا تم نے نکاح کرلیا اس سے، اس نے کہا میں گھر لوٹ آؤں گا۔'' وہ کئی لمحوں تک چپ رہی۔

"پھر کیا ہوا عمارہ؟"
"پھر وہ لوٹ آیا مگر؟"
"مگر......؟"

"امرت میں بہت تھک گئی ہوں، حالانکہ میں سوئی بھی ہوں، مگر تم مجھے اب گھر چھوڑ دو، میں پہلی بار گھر سے باہر رہی ہوں دیر تک، اماں ابا پریشان ہونگے بھلے سے انہیں پتہ بھی ہے تب بھی، ماں باپ بلاوجہ بھی پریشان ہو جاتے ہیں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جو تمہارے ایک دن باہر رہنے سے پریشان ہونگے وہ چھوڑ کر جانے پر کیا پریشان کم ہونگے۔"

"امرت میرے ارادے کو کمزور نہ کرو۔" وہ چائے کے برتن خود اٹھا کر باہر لے آئی پیزا امرت کے ہاتھ میں تھا۔

"عمارہ فی الحال خود کو نہ تھکاؤ۔"

"امرت! تم گوہر کے ساتھ مل کر اس لڑکی کو ضرور ڈھونڈو گی نا، ہم سارے مل کر اسے تلاش کریں گے عمارہ۔" اس نے پیزا کا پیکٹ میز پر رکھا چائے کے برتنوں کے ساتھ اور اپنا بیگ لیا۔

"امی میں عمارہ کو چھوڑ کر آتی ہوں، پریشان نہ ہوئیے گا۔"

"نہیں امرت تم رکو میں چلی جاؤں گی۔"

"اس طرح مجھے پریشانی ہوگی عمارہ، تم رات دیر تک باہر نہیں رہیں کبھی، میں چھوڑ آتی ہوں تمہیں۔"

"میں چلوں تم دونوں کے ساتھ۔" وہ دونوں کے نزدیک کھڑی تھیں۔

"نہیں امی انکل پریشان ہونگے، آپ رکیں میں آ جاؤں گی ڈونٹ وری، چلو عمارہ۔" وہ کہتے ہوئے باہر کی طرف گئی۔

"عمارہ پھر آؤ گی نا؟" صنوبر بیگم نے پیار سے پوچھا۔

"کیسے نہیں آئے گی امی۔" امرت بیرونی دروازے کے پاس کھڑی کہنے لگی۔

"ہاں کیسے نہیں آؤں گی آپ کی دہشت گرد بیٹی اغواء کر کے لے آتی ہے۔" وہ مسکرائی جاتے ہوئے۔

"دہشت گردوں کو اغواء کر کے لاتی ہے، اصطلاح کر لو عمارہ۔" وہ دونوں باہر آ گئیں، انہوں نے گیٹ بند کیا۔

"کچھ باتیں بغیر اصطلاح کے جچتی ہیں۔" عمارہ نے دور تک نظر دوڑائی۔

"آج تم بھی میری اور گوہر کی جیسی باتیں نہیں کر رہیں؟"

"صحبت کا اثر ہے۔" وہ چلتے چلتے روڈ تک نکل آئیں، یہاں سے بہ آسانی سواری مل جاتی تھی۔

☆☆☆

"اسٹیشن کے پاس اس دن بھی میں تانگہ لئے کھڑا تھا، مجھے پتہ تھا کبیر بھائی آنے والے

ہیں، مگر وہ ریل سے نہیں اترے تھے، وہ کھیتوں میں سے آ رہے تھے، اسٹیشن کے آخری کونے پر وہ مجھے ملے اور کہا وہ آدمی کھڑا ہے نا تم نے دیکھا وہ آدمی، اس کا اشارہ اسی فنکار کی طرف تھا، پھر کبیر بھائی نے کہا، انہوں نے کہا کہ اس شخص کی آنکھوں میں موت ہے اور کبیر بھائی نے کہا میرے منہ سے بے ساختہ یہ نکلا کہ باقی آٹھ ماہ کچھ دن، مجھے رات بھر خواب آتے رہے ہیں اس اسٹیشن کے کہ وہاں جاؤ اور میں اس بے چین آدمی سے ملا ہوں، اسے موت کا انتظار رہتا ہے وہ اپنی دعاؤں میں موت مانگتا ہے، وہ ناشکرا بھی ہے اور بے صبرا بھی، مگر وہ نیک نیت ہے، اس کی طبیعت میں ضد ہے بچوں والی ضد، مگر وہ پختہ ارادے بھی رکھتا تھا، فرق اتنا ہے کہ لکڑی کو دیمک چاٹ رہی ہے، وہ کھوکھلا ہو رہا ہے، اسے لگتا ہے زندگی کا اختتام ہے، مگر اسے نہیں پتہ کہ زندگی ابھی اپنے دامن میں کئی واقعات لئے اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔"

"کبیر بھائی نے بہت کچھ کہا تھا علی گوہر، یہ بھی کہا تھا کہ آٹھ ماہ کے اندر اندر وہ مکہ مکرمہ کی سرزمین کو چومنا چاہتے ہیں، میں تب بھی نہیں سمجھا تھا۔" وہ دونوں تانگے پر بیٹھے ہوئے تھے، اس بار نواز حسین کے بجائے علی گوہر تانگہ چلا رہا تھا، نواز حسین کے ہاتھ پہلی بار لگام کھینچتے رسہ پکڑتے کانپے تھے، تب علی گوہر نے اس سے لگام لے لیں اور خود گھوڑا دوڑانے لگا۔

"میں تب بھی نہ سمجھا کہ وہ فنکار کی آنکھوں میں کس کی موت دیکھ آئے ہیں، میں نے بہت دیر میں سمجھا، میری ماں کمہارنی کے خاندان کو اچھی طرح جانتی تھی، میری ماں کبیر احمد کی ماں سے ملنے جاتی تھی، ان سے دعائیں کرانے جاتی تھی، ایک دن ماں نے بتایا کہ وہ تاثرات پڑھ لیا کرتی ہیں، وہ پیشانی کی لکھی لکیروں کا علم جانتی ہیں، انہیں بہت ساری باتوں کا اندازہ ہو جاتا ہے، کبیر بھائی بہت عجیب انسان تھے گوہر، میں نے ان کو دیکھا ہے، ان کے ساتھ رہا ہوں۔" تانگے کی رفتار کم تھی، علی گوہر جیسے تھک چکا تھا۔

جس کا کام اسی کو سا جھے، اس نے لگام اسے پکڑائیں۔

"علی گوہر! میرے جانے کا وقت آ گیا ہے، مجھے لمبے سفر پر جانا ہے، مجھے کبیر بھائی کو سلام پیش کرنا ہے، پیر صاحب کے مزار پر، دیگ چڑھانی ہے، تم جاؤ، مجھے آج رات وہاں پیش ہونے کا حکم ہے۔"

"بھائی نواز میں تمہارے ساتھ چلوں، دل بہت اداس ہے کبیر بھائی بہت یاد آ رہے ہیں، لگتا نہیں کہ وہ مر گئے ہیں۔"

"حکم ہے اکیلے جانے کا۔" تانگہ اسٹاپ سے نزدیک تھا۔

وہ سارا دن اکٹھے رہے، روئے جی بھر کے پھر چائے پی نماز پڑھی تانگے پر سوار ہو کر ڈھیر ساری باتیں کیں اور اب تانگہ اسٹاپ پر تھا۔

"علی گوہر تم بہت اچھے ہو، تمہیں پتہ ہے کبیر بھائی کو تم سے بہت محبت تھی۔"

تانگہ رکا نواز حسین دونوں سے باری باری ملا تھا، پھر تانگہ چل پڑا، علی گوہر نے پروفیسر کا ہاتھ پکڑا ان کو تیز بخار تھا۔

"آپ کو اتنا بخار ہے، چلیں گھر چھوڑ دوں آپ کو۔"

''علی گوہر آج کی رات مجھے جہاں چاہے لے جا پر گھر نہ چھوڑنا، مروں گا نہیں پر مرنے کا ڈر مار دے گا۔'' ان کی آواز کانپ رہی تھی، وہیں ان کو لے کر کچھ آگے بڑھا اور سامنے ہی فنکار اور حالار نظر آ گئے، جوان کو دیکھ کر وہیں رک گئے، پھر آگے بڑھے فنکار نے بڑھ کر گوہر کی پیشانی چومی تھی گوہر فنکار کی خوشی کو دیکھنے لگا تو اندر جیسے اطمینان کی لہر لہرائی، یا پھر گہرائی میں کنکر پھینکا گیا، لمحے کو شور ہوا، پھر دل جیسے بند ہو گیا، یا پھر دھڑکا نہیں اگر دھڑکا تھا تو محسوس نہ ہوا تھا۔

فنکار کئی لمحوں تک گوہر کی ویران آنکھیں دیکھنے لگا، ایک طرف شہزادہ، دوسری طرف قائم مقام شہزادہ کھڑا تھا۔

''آپ پروفیسر صاحب کو اپنے ساتھ لے جائیں، کھانا کھلائیں چائے پلائیں باتیں کریں، مجھے یقین ہے کہ ان کا بخار ہلکا ہو جائے گا، پکا پکا یقین ہے، پورا پورا یقین ہے، میں چلوں گا، دیر ہو گئی ہے۔''

''تم بھی چاہو تو ہمارے ساتھ چلے چلو بیٹا۔'' فنکار نے پیار سے کہا، بلکہ التجا کی تھی۔

''آج نہیں پروفیسر صاحب، پھر کبھی، پھر سہی۔''

''تھک گیا ہوں، آج بہت تھک گیا ہوں، صبح ملیں گے۔'' حالار نے آگے بڑھ کر ایک شاپ سے کیلنڈر اور گھڑی خریدی، پھر کھانا لیا، بلکہ ان دونوں کو ساتھ لے آیا کہ کہیں بیٹھ کر کھانا کھا لیں وہ لوگ زبردستی علی گوہر کو بھی ساتھ لے آئے تھے کھانے کے لئے، علی گوہر کے حلق سے چار نوالے بمشکل اترے تھے، حلق کا ذائقہ عجیب تھا کڑوا، تیکھا پھیکا، وہ سمجھ نہ سکا، پروفیسر غفور چپ تھے، وہ اصل بات کہہ نہ پا رہے تھے، پھر کھانا ختم ہوا، چائے کا دور چلا، علی گوہر نے دو پیالی چائے کی پی تھی، فنکار اسے دیکھ رہا تھا، سمجھ رہا تھا، محسوس کر رہا تھا، اسی لئے علی گوہر نظریں چراتا تھا، پھر گوہر اٹھنے لگا وقت بہت ہو گیا یہ کہہ کر۔

''ابھی تو گیارہ بجے ہیں بھئی نئی تاریخ شروع ہونے میں ایک گھنٹہ باقی ہے۔'' حالار نے وقت بتایا اور ساتھ ہی اٹھا تھا۔

''آج تاریخ ہے نو، ایک گھنٹے بعد دس ہو گی، اگلی تاریخ تک ہم آپ لوگوں کو گھر تک چھوڑ دیں گے۔'' حالار مسکرایا تاریخ دیکھتے ہوئے اور فنکار کی مسکراہٹ جیسے فریز ہو گئی، سانس جیسے اٹک گیا، بے خبری بڑی نعمت ہے۔

''سارا دن اچھا گزرا مگر یہ ایک لمحہ، تو پھر چلیں۔'' حالار اٹھا۔

فنکار کو جیسے چکر آنے لگے تھے، چکر آتے ہی وہ گرنے جیسے ہو گئے اور علی گوہر نے آگے بڑھ کر ان کو تھام لیا تھا، حالار چار فٹ کے فاصلے پر حیران کھڑا تھا۔

☆☆☆

آج سنڈے تھا، اس نے رات سوتے وقت دعا کی تھی کہ اس ہفتے کا سنڈے نہ ہو اگر سنڈے ہو تو چھٹی نہ ہو، اگر چھٹی ہو تو عبدالحنان مصروف ہو اور آنا بھول جائے، مگر ایسا کچھ نہ ہوا صبح سویرے وہ اٹھی تو سنڈے کا دن تھا اور چھٹی بھی دن ساڑھے گیارہ تک وہ پڑی رہی بستر پر، پھر اٹھی فریش ہو کر باہر آئی عبدالحنان بیٹھا تھا، اس کے انتظار میں۔

''کیسی ہو امرت؟'' وہ اسے دیکھ کر اٹھا۔

''ٹھیک ہوں، تم سناؤ، کیا حال ہے؟'' ایک مسکراہٹ تھی جسے مصنوعی کہتے ہیں اور عام زبان میں دکھاوا بھی کہتے ہیں۔

''تو پھر تیار ہو جاؤ باہر چلیں۔''

''باہر، چائے تو پی لوں۔''

''باہر پی لیتے ہیں کسی کیفے میں ناشتہ تو میں نے بھی نہیں کیا۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے امرت چلے جاؤ باہر ناشتہ کر لینا۔'' وہ حنان کی خفگی کے ڈر سے بولیں تھیں۔

اس نے بیگ لیا جس میں چند روپے تھے اور سیل فون جو کہ ابھی تک کریڈٹ سے خالی تھا، وہ کل کروانا بھول گئی ریچارج۔

''ہم ہو سکتا ہے ڈنر بھی باہر کر لیں آنٹی، آپ انتظار نہ کیجئے گا۔'' وہ جاتے جاتے کہنے لگا۔

''نہیں نہیں ڈنر تک تو آ جائیں گے۔'' وہ بوکھلا گئی، حنان نے اسے خفگی سے دیکھا اور دونوں باہر نکل گئے، سب سے پہلے وہ کیفے میں آ گئے امرت نے چائے کا کپ منگوایا اور دو سلائس لئے، اس نے ناشتے میں برگر منگوائے چائے پی اور کیک لیا، اسے بھی کھانے کا کہتا رہا وہ منع کرتی رہی، دوپہر کا ایک بجا تھا جب ظہر کی اذانیں ہونے لگیں اور اسے نماز کی فکر ہونے لگی۔

''حنان مجھے نماز پڑھنی ہے۔''

''تو اس کے لئے ہم واپس گھر چلے جائیں؟'' وہ اسی انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

''یہاں قریب کوئی ایسی جگہ، ارے ہاں گوہر، نہیں عمارہ کا گھر قریب پڑے گا شاید اس علاقے سے۔''

''کوئی اور جگہ بتاؤ۔'' وہ ناگواری سے اسے دیکھنے لگا۔

''نماز تو پڑھنی ہے نا حنان۔'' وہ بیچارگی سے بولی۔

''میں اسی لئے تمہیں نہیں لانا چاہ رہا تھا، خیر چلو گھر پہ وہاں پڑھ لو۔'' وہ گاڑی کی طرف بڑھا۔

''تمہارے گھر؟'' وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ظاہر ہے، ایک مہینے بعد وہ تمہارا بھی ہو گا۔'' وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

اس کا گھر واقعی نزدیک تھا دس منٹ میں وہ لوگ پہنچ گئے۔

''اوہو بہو رانی آئی ہے گھر۔'' یہ عبدالحنان کی ماں تھی۔

''السلام علیکم!'' وہ جھجک کر آگے بڑھی، لاؤنج کے صوفوں کے کشنز بکھرے ہوئے تھے اور وہ بھی میلے کچیلے سے، اسے گھبراہٹ سی ہوئی۔

''کمرے میں چل کر پڑھ لو۔'' حنان اس کی کوفت کو محسوس کر رہا تھا۔

''کمرے میں۔'' اس کی ماں معنی خیز انداز میں ہنسی تھی، اسے بہت برا لگا تھا عجیب سا۔

''ارے دیکھو، تو بھئی آیا کون ہے ہمارے گھر پہ۔'' حنان کی بہن نے کچن سے جھانک کر کہا

اور عجیب طرح سے مسکرائی تھی۔

''بھابھی آئی ہیں، واہ بھی، آج تو بڑا اچھا دن ہے۔'' یہ حنان کا بھائی سلوٹوں بھری قمیض پہنے باہر نکلا تھا، اسے لگا جیسے اس کا سب مذاق اڑا رہے ہیں۔

وہ زندگی میں بہت کم کنفیوژ ہوئی تھی اور جب بھی ہوئی حنان کی فیملی کے سامنے ہوئی تھی۔ اب بھی برا وقت شروع ہوا چاہتا تھا، حنان کے بھائی کے دانت نہیں چھپ رہے تھے ماں کی مسکراہٹ، بہن کی ہنسی، وہ پوری طرح نروس تھی۔

حنان نے اسے کمرے میں آنے کا کہا، گھر میں ٹوٹل دو کمرے تھے اور ایک لاؤنج تھا، سامنے والے کمرے میں بھی چیزیں بکھری پڑی تھیں، بچوں کی کاپیاں نیکر شرٹس پھیلی تھی۔

''آپا اور اس کے شوہر کا کمرہ ہے، میرا وہ والا ہے۔'' وہ اس کے کمرے میں آئی، چھوٹا سا سنگل بیڈ تھا، ساتھ ایک مرر تھا اور نیچے کارپٹ پر حنان کے کپڑے پھیلے تھے آوے کا آوا بگڑا ہوا، اس نے تلخی سے سوچا تھا۔

''امی جاء نماز ہے؟'' حنان نے وہاں سے ہانک لگائی۔

''ارے میاں ہمیں نہیں مل رہی آ کر ڈھونڈ لو۔''

''یہاں کوئی نماز نہیں پڑھتا کیا؟'' وہ وضو کر کے آئی تھی۔

''سب جمعہ کے جمعہ پڑھتے ہیں۔'' حنان شوز اتار کر بیٹھ گیا بیڈ پر۔

''کوئی بات نہیں کوئی صاف ستھری چادر ہی دے دو۔'' وہ عجیب گھبراہٹ کا شکار تھی۔

حنان بیڈ سے اٹھا چادر کھینچی گولا بنا کر اس کی طرف پھینکا۔

''صاف ہے آج ہی بچھائی تھی۔'' اس نے بحالت مجبوری چادر پکڑی اور قبلہ رخ بچھا دی اپنے تئیں۔

''بھابھی جی! قبلہ اس طرف ہے اس طرف نہیں۔'' نبیل کھلے دروازے میں آ کھڑا ہوا۔

کسی اور کے گھر میں یہی مسئلہ ہوتا ہے کبھی کبھار، وہ پہلے ہی کنفیوژڈ تھی مزید ہوگئی۔

''کمال ہے نماز پڑھنے والے کو قبلے کا نہیں پتہ۔'' وہ قہقہہ لگا کر چلا گیا، وہ مرنے والی ہوگئی جیسے۔

''تم تھوڑی دیر کے لئے باہر جاؤ گے؟ میں نماز پڑھ لوں۔'' بے بسی سے حنان کی طرف دیکھا۔

''کیوں؟ میں تمہیں دیکھتا ہوں تم نماز پڑھ لو۔'' وہ ڈھٹائی سے بیٹھا تھا۔

''حنان پلیز۔'' وہ جیسے رونے والی ہوگئی، وہ کندھے اچکا کر باہر گیا، اس نے دروازہ بند کیا جلدی جلدی فرض اور سنت ادا کی اور باہر آئی، کتنا گھٹن زدہ کمرہ تھا، کھڑکی ایک نہ تھی، دم گھٹ رہا تھا، اسے ویسے ہی وینٹیلیشن اچھی ہونے کا بخار تھا ورنہ دم گھٹتا تھا۔

''خدایا میں یہاں رہوں گی۔'' وہ خود سے مخاطب تھی یا پھر خدا سے، باہر آئی چہرہ صاف کر کے، بیگ دیکھا، کہیں نہیں تھا۔

''حنان! میرا بیگ تھا یہاں۔'' اس نے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

''اوہ ہاں یہ رہا۔'' وہ وہیں میز پر پڑا تھا، سیل فون حنان کے ہاتھ میں تھا اس کا، اسے بہت عجیب لگا، وہ فون کے فیچرز کھول کھول کر دیکھ رہا تھا۔

''تمہارے پاس اتنے ٹیکسٹ بند پڑے ہیں۔'' پھر فون گیلری کھولی اور نمبر پہ آواز بلند پڑھنے لگا۔

''امی، انکل، عدنان، عمارہ، مس یاسمین، طاہر صاحب، حنان، بس اتنے کانٹیکٹ، یہ طاہر کون ہے؟''

''دفتر میں کام کرتا ہے، ہوگئی کاروائی تو فون لے لوں۔'' اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''لے لو، کب کا پرانا ماڈل ہے، کوئی اچھا سا فون لو کماتی کس لئے ہو۔'' وہ کتنا عجیب سا تھا یا پھر ہوگیا تھا۔

''اب چلیں۔'' اسے لگا وہ رو دے گی۔

''چلو، تمہارے بیگ میں پیسے تو ہیں نہیں، اے ٹی ایم نہیں لائیں۔''

''اے ٹی ایم کیوں؟'' وہ باہر نکلتے ہوئے جھلائی۔

''کمال ہے شاپنگ کے لئے اور کیوں؟'' وہ ہنسا تھا۔

''مجھے کوئی شاپنگ نہیں کرنی حنان۔''

''شادی میں دن ہی کتنے رہتے ہیں یار، تم کب کرو گی پھر یہ سب۔''

''مجھے چیزوں سے دلچسپی نہیں ہے، امی نے چند جوڑے بنا لئے کافی ہیں۔''

''اچھا، عجیب لڑکی ہو، چلو میں اپنے لئے کچھ لے لوں۔''

''وہ تم بعد میں لے لینا مجھے گھر چھوڑ دو پلیز۔''

''اچھا چلو فرنیچر ہی آرڈر کر دیں، سب کچھ تمہاری پسند کا ہو تو زیادہ اچھا ہے نا۔''

''اس کمرے میں فرنیچر ڈل سکتا ہے؟'' اس کا لہجہ عجیب ہوگیا، عجیب لوگوں کے ساتھ مل کر۔

''یہ تو ہے، پھر کیا کریں تم بتاؤ، گھر لے لیں، یا پھر کرائے کا فلیٹ۔'' وہ ڈرائیو کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' اس کی سانس کچھ بحال ہوئی۔

اس نے گاڑی کول بلڈنگ کے سامنے روکی جہاں پر پوری گیلری میں تیار اور غیر تیار شدہ فرنیچر اور شوروم تھا، حنان کو ہیوی بڑے بڑے بیڈ اور الماریاں پسند تھیں اور اس کی پسند یونیک سی تھی، آخر مل ملا کر ایسا پسند کیا جو دونوں کی نظر میں کچھ کچھ مناسب تھا، اس نے تھوڑا سا پالش چینج کروانے کو کہا اور نکل آئی۔

''ایڈوانس تو دینا ہے نا، کتنے پیسے دے سکتی ہو فی الحال۔'' وہ گاڑی سے نزدیک رکا تھا۔

''فرنیچر کے پیسے کون دے گا؟'' وہ چونکی۔

''ظاہر ہے لڑکی والے ہی دیتے ہیں۔''

''مگر حنان میں تو فی الحال افورڈ نہیں کر سکتی اتنی بڑی رقم۔''

''ستر ہزار تمہیں بڑی رقم لگ رہی ہے امرت، ابھی ٹی وی فریج وغیرہ دیگر چیزیں بھی لینی

ہیں۔"

"سوری حنان میں جہیز لینے کے بالکل بھی موڈ میں نہیں ہوں، میری ماں کہاں سے لائے گی اتنا سرمایا، میں نے تو تمہیں تب بھی کہا تھا اور امی کو بھی۔"

"کمال ہے اور آنٹی مان گئیں، لوگ کیا کہیں گے امرت ہم شادی کر رہے ہیں سب کے سامنے، میں تمہیں بھگا نہیں رہا جو دو جوڑوں میں لے جاؤں۔"

"حنان مگر یہ سب چیزیں فضول ہیں، اہمیت انسانوں کی ہوتی ہے چیزوں کی نہیں ہوتی۔"

"اگر ایسا ہے تو انسان کپڑے نہ پہنے، جوتے نہ خریدے یہ بیگ یہ موبائل یہ سب کیا ہیں، ضرورت کی چیزیں ہیں نا، بولو انسان رہ سکتا ہے ان کے بغیر وہ سب ٹھیک ہے حنان مگر مجھے جہیز نہیں چاہیے، میں چاہتی ہوں ہم جو خریدیں اپنی کمائی سے، اپنی محنت سے خریدیں۔"

"اگر ایسا ہی تھا تو فرنیچر آرڈر کر کے مجھے ذلیل کیوں کروایا اب میں کیا کہوں ان لوگوں کو۔"

"یہ سب تمہاری خواہش تھی، میں نے تمہیں نہیں کہا تھا، کہ تم فرنیچر آرڈر کر دو، حد ہو گئی۔" وہ بگڑ گئی پوری طرح سے جو اتنی دیر سے برداشت کر رہی تھی۔

"تو یہ بات کرو کہ تمہاری ماں نے کچھ نہیں جمع کیا تمہارے لئے۔" وہ اسے گھورتا ہوا بیٹھ گیا۔

"مجھے تم سے قطعی ایسی باتوں کی امید نہ تھی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"اور تم نے جو میری امیدوں پر پانی پھیرا ہے وہ کیا ہے؟"

"حنان تمہیں میری پرواہ ہے یا چیزوں کی یہ بتاؤ۔"

"تم اپنے آپ کو چیزوں سے میچ کر رہی ہو؟"

"تم نے مجھے کسی قابل کر رکھا ہے کہ اب میں اپنا موازنہ چیزوں سے کر رہی ہوں۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں تھیں۔

"اب یہ ڈرامہ میرے ساتھ مت کرو رونے دھونے کا۔" وہ تلخ تھا۔

"گاڑی روکو۔" وہ چلائی۔

"میں نے تمہیں کہا حنان گاڑی روک دو۔"

"نہیں روکوں گا ہرگز نہیں۔" اس نے اسپیڈ بڑھا دی۔

"میں تمہیں کہہ رہی ہوں روک دو۔" اس نے اسٹیئرنگ پہ دھرا اس کا ہاتھ جھٹکا تھا، اس نے فوراً بریک لگایا تھا۔

"تم جاہلوں کی طرح بیچ سڑک پر چیخ رہی ہو۔"

"تم جاہلوں کی طرح مجھے یوں چیخنے پر مجبور کر رہے ہو۔" وہ فوراً اتری تھی۔

"میں کہتا ہوں رک جاؤ امرت۔" وہ دھاڑا، وہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئی اور خوش نصیبی تھی کہ علی گوہر بوکھلایا ہوا وہاں کسی ہسپتال کے سامنے کھڑا تھا اسے دیکھ کر دور سے پہچان گیا مگر اس طرف آنے کی ہمت نہ ہوئی، وہ گوہر کو سامنے دیکھ کر شرمندہ ہو گئی۔

"میں تمہیں گھر چھوڑ دوں امرت؟" وہ آگے بڑھا، وہ کچھ نہ کہہ سکی، گوہر نے ہاتھ بڑھا کر رکشہ روکا سامنے سے آتا ہوں اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا، حنان سے دور سے دیکھتا رہ گیا۔

"کچھ مت پوچھنا علی گوہر۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"صرف اتنا پوچھوں کہ تمہیں فی الحال اپنے گھر لے جاؤں یا تمہارے گھر، گھر پہ صرف عمارہ ہے، اماں اور ابا کہیں گئے ہیں دعوت پہ، مجھے عمارہ کے پاس لے چلو گوہر۔"

"یہ سن کر اچھا لگا کہ تم لوگوں کی دوستی ہو گئی ہے۔" کل کا دن ہر طرح سے اہم تھا، وہ کوئی اور بات کر کے اس کا موڈ بدلنا چاہ رہا تھا۔

"تم نے لنچ کیا ہے؟"

"میرا کچھ کھانے کا موڈ نہیں ہے۔" وہ خود کو کمپوز کر چکی تھی گوہر نے رکشے والے کو رکنے کا اشارہ کیا اور امرت نے ٹوک دیا۔

"میں نے کہا کہ گوہر مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ امرت کا موڈ دیکھ کر ڈر گیا اور رکشے والے کو چلنے کا کہا، کچھ ہی منٹ میں وہ گھر کے سامنے تھے۔

اندر آتے ہی امرت کمرے میں چلی گئی جہاں عمارہ تھی وہ کچھ لینے کے خیال سے باہر نکلا اور دروازہ باہر سے ہی بند کر دیا احتیاطاً، اسے اس وقت خود سے زیادہ جس سے ہمدردی ہو رہی تھی وہ امرت تھی۔

☆☆☆

"عمارہ! میں تھک گئی ہوں، میرا دل چاہتا ہے میں سو جاؤں۔"

"کیا میں سو جاؤں۔" وہ زندگی میں پہلی بار کسی سے لپٹ کر سوئی تھی اور وہ عمارہ تھی، اس سے پہلے امر کلہ روتی تھی اور وہ اسے چپ کراتی تھی، سمجھاتی تھی، بہلاتی تھی، ابھی عمارہ اس کے سامنے بیٹھی تھی اور اسے بہلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"عجیب طرح اِدھر اُدھر کی باتوں سے۔"

امرت خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی اور پھیکی مسکراہٹ سے اسے جتاتی کہ ابھی تمہاری ہر کوشش بے سود جا سکتی ہے۔

"عمارہ! میں تھک گئی ہوں، میں سونا چاہوں گی، کیا میں سو جاؤں؟" وہ بچوں کے سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"سو جاؤ امرت۔" وہ لیٹ گئی اس کے گھٹنے پر سر رکھ کر، جیسے عمارہ اس کی بہن ہو، دوست ہو عزیز ہو اور ایسا ہی تو تھا۔

اسے نیند آنے لگی تھی تبھی علی گوہر ہاتھ میں سامان کے شاپرز لئے ہوئے اندر آیا، عمارہ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بولنے سے منع کر دیا اور آہستہ سے اس کے ہاتھ سے تکیہ لے کر اس کے سر کے نیچے رکھا اور گھٹنا کھسکایا، اس کے اوپر چادر ڈالی اور کمرے سے باہر آ گئی جہاں گوہر کھڑا تھا۔

"امرت سو گئی؟"

"ہاں وہ سو گئی ہے، کل میں تھکی ہوئی تھی اس کے کمرے میں سو گئی تھی آج اسے میری ضرورت پڑ گئی۔" وہ نیند میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

''وہ بہت پریشان ہے گوہر۔''

''ہاں میں جانتا ہوں۔''

''تم نے کچھ دیکھا گوہر، تم کہاں سے اسے پک کروائے ہو؟''

''اس کا منگیتر سرراہ اس پر چیخ رہا تھا، وہ بھی چلا رہی تھی، تبھی میں سامنے کھڑا تھا، مجھے کہنے لگی گوہر کچھ نہ پوچھنا، اس لئے میں نے کچھ نہیں پوچھا، کیا تمہیں بھی اس نے یہی کہا ہے۔''

''نہیں، وہ صرف روئی، بہت روئی اور پھر تھک گئی، کہنے لگی نیند آ رہی ہے سوؤں گی، پھر سو گئی، اچھا ہے نیند لے لے تو سکون آ جائے گا اسے۔''

''میں کھانا لے آیا ہوں گرم کر لینا، مجھے دے دو، بھوک لگی ہے۔'' وہ چارپائی پر بیٹھ گیا ہاتھ صاف کر کے، وہ اس کے لئے کھانا نکالنے لگی۔

''خود مجھے بھی بھوک لگی ہے اس کے لئے رکھ دیتی ہوں۔'' اس نے گوہر کو دیا اور ایک پلیٹ میں اپنے لئے نکالا اور بیٹھ گئی، کرسی کھینچ کر، باقی شاپرز میں امرت کے لئے رکھ کر ہاٹ پاٹ میں ڈال دیا۔

''تم کہاں رہے رات بھر؟'' اسے اچانک یاد آیا۔

''اماں ابا نے انتظار کیا ہوگا؟''

''اب نہیں پوچھتے تمہارا وہ۔''

''اب وہ عادی ہو گئے ہیں میری آوارگی کے؟''

''نہیں، اب ان کو تمہارے لوٹنے کا یقین ہو گیا ہے کہ کسی وقت بھی تم لوٹ آؤ گے۔''

''یہ یقین اچھا ہوتا ہوتا ہے نا عمارہ؟'' وہ کھاتے ہوئے رکا۔

''یقین تو ہوتا ہے اچھا ہے گوہر، ایسی نعمت اور کوئی نہیں، اسے اپنے خدا پر بھی یقین نہیں نہ ہی کسی اور پر۔''

''کس کو امرت کو؟''

''نہیں لا مرت کی امر کلہ کو۔'' وہ بے ساختہ کہہ گیا۔

''یہ کہو کلہ میری امر کلہ کو، امرت کا سہارا کیوں لیا ہے۔''

''تمہاری امر کلہ؟'' وہ جان بوجھ کر مسکرایا۔

''نام مت لو اب اس لڑکی کا، سب کو نچا کر رکھا ہوا ہے۔''

''اسے کچھ نہ کہا کرو عمارہ جس کا کوئی ٹھکانہ بھی نہیں، خانہ بدوشوں کی طرح جی رہے ہیں، خدا جانے کہاں ہوگی۔''

''تمہیں تو اچھا اس کا عشق لگ گیا ہوا ہے۔'' عمارہ اصلی پہ لوٹ آئی، گوہر کھانا ختم کرتے ہوئے ہنس دیا اور ہنسنے لگا۔

''کتنے خوش ہوتے ہو، بتیسی نکل آتی ہے اس کے نام پر۔''

''کتنا جلتی ہو عمارہ۔'' وہ خود ہی اٹھ کر برتن سمیٹنے لگا۔

''اب کہاں جاؤ گے لور لور پھرنے، آنکھیں دیکھی ہیں اپنی، آوارہ خانہ بدوشوں جیسا حلیہ، حلقے دیکھو، کون مر گیا ہے تمہارا؟'' وہ بغیر سوچے سمجھے بازاوقات بات کہہ جاتی تھی اور کبھی کبھار تو بولنے کے بعد بھی نہیں سوچتی تھی۔

''کون مر گیا ہے میرا، دوست، ساتھی، بڑا بھائی، ہمدرد، رونا تو بنتا ہے نا عمارہ، اتنا دکھ تو ہوتا ہی ہے۔''

''کون؟ وہ تمہارا پروفیسر جسے تم فنکار کہتے ہو۔'' وہ اٹھی تھی۔

''اسے خدشوں سے ستا رکھا ہے، ہسپتال میں ہے جب سے ڈیٹ پتہ چلی، رو رہا ہے، بچوں کی طرح، اسے غم ہے کہ میں کیسے بچ گیا اور جو بچا ہوا تھا وہ مر گیا، اسے کیا کہوں کہ جو بچنا ہوتا ہے بچ جاتا ہے، جسے مرنا ہوتا ہے مر جاتا ہے، کبھی موت کے ہاتھوں اور کبھی عشق کے ہاتھوں۔'' وہ بیسن کے آگے جھکا۔

ہاتھ دھوئے منہ صاف کیا، برش کیا، چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اپنی خانہ بدوشوں جیسی شکل آئینے میں دیکھی ایک لمحہ رکا پھر خود کو اجنبی خانہ بدوش سمجھ کر نظر ہٹا لی، کئی دنوں سے خود اسے اپنے نقش جھولے ہوئے تھے، خود وہ خود کو بھولا ہوا تھا۔

کبھی سامنے موت ہوتی تو کبھی عشق ہوتا، جس سے خدشے اور غم کا گہرا تعلق ہوتا ہے اور سوچ بچار تو جیسے تحفے میں ملی ہوئی تھی اسے، وہ چپکے سے چہرہ خشک کر کے ایک جیکٹ بازو پر ڈال کر چل دیا اور اسے جاتے ہوئے جو دیکھتی رہی وہ عمارہ تھی۔

☆☆☆

نواز حسین کوئی فجر سے نزدیک وہاں پہنچا تھا، آدھا گھنٹہ تھا فجر کی اذان میں، نواز نے تانگہ باہر روکا اور اندر راہ داریوں مسافر خانوں سے ہوتا ہوا مسجد عبور کر کے مزار کی چھوٹی سی کوٹھی میں آ گیا، اندر اندھیرے کا راج تھا۔

کوئی گٹھڑی کونے میں دھری تھی، وہ دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھا، پھر جیسے دل میں آئی اٹھا اور مزار کے پائنتی جانب آ بیٹھا، سنگ مرمر کی سلاخوں کو تھاما اور سر رکھ دیا اور ایسے رویا نواز حسین، ایسے رویا، جیسے کبھی رویا ہی نہ ہو۔

گھپ اندھیرے میں سرہانے مزار کے پڑی گٹھڑی میں حرکت پیدا ہوئی خاتون نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا، پھر کوئی پائنتی جانب تھا نظر نہیں آتا تھا اگر کوئی سرہانے سے بیٹھا ہوتا تو، اس لئے کوئی کسی کو نظر نہ آیا۔

ایک تھا نواز حسین جو بچہ بن گیا تھا اور ایک کالی چادر والی انسان نما گٹھڑی یا گٹھڑی نما بندی، ہچکیاں اندھیرے میں گھل رہی تھیں، اس بار سر اٹھانے کی باری نواز کی تھی، مگر سامنے کچھ نہ تھا سوائے سنگ مرمر کی سلاخوں کے۔

☆☆☆

وہ سو کر اٹھی تھی اور آدھی تھکن جیسے ہوا ہو گئی تھی، واش روم میں اس کا اپنا جوڑا رکھا تھا جو عمارہ گھر سے پہن کر آئی تھی، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی جو مرر میں اپنا چہرہ دیکھتے ہی غائب ہو گئی تھی، آنکھوں کے نیچے اس قدر ہلکے تھے اور چہرے پر کیا تھکن تھی، اسے خود پہ لمحے کے لئے

ترس آ گیا، پھر آئینے سے نگاہ ہٹائی چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اور کمرے سے باہر نکل آئی، جہاں عمارہ اس کا انتظار کر رہی تھی، عصر کی اذان ہو چکی، مغرب ہو رہی تھی، اس نے وہیں کھڑے کھڑے وضو کیا تھا اور سامنے رکھی جاء نماز برآمدے کے ستون کے آگے بچھا دی عمارہ نے بھی نماز کی نیت باندھی ادا کی اور دعا کی، امرت ابھی تک جاء نماز پر بیٹھی تھی اور عمارہ چائے تک بنا لائی۔

''ایسی کون سی طویل دعا ہے جو ختم ہونے میں نہیں آ رہی امرت۔'' وہ کرسی لے کر دوسرے ستون کے پاس بیٹھی تھی۔

''ایسی نہ جانے کون سی دعا ہے جو مانگنے میں اتنی مشکل ہے، کچھ نہیں سمجھ آتا اس سے کیا مانگنا چاہیے اور کیا نہیں، یہی نہیں پتہ کہ کیا ملے گا اور کیا نہیں۔'' وہ جاء نماز تہہ کر کے اٹھی۔

''علی گوہر کہتا ہے مانگنا چاہیے یہ سوچنا ہمارا کام نہیں کہ کیا ملے گا کیا ملنا ہے، علی گوہر کے بہت استاد ہیں جو اسے طرح طرح کی پٹیاں پڑھاتے رہتے ہیں، اقوال زریں کا پورا چیپٹر ہے اس کے پاس۔''

''علی گوہر نہیں آیا عمارہ؟'' امرت اپنے حصے کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے چائے کا کپ لے کر پوچھنے لگی۔

''آیا تھا پھر کھانا لے آیا تھا تم سو گئیں تھیں، پھر چلا گیا اپنی لن ترانی سنا کر۔''

''رہنے دو، تم چائے پیو، میں نے اتنی اچھی چائے تو نہیں بنائی جیسی تمہیں بنانے آتی ہے مگر بس اس لائق ہے کہ اسے چائے کہا جائے۔''

''چائے کو چائے کی طرح بنایا جائے اتنا ہی کافی ہوتا ہے، مگر تمہاری چائے بہت اچھی ہے۔'' امرت مسکرانا چاہتی تھی مگر مسکرا نہ سکی تھی۔

''تمہیں اس وقت چائے کی ضرورت ہے امرت اس لئے تمہیں چائے اچھی لگ رہی ہے، جب ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہ ہو تو خواہ وہ کتنی اہم اور خوبصورت کیوں نہ ہو، ہمارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، ہم انسان بہت مطلب پرست ہیں امرت، مطلب پسند تو ہیں ہی مگر مطلب پرست بھی ہو گئے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو عمارہ، میں یہی نہیں سمجھ پا رہی کہ مجھے اس دوران کس کی زیادہ ضرورت ہے، عبدالحنان کی ساری خامیاں میرے سامنے تھیں، مگر تب مجھے اس کی ضرورت تھی، اب نہیں ہے، اب شاید اسے میری ضرورت ہو۔''

''یہی سوچ کر اپنے آپ کی قربانی دے رہی ہو، یاد رکھو امرت فیصلہ ہمیشہ گلے پڑتا ہے، فیصلہ مہنگا بھی پڑ جاتا ہے اور سب سے سستا بھی فیصلہ ہی ہوتا ہے۔'' عمارہ کو کیا ہوا کہ وہ بھی علی گوہر اور امرت جیسی گہری گہری باتیں کرنے لگی تھی۔

''مگر اس کے باوجود بھی فیصلہ کرنا پڑتا ہے عمارہ۔'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

''فیصلہ کر کے پچھتا رہی ہو؟'' عمارہ کپ خالی کر چکی تھی۔

''شاید، پچھتا رہی ہوں، مگر جب رستہ نظر نہ آئے تو کیا کرنا چاہیے، عمارہ ہم اپنے قدم تو نہیں روک سکتے نا۔''

''امرت ہم رستہ صاف تو کر سکتے ہیں نا۔''

''ہم کیسے رستہ صاف کریں؟'' کپ میں بچے ہوئے وہ چائے کے گھونٹ ٹھنڈے اور بے مزا ہو گئے، اس نے کپ رکھ دیا نیچے بلی جانے کہاں سے ٹپک آئی اور کپ میں منہ مار کے دو گھونٹ پی گئی۔

امرت نے گرا ہاتھ کپ ہاتھ میں اٹھایا جس کا کڑا گرنے کے سبب ٹوٹ چکا تھا، اس نے کڑا فرش سے اٹھایا تو اس کا چھوٹا سا کانچ انگلی میں چبھ گیا، ایک چھوٹے سے کانچ نے انگلی کے پور میں سوراخ ڈال دیا تھا، جس سے خون کی پتلی سی دھار بہہ کر ہتھیلی تک پھیل گئی۔

''کانچ اٹھاؤ گی تو درد تو ہوگا نا۔'' عمارہ نے اس کی ہتھیلی پکڑ کر اپنا دوپٹے کا پلو انگلی کے پور پر رکھ کر خشک کیا، زور سے دبانے پر خون کی دھار جذب ہو گئی تھی۔

''دوسروں کے لئے جھگڑنے والے جب خود ہمت ہار جاتے ہیں تو برا لگتا ہے ہر چیز اپنی جگہ پر اچھی لگتی ہے نا امرت، تھو پومت فیصلے۔''

''کیا کروں عمارہ، فیصلہ دے چکی ہوں، پھندا تیار ہے اور اب سزائے موت کا اعلان ہوا چاہتا ہے، وہ خدا ہے جو سزائے موت کے تختے سے پھندا اٹھا لے، اٹھا سکتا ہے۔'' عمارہ نے اس کی ہتھیلی صاف کرنا شروع کر دی اس کی انگلی کے پور پر میز کے خانے سے سنی پلاسٹ نکال کر چپکایا۔

''ویسے اقوال زریں کا چیپٹر گوہر نے تمہیں بھی دے دیا ہوا ہے۔'' امرت اس کی ہمدردی دیکھ کر مسکرائی۔

''توبہ ہے تم بھی نا، ویسے سزائے موت، عمر قید جیسی باتیں کر کر کے بھی خراب کر دیا ہے، اب یہ بتاؤ قصہ کیا ہے، کیوں اتنی الجھی ہوئی ہو، میرا یہ مسئلہ ہے کہ میں زیادہ دیر تک نہ اقوال زریں کہہ سکتی ہوں نا ہی سن سکتی ہوں، مجھے سیدھا اور سچا بولنا سننا پسند ہے، الٹے سیدھے تجزیئے اور باتیں کر کے لوگوں کو الجھانا مجھے الجھا دیتا ہے اور ایک تم اور گوہر ہو، حد ہو گئی، ہمیشہ دوسروں کو بھی لٹکا کر رکھتے ہو خود بھی لٹکنے رہتے ہو۔''

''ہمیں شاید ہر وقت کسی معجزے کا انتظار رہتا ہے، مگر ہم تو پریکٹکلی بھی کام کرتے ہیں، پتہ نہیں کیا الجھن ہے عمارہ جو سلجھتی ہی نہیں ہے۔''

''تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت تمہارا کوئی ایک مسئلہ نہیں ہے اسی لئے تمہارے سارے مسئلے الجھ رہے ہیں اور تم انہیں باری باری سلجھانے کے بجائے ایک ہی وقت میں سلجھانے کی کوشش میں خود بری طرح الجھ گئی ہو۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو عمارہ، سو فیصد درست، ایسا ہی ہے۔''

''تو پھر پہلے فیصلہ کر لو کہ تمہیں پہلے کیا کام کرنا ہے، شاید غلطی یہاں ہوئی ہے کہ تم سب سے آخر میں کرنے والا فیصلہ سب سے پہلے کر رہی ہو۔'' امرت دنگ رہ گئی اس کی بات پر، سب سے آخر میں کرنے والا فیصلہ سب سے پہلے۔

''ہاں، مجھے شادی کا فیصلہ اتنی جلدی نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

"مگراب تو کر چکی، اب انکار میری زندگی کو الجھا دے گا، عبدالحنان مجھے چین سے مرنے بھی نہ دے گا۔"

"پھر مرنے کی بات، اف، اچھا ایک حل ہے مسئلے کا۔"

"وہ کیا؟" امرت سیدھی ہوگئی۔

"شادی سے انکار نہیں کرو، شادی ڈلے کر دو، لیٹ کر دو۔"

"میری بات اب کون سنے گا عمارہ؟"

"کوئی ایسا بہانہ جس سے یہ شادی خود بخود ڈلے ہو جائے۔"

"کیا ہو سکتا ہے۔" امرت سوچ میں پڑ گئی۔

"ہو سکتا ہے کوئی بھی، تمہیں تب احساس ہوگا جب تم اپنے بستر پر لیٹ کر آرام سے سوچو گی ہر وہ بات ہر وہ پہلو کو، ہر قابل غور قابل اعتراض اور قابل اعتراف بات کو لے کر تمہیں پتہ لگ جائے گا کیونکہ ہر مسئلہ اپنے اندر ایک حل رکھتا ہے۔" عمارہ نے زندگی میں پہلی بار کسی کو لاجواب کیا تھا اور وہ امرت تھی دوسروں کو لاجواب کر دینے والی۔

وہ کئی لمحوں تک عمارہ کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے احساس دیکھتی رہی۔

یہ احساس اس کے اپنے تھے یا پھر دیکھنے والے کے، یہ مگر احساس ضرور تھے، تیرتے ہوئے، سوچنے والے، اندر تک اتر جانے والے اور ان سارے چھوٹی چھوٹی کشتیوں کی صورت آنکھوں کے سمندر میں تیرنے والے احساسوں میں ایک کشتی محبت کی بھی تھی، ایک احساس محبت کا بھی تھا، جس کی وجہ سے ہونٹوں کو مسکراہٹ چومتی تھی، ہونٹوں پر کھیلتی تھی اور خوش ہوتی تھی۔

☆☆☆

رات کو کوئی ساڑھے گیارہ بجے تھے جب وہ دونوں سڑک پر نکل آئیں تھیں کافی پینے کے لئے، رات سوا آٹھ بجے کے قریب اماں ابا نے عمارہ سے بات کی اور کل تک واپسی کا بتایا، اس بہانے اس نے خالہ سے بات کر کے امرت کو روک لیا تھا کہاں وہ اس کے آنے پر ہی خفا ہوتی تھی اور بات تک ڈھنگ سے نہ کرتی تھی اور اب یہ انسیت کہ اس کے جانے کا خیال اسے ہولا رہا تھا کہ وہ چلی گئی تو اکیلی کیسے رہے گی، گوہر کے گھر لوٹنے کا تو کوئی بھروسہ نہیں ہوتا تھا۔

نماز عشاء اور کھانے کے بعد وہ باتیں کرنے بیٹھ گئیں، امرت نے صبح کا سارا احوال سنایا اور وہ ہنس ہنس کر دوہری ہوگئی، امرت کبھی اس کی ہنسی پر اسے گھورنے لگتی تو کبھی تعجب سے دیکھتی اور مسکرا دیتی، اس کی ہنسی نے کم از کم اس کا موڈ کافی حد تک اچھا ہو گیا تھا۔

اور ابھی جب وہ باہر نکل آئیں تھیں گلی کے گھپ اندھیرے میں ایک دم جیسے عمارہ کو سانپ سونگھ گیا۔

"امرت!" آواز میں ہلکا سا خوف در آیا۔

"کیا ہوا؟" وہ قدرے زور سے بولی۔

"آہستہ بولو، گلی میں اگر پڑوسیوں کا کتا ہوا تو؟"

"اُف عمارہ۔" اس کی ہنسی اب چھوٹی تھی۔

"کہا نا آہستہ ہنسنے والی بات پہ تو ہنسی آتی نہیں ہے۔" اور اب وہ دبے دبے لہجے میں بات کر رہی تھی، کسی نے دروازہ کھول کر جھانکا تھا جس دروازے کے سامنے وہ رکی تھیں۔

"کون ہے بھئی؟" عمارہ اوٹ میں ہوگئی تھی۔

"میں نے کہا کون ہے کوئی چور ہے کیا؟" آدمی سر سمیت باہر نکلا تھا۔

"نہیں جی خیریت ہے ہم گزر رہے تھے یہاں سے۔" امرت نے ہمت کر لی اس سے پہلے وہ ہاتھ میں پکڑی چھڑی گھماتا۔

"کون ہو لڑکی یہاں کیا کر رہی ہو اس وقت۔"

"میں ہوں انکل عمارہ میری کزن ہے یہ۔" عمارہ نکل کر سامنے آئی۔

"اوہ اچھا، خیر ہے نا پت؟ اس وقت گھر سے نکلی ہو؟" لاٹھی نیچے ہوگئی، امرت نے ہاتھ میں پکڑے سیل فون کی روشنی جلائی تو کچھ بجھائی دیا تھا۔

"جی انکل بس کام تھا، گوہر گھر پہ نہیں تو نکل گئے۔"

"اچھا اچھا میں چھوڑ آؤں پھر گھر تک؟"

"ارے نہیں ہم چلے جائیں گے انکل کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"دھیان سے پیچھے گلی کے آگے آوارہ لڑکے بیٹھتے ہیں۔" وہ ان کے ساتھ گلی کے نکڑ تک آیا تھا اور وہ دونوں باہر آ گئیں، اس وقت نہیں نکلنا چاہیے تھا، عمارہ کو ذرا احساس ہوا۔

"تمہارے علاقے کا تمہیں زیادہ پتہ ہوگا کہہ دیتیں نا، اب واپس بھی لوٹنا ہے ہمیں اتنے اندھیرے میں، بتی ہی لے لیتے کیا پتہ ابھی بجلی جانی ہے۔" امرت اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی وہ دونوں مین روڈ تک آ گئیں تھیں۔

"اب کہاں جانا ہے؟" امرت نے اردگرد کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا چھ منٹ کے وقفے کے بعد ایک آدھ گاڑی گزری تھی۔

"چلو شہر کی طرف گوہر کو ڈھونڈتے ہیں، تم نمبر ملاؤ دیکھو لگتا ہے؟" عمارہ نے دور تک نظر دوڑائی، بجلی اس علاقے میں آ چکی تھی اور روشنی ہوتے ہی کچھ اطمینان ہوا تھا۔

"شکر ہے خدا کا کہ بجلی آ گئی۔" عمارہ ذرا مطمئن تھی۔

"ہم دنیا کے اندھیروں سے گھبراتے ہیں ادھر قبر کا اندھیرا ہمارا انتظار کر رہا ہے۔" وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

"خدا کے لئے امرت ڈراؤ نہیں۔" اس نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"سچ بات ہے عمارہ کبھی سوچنا۔" وہ روڈ کے کنارے کنارے چل رہی تھیں۔

"تمہاری آخر مجھ سے ایسی کیا دشمنی ہے جس کا بدلہ دوستی کی صورت لے رہی ہو، تم چاہتی ہو میں یہاں ہی چیخ چلا کر کسی گاڑی کے سامنے آ جاؤں۔" عمارہ شدید خائف ہوئی۔

"اللہ نہ کرے کیسی باتیں کرتی ہو عمارہ۔"

"شکر ہے اللہ کو تو مانتی ہو نا۔" عمارہ کا ہاتھ اس کے بازو پر نرم پڑا تھا۔

"ڈرو نہیں کچھ نہیں ہوگا، چلو سامنے کیفے نظر آ رہا ہے ٹھنڈ بھی بہت ہوگئی ہے۔" وہ دونوں

کیفے میں آ گئیں۔

''اب تو ڈر نہیں لگ رہا نا؟'' امرت نے اپنا کافی کا کپ پکڑتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تھا جواب میں اس نے گھور کر دیکھا۔

''تم رستے میں ایسی باتیں کرو گی تو ڈر تو لگے گا نا امرت، کاش کہ میں تمہیں دعا دے سکتی کہ تم کبھی نہ مرو اور وہ دعا قبول بھی ہو جاتی۔'' اب وہ اسے تنگ کر رہی تھی۔

''یہ میں کسی اور کو بھی کہتی رہی ہوں۔'' دوسرا جملہ اس نے آہستگی سے ادا کیا تھا۔

''خیر اب تم لوگ جب نہیں رہو گے تو خالی میں زندہ رہ کر کیا کروں گی، ساٹھ ستر سالہ زندگی بہت ہے۔''

''اچھا اور ساٹھ ستر سالہ زندگی میں تم کیا کرنا چاہو گی؟''

''دیکھو اب ستائیس سال تو دیکھتے دیکھتے گزر گئے، اب دیکھیں کم از کم اماں کی طرح ساری ساری رات اپنے بیٹے اور شوہر کے لئے تڑپتے ہوئے نہیں گزارنا چاہتی، عورت بیچاری بڑی عجیب ہے امرت۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی اس وقت اس کی سنجیدگی سے جو معصومیت ٹپک رہی تھی دور تک کوئی احساس نہ ہوتا کہ یہی عمارہ ہے جو زبانی تیر جب چلاتی ہے تو کیا خوب برساتی ہے، بھروسہ عمارہ کا نہیں بھروسہ زبان کا نہ تھا سوچ کا نہ تھا اور احساس کا نہ تھا۔

اسی کیفے میں غنودگی لئے ہوئے بیٹھا حالار آوازوں پر چونکا تھا پھر گردن گھمائی سامنے عمارہ پشت پر امرت تھی۔

''ارے دیکھو امرت وہ۔''

''کون علی گوہر؟'' اس نے سامنے دیکھا۔

''ارے نہیں وہ حالار ہی۔'' وہ پوری گھوم گئی حالار سامنے بیٹھا تھا، پھر رخ بدل لیا، موڈ آف ہو گیا اس کا، وہ خود اٹھ کر ان کی میز تک آیا۔

''گوہر کا کچھ پتہ ہے آپ کو؟'' اس سے پہلے وہ کچھ کہتا عمارہ بولی۔

''ابا کے پاس ہے وہ۔''

''وہ بچ گئے نا؟'' عمارہ نے بے ساختہ پوچھا۔

''ان کو کیا ہوا تھا؟'' امرت فوری طور پہ بے چین ہوئی تھی۔

''اب بہتر ہے سب مگر ان کو بہتر ہونے کا یقین نہیں آ رہا، بہتر ہے کہ بیٹھ کر بات کریں۔'' عمارہ کو گردن اٹھا کر اسے دیکھنے میں عجیب لگ رہا تھا۔

''ہمیں وہاں لے چلیں۔'' اس سے پہلے امرت اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہم وہاں کیوں جائیں گے؟'' عمارہ کو بھی اٹھنا پڑا تھا۔

''علی گوہر کو لینے کے لئے اور ان کا حال پوچھنے کے لئے۔''

''ان کا حال پوچھنے جا رہی ہو۔'' عمارہ نے ناگواری سے ان پر زور دے کر کہا۔

''تو پھر میں کیوں جاؤں۔''

''تم گوہر کو پوچھنے، اس کی خبر لینے، چپ کر کے چلو۔'' امرت نے اسے گھورا اور حالار نے

ان دونوں کو بغور دیکھا اور اپنی گاڑی کی طرف آیا تھا جو کسی جاننے والے نے اسے آج دی تھی کچھ دنوں کے لئے۔

وہ دونوں پیچھے بیٹھ گئیں، پچیس منٹ کے راستے میں حالار خاموش تھا اور عمارہ کی بڑبڑاہٹ غیر واضح تھی، امرت نے ان پچیس منٹوں میں کئی بار اسے نظروں سے ٹوکا اور کئی بار سر جھٹکا تھا، پچیس منٹ بعد وہ دونوں ہسپتال کے روم نمبر گیارہ میں موجود تھیں۔

☆☆☆

آج رات امرت گھر سے باہر تھی، وقار جلدی سو جایا کرتے تھے، وہ نماز پڑھ کر رات گیارہ تک بالکل فری تھیں اور آج نیند بھی نہیں آ رہی تھی، امرت کے کمرے میں آ کر بتی کھول دی تھی اور بے وجہ ہی اس کی چیزوں کو ٹٹولنے لگیں، الماری کے ایک خفیہ دراز میں جہاں لوگ سونا چھپا کر رکھتے تھے چوروں کی وجہ سے جو الماریوں کی تہہ میں پوشیدہ ہوتے تھے ان کا سب سے پہلا دھیان اسی خفیہ خانے کی طرف گیا، خفیہ خانے بنانے والوں کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ چور ہمیشہ خفیہ جگہ سے آتا ہے اور گزر جاتا ہے، تجسس ہمیشہ خفیہ چیز میں دلچسپی رکھتا ہے۔

اور ان کے اندر کے تجسس نے ہاتھ مارا تجوری کھولی اور جہاں لوگ سونا چھپا کر رکھتے تھے، وہاں پہ امرت نے کالے بوسیدہ پھٹے ہوئے چمڑے کے کور والی بے رنگ ڈائری چھپا کر رکھی ہوئی تھی، چھپانے والی چیز کو ایسے چھپایا جاتا ہے، انہوں نے ڈائری ہاتھ میں لے لی۔

''کیا ملکیت ہے اس کے اندر جسے تجوری کی تہہ میں چھپایا گیا ہے۔'' ہاتھ ایسے کانپے تھے، جیسے چور کے پہلی چوری کے وقت کانپتے ہیں۔

تجوری کا خانہ لاک کیا، الماری بند کی، سب چیزیں اپنی جگہ پر رکھی ہوئیں تھیں، کوئی ایک چیز اپنی جگہ سے ہٹ چکی تھی اور وہ تھی کالے پھٹے پرانے ہلکے چمڑے کے بوسیدہ کور والی ڈائری۔

☆☆☆

امرت کے بڑھتے قدم کچھ فاصلے پر تھمے تھے، وہ حال پوچھنا چاہتی تھی مگر حال دیکھ رہی تھی اسی لئے کہہ دیا کہ کیا حال بنایا ہوا ہے آپ نے اپنا۔

وہ مسکرائے رات سے یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو اوقات پتہ چلنے کے بعد اب ہونٹوں پر آئی تھی، مگر اتنی نہ کہ چہرے پر پھیل جاتی، ہونٹوں تک محدود رہی، انہوں نے اشارے سے اسے پاس بلایا، وہ دو قدم کے فاصلے پر کھڑی ہو گئی تھی۔

''سوچ رہی ہوں موت سے زیادہ ایسا کون سا احساس ہوگا جو انسان کو مرنے سے پہلے مار دے۔'' حالار امرت کو پوری توجہ سے دیکھ اور سن رہا تھا۔

اور علی گوہر کونے والی کرسی پہ ناراض بچہ بنا بیٹھا تھا جو کھلونا نہ ملنے پر خفا ہو کر چپ کا اظہار کرتا ہے، عمارہ اس بچے کو کڑے تیوروں والی ماؤں کی طرح گھورتے ہوئے بیٹھ گئی کرسی پر۔

اور فنکار کی پوری توجہ سماعتوں سمیت دل کے امرت کے لئے پیش تھی۔

''موت سے زیادہ خطرناک محبت ہے، تمہیں نہیں پتہ، اس کا خوف مار کر تباہ اور تباہ کر کے بھسم کر دیتا ہے۔'' وہ مسکرا نہ سکے، محبت کا ذکر ایسے کیا جیسے موت کا کیا جائے۔

وہ ایک موت کے ہاتھوں لاجواب تھی ایک محبت کے ہاتھوں، وہ کیا کہہ پاتی، بس ان کے حلیے اور حال چال سے لے کر آنکھوں کی ویرانی تک نظر گھماتی رہی۔

''تم نے ابھی میری ڈائری نہیں پڑھی نا، اچھا ہوا۔''

''اسے کسی خزانے کی طرح چھپا کر رکھا ہے، جہاں لوگ سونا چھپاتے ہیں سر۔'' وہ مسکرائی۔

''چور ہمیشہ سونے کی تلاش میں رہتے ہیں۔''

''فکر نہ کریں چوری مشکل ہے، آپ مجھے بتائیں، یہ کہ کیا کچھ سوچتے رہتے ہیں۔''

''تم جب میری ڈائری پڑھ کر ختم کر لو تو محترم نام نکال کر باقی کی جلا دینا ڈائری، شاید یہ تمہارے لئے ہی رکھی تھی۔''

''جلاؤں گی نہیں، بس چھپا کر رکھوں گی۔''

''تاکہ چوری کرنے کا امکان رہے، بہت ڈرتا ہوں امرت، عمر بھر ایسے کام کیے، ڈرنے والے، تم پڑھ لینا اور جو چھپانا ہو اپنے اندر چھپا لینا اپنے ذہن میں، میرے مرنے کے بعد سارے رسائل میری یادداشتیں کھنگالنے بیٹھ جائیں گے۔''

''محبت ہر کوئی کرتا ہے مگر موت کو طاری آپ نے کیا ہے جو کہ مقررہ دن ہے، اللہ کا حکم ہے، دنیا سے منتقلی کا سفر ہے۔''

''یہ سفر ہے ایک دنیا سے دوسری دنیا تک کے مقام کا، سفر شروع ہوا تھا عالم ارواح سے اور سفر قبر تک بھی رکے گا نہیں سفر تو جاری رہے گا جس کا انت خدا جانتا ہے۔''

''کچھ راز ایسے ہوتے ہیں جن پر پردے نہیں اٹھائے جاتے، ان رازوں کو کھوجنا حماقت ہے، بے وقوفی ہے، وقت کا زیاں ہے، بے چینیوں کو بڑھا دینا ہے، اتنے عرصے سے سوائے بے چینیوں کو بڑھا دینے کے علاوہ آٹھ ماہ نو دن موت کی مالا جپتے گزار دیے، اگر یہ آٹھ ماہ نو دن اللہ کے نام کی مالا جپتے آپ تو موت ہوتی یا زندگی مگر سکون اور قرار ضرور ملتا، اللہ کا نام جپنے کی جو تاثیر اندر اترتی جس سے بیماریاں بیٹھ جاتی ہیں جس سے صفائیاں ہوتی ہیں، دل کے اوپر جمی گرد صاف ہوتی رہتی ہے۔''

''المیہ یہ ہے کہ اس سے رشتہ یا تو زندگی کی طلب کا ہے یا اختتام کا یا پھر خواہش کا، ان ساری چیزوں سے ہٹ کر جب اللہ کے نام سے تعلق رکھنے کی کوشش کی جائے تو شاید بے منزل ہی مسافر ٹھکانے لگ جائے۔'' اس کا لہجہ دھیما ہوا تھا۔

سارے چپ کی چادر میں ساعتوں کو محفوظ کیے ہوئے کوئی کھڑا کوئی بیٹھا تھا۔

''وہ کئی آنسو جو غم روزگار میں بہتے ہیں، وہ کئی آنسو جو کسی کی تلاش میں جاری ہوں، وہ تمام اشک جو حسرتوں کے جال میں جکڑے ہوئے ارمانوں پہ بہتے ہیں، ان سب آنسوؤں سے وہ ایک آنسو جو اس کی محبت میں بے ساختہ بہہ نکلتا ہے اور لڑھک کر گالوں تک آ جاتا ہے، وہ آنسو اپنے اندر جو طاقت رکھتا ہے اس کا اندازہ نہ آپ کو نہ مجھے، بس اتنے سارے آنسوؤں میں سے دعا کیجئے گا کہ کوئی ایک آنسو ضرور ہو، جو موت اور زندگی سے ہٹ کر صرف اور صرف اسی کے لئے ہو، جس نے ہمیں زندگی پر آسان کیا اور زندگی کو ہم پر۔'' لہجہ رندھا ہوا، مگر لہجہ پھر بھی پختہ وہاں کھڑے جتنے

لوگوں کی آنکھوں نے لاوا اچھینکا، بے قراری اگلی، آنسو چھلکے، برابر ڈھلک کر گرے بھی تھے۔

''مگر کون جانتا ہے کہ ان آنسوؤں کے لشکر میں وہ ایک آنسو ہے بھی کہ نہیں ہے۔''

الہام بڑا مشکل تھا، منظر دھندلے تھے، سیاہی میں سے سفیدی نکلنے کا وقت ابھی دور تھا، رات اپنے آدھے حصے میں تھی اور رات کا سفر باقی تھا، عبدالہادی نے آنکھیں موند لیں، اشک بے اختیار تھے، ساعتوں کے عقب میں کہیں دور سے ایک صدا گونجی تھی، کوئی دور کی صدا، گزرے ہوئے کل کی مسکراہٹ چھپ گئی آنسوؤں کی اوٹ میں۔

روندے عمر نبھائی
یار دی خبر نہ کائی
تھکین رنجھایاں توکھے
تھکین پر چاپاں
ڈس کوڑاں ڈس کوڑاں
(کیسے رجھاؤں، کیسے مناؤں، کوئی گرایا ہو، کوئی گرایا)
یا تھیاں مومن ، پاک نمازی
جانی جوڑایاں تھکین ، سرڑو نوایاں
(یا تو مومن پاک نمازی، جس میں جانی تم ہو رازی، تمہیں مناؤں، سر کو جھکاؤں)

(جاری ہے)

بات جو تم سے ہوئی

فرح طاہر

بری طرح بوریت کا شکار ہونے کے باوجود بھی میں وہاں بیٹھا رہنے پر مجبور تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کسی بھی طرح وہاں سے اٹھے اور بھاگ نکلے، مگر فرار کی خواہش کے باوجود اسے وہاں اس وقت بیٹھا رہنا تھا جب تک دلہن کی رخصتی نہ ہو جاتی، دراصل وہ اس وقت ایک شادی میں موجود تھا جہاں نہ چاہنے کے باوجود بھی اسے اپنی بہن کی خاطر آنا پڑا، چونکہ قدسیہ (دلہن) اس کی بہن کی بچپن کی دوست تھی، قدسیہ کی طرح وہ اسے بھی بھائی کہا کرتی تھی اسی لئے وہ اسے وشز دینے اندر تک چلا آیا، جہاں اس نے اس سے رک جانے کی فرمائش کی تو اسے مجبوراً وہاں رک جانا پڑا، جس کے نتیجے میں وہ اس وقت یہاں بیٹھا بور ہو رہا تھا، نازنین کے بھائیوں نے اس کو کمپنی دینے کی کوشش کی تھی مگر بارات کے آ جانے کے بعد انہیں مہمانوں کی طرف جانا پڑا تو وہ وہاں اکیلا رہ گیا، اب جب بوریت حد سے سوا ہونے لگی تو وہ گہری سانس لیتا بالآخر اٹھا اور اسٹیج پر بیٹھی دلہن اور اس کے برابر بیٹھی قدسیہ کی طرف بڑھا تا کہ ان کو اپنے جانے کا بتا سکے، تیز تیز قدم اٹھاتا وہ آگے کی طرف بڑھ رہا تھا جب بے دھیانی میں اٹھی اس کی نظر کے ساتھ ساتھ اس کے قدم بھی اپنی جگہ جم کر رہ گئے۔

اس وقت اس کی نظر کے سامنے ایک ایسا چہرہ تھا جس کے لئے اگر کہا جائے کہ "چاند زمین پر اتر آیا" تو بھی کم تھا، وہ اس مثال سے بڑھ کر حسین تھی، تیکھے خدوخال گلابی رنگت، بڑی بڑی نشیلی آنکھیں جو آئی شیڈو کے دھنک رنگوں سے اور زیادہ قاتل بنا دی گئی تھی اور آئی لائنر کی گہری لکیر مزید ستم ڈھا رہی تھی، اسے میک اپ کی قطعی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن ایک نوجوان لڑکی ہونے کے ناطے اس نے بہت خوبصورتی اور سلیقے سے میک اپ کیا ہوا تھا، مہندی کے خوبصورت رنگ اس کی گلابی ہتھیلیوں پر عجب بہار دے رہے تھے، کھلتے میرون کلر کے کرتے، چوڑی دار پاجامے اور بھرے ہوئے کامدار دوپٹے کے ساتھ وہ اتنی خوبصورت دکھائی دے رہی تھی کہ ہال میں سبھی لڑکیاں یہاں تک کہ خود دلہن کا چہرہ بھی اس کے مقابل کچھ پھیکا پھیکا سا لگنے لگا تھا، نجانے وہ کون تھی مگر کتنوں کو اپنی جگہ ساکت ہونے پر مجبور کر گئی تھی جبکہ اس کی آمد پر لڑکیوں میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔

"گوہر آ گئی، گوہر آ گئی۔"

نازنین جو دلہن بنی شرمائی سی سر جھکائے بیٹھی تھی اس صدا کے بلند ہونے پر یکا یک وہ بھی بے چین نظر آنے لگی، گوہر چند لوگوں سے سلام دعا کے بعد سیدھی نازنین کے پاس سٹیج پر چلی آئی، اس کے نزدیک پہنچنے پر نازنین نے فوراً دھیمی آواز میں اس سے شکوہ کیا تھا۔

"کل سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں اور تم آج آ رہی ہو؟" نازنین کے شکوے پر وہ کانچ کی نازک چوڑیوں جیسی کھنک دار آواز میں بولی تھی۔

"سوری...... میں خود آنا چاہتی تھی مگر چاہنے کے باوجود بھی نہ آ سکی۔" مسکراتی ہوئی وہ مزید کہہ رہی تھی۔

"مگر اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، میں تو خود الجھ کر رہ گئی ہوں، ایک طرف میرے پیپرز ہیں تو دوسری طرف تمہاری شادی، میرے لئے تم دونوں ہی اہم ہو نہ تو میں پیپر چھوڑ سکتی اور نہ تمہاری شادی۔" وہ منہ بنائے اب اس سے شکوہ کر رہی تھی۔

"نجانے تمہارے "ان" کو کا ہے کی اتنی

جلدی پڑی ہے تمہیں لے اڑنے کی، کیا تھا جو دس پندرہ دن مزید انتظار کر لیتے، تب تک میرے پیپرز بھی ختم ہو جاتے اور پھر میں بھی سکون سے اپنی عزیز سہیلی کی شادی انجوائے کر سکتی۔"

اپنے شکوے کے ساتھ ساتھ اسے نازنین کی ناراضگی کا احساس بھی تھا اس لئے اس کی ناراضگی دور کرنے کو اچھی خاصی تفصیل سے جواب دے کر اس کی ناراضگی دور کرنے کی کوشش کی تھی جس میں وہ خاصی حد تک کامیاب بھی رہی تھی۔

نازنین مسکرا کر دوبارہ سر جھکا گئی تھی، جس پر گوہر نے سکون بھری سانس لیتے ہوئے اس کی اس ادا پر شوخی سے اس کی طرف جھک کر اس کے کان میں نجانے کیا سرگوشی کی تھی جس کی وجہ سے نازنین کے چہرے پر مزید گلال بکھر گیا تھا۔

"بھائی جان چلیں کھانا کھالیں۔"

میں نجانے کب تک ایسی بے خودی کے عالم میں اس حسینہ کو دیکھتا رہتا جو اگر قدسیہ نے آ کر مجھے پکارا نہ ہوتا، اس کی پکار پر میں چونک کر سیدھا ہوا اور خفیف سا مسکرا کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا، ایسا نہیں تھا کہ آج سے پہلے میں نے کبھی حسین چہرے نہیں دیکھے تھے، بارہا مرتبہ بے شمار خوبصورت چہرے میری نظروں کے سامنے سے گزرے تھے، مگر ان میں سے کسی چہرے نے کبھی اس طرح نہیں چونکایا تھا جس طرح اس چہرے نے خودبخود میری توجہ کے تمام رنگ اپنی طرف کھینچ لئے تھے۔

اس کا حسن سب سے جدا تھا، اس کی شخصیت میں جو خطرناک حد تک دلکشی تھی وہ میں نے آج تک کسی میں نہیں دیکھی تھی۔

خوبصورتی مرد کی کمزوری ہوا کرتی ہے اور میں بھی ایک مرد تھا اسی لئے حسین چہرے مجھے بھی خودبخود اپنی طرف متوجہ کر لیا کرتے تھے، اب اس کا ہرگز بھی یہ مطلب نہیں کہ میں ایک دل پھینک مرد ہوں، مجھے نہیں یاد کہ آج سے پہلے میں کبھی کسی خوب صورت چہرے کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھا ہوں، یا کسی کے لئے محبت جیسا جذبہ میرے دل کے افق پر چاند بن کر چمکا ہو، اس قسم کے جذبات نے آج پہلی بار میرے دل کی سرزمین پر قدم رکھے تھے، مجھے اسے دیکھتے رہنا اچھا لگ رہا تھا، دل تھا کہ بار بار اس سے مخاطب ہونے کی ضد کیے جا رہا تھا، مگر شاید ابھی تکمیل کا وقت نہیں آیا تھا، وہ مسلسل دلہن کے ہمراہ اسٹیج پر براجمان رہی اور میں دور بیٹھا اس کی صورت کو آنکھوں کے راستے دل میں اتارتا رہا، اس رات شادی سے واپسی پر گھر آنے کے بعد تک میری نظروں میں بس وہی ایک چہرہ آباد رہا جس کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے دیکھنے کی خواہش میں دل میں آباد کر چکا تھا۔

☆☆☆

اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق مجھے بچپن ہی سے تھا اور میرے اس شوق سے ابا جان خوب واقف تھے اسی لئے انہوں نے مجھے ہر فکر سے آزاد رکھ کر میرا دھیان صرف پڑھنے کی طرف کیے رکھا، مگر قسمت میں نجانے کیا درج تھا کہ ابھی جب میں بی کام کر رہا تھا تو ابا جان ہمیں تنہا چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے، صدمہ بہت بڑا تھا میں تو بری طرح بوکھلا کر رہ گیا تھا، مگر جب نظر روتی بلکتی اماں اور بہن پر پڑی تو مجھے خود کو سنبھال کر ان کو دلاسہ دینا پڑا، گھر میں اب واحد مرد تھا، اب مجھے ہی سب کچھ سنبھالنا تھا، تب اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالتے ہوئے میں نے مستقبل کی شاہراہ پر نظر دوڑائی تو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا کوئی راستہ دکھائی نہ دیا، اس سے دل کو بڑی مایوسی ہوئی مگر

اماں اور قدسیہ کی خاطر دل کو سمجھا بجھا کر میں اپنی اس خواہش سے دستبردار ہو گیا، جیسے تیسے بی کام مکمل کیا کہ ادھوری تعلیم کے ساتھ نوکری کا ملنا مشکل ہو رہا تھا، رزلٹ آنے پر ایک بینک میں ملازمت مل گئی، یوں زندگی کی کشتی سبک روی سے بہنے لگی۔

☆☆☆

نازنین کی شادی کو ہفتہ گزر چکا تھا، دن گزرنے کے باوجود میری دیوانگی جوں کی توں تھی، دل کسی طرح بھی سنبھلنے نہیں پا رہا تھا، بلکہ ہر گزرتے دن کے ساتھ میری بے قراری بڑھتی جا رہی تھی اور ستم تو یہ تھا کہ میں اس حسینہ کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا تھا، مگر میں اس کے متعلق سب کچھ جان لینے کا شدید خواہش مند تھا، اتنی شدید خواہش کے باوجود مجھے کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا، بہت سے خیالات کے ساتھ دل میں ایک خیال آیا کہ نازنین کے پاس جاؤں اور گوہر کے متعلق ساری پوچھ گچھ اس سے کر لوں اور جب میں نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو یہ جان کر شدید مایوسی نے اپنے لپیٹے میں لے لیا کہ دو ماہ ہوئے نازنین اپنی فیملی کے ہمراہ کسی دوسرے شہر شفٹ کر چکی تھی، میرے پاس اس کا کوئی فون نمبر بھی نہیں تھا جو میں اس سے کسی طرح رابطہ کر بھی سکتی، امید کی پہلی اور آخری کرن مایوسی کی لپیٹ میں آ کر بجھ کر رہ گئی اور میری اپنی حالت کا عالم یہ تھا کہ فرصت میسر آتے ہی اپنی تنہائی کو گوہر کے تصور سے آزاد کر کے اپنے دل کو سمجھانے کی کوشش کرتا تھا، مگر ایسا کر کے میری تڑپ و اضطراب میں مزید اضافہ ہونے لگا تھا، اپنی اس قدر دیوانگی پر کبھی کبھی مجھے شدید غصہ آتا کہ دور دور کی اس ادھوری ملاقات کے بعد سے میں جس کو دیوانوں کی طرح سوچ رہا ہوں وہ اس سب سے بالکل بے خبر تھی،

میں اس کو اپنی اس قدر دیوانگی اور اس کے لئے اپنی محبت سے اسے باخبر کرنا چاہتا تھا، مگر ملاقات کی کوئی صورت دور دور تک دکھائی نہیں دیتی تھی، ہر صبح ایک نئی امید کے ساتھ روشن ہوتی مگر یہ صبح کی رات مایوسی تلے گزر جاتی۔

دن گزرنے لگے تو میں نے خود کو تسلی دے کر سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ یہ سب وقتی ابال ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرا یہ ابال اور جنون ختم ہو جائے گا کسی حد تک میری سوچ درست بھی تھی، کیونکہ وقت مزید آگے بڑھا تو اس حسینہ کی یاد میں کمی آنے لگی، اب میں پہلے کی طرح ہر وقت اسے سوچتا نہیں رہتا تھا، مگر اتنا ضرور تھا زندگی کی اس موڑ میں کسی راستے پر جب کبھی کوئی حسین چہرہ دکھائی دیتا تو میرے تصور میں چھم سے وہ اتر آتی کو پل بھر کو میں کہیں کھو سا جاتا۔

"وہ روشنیاں، وہ قہقہے اور وہ لڑکیوں کے جھرمٹ میں گوہر کا چاند کی طرح طلوع ہونا اور چاروں اور جگمگاہٹیں بکھر دینا۔" گزرے تمام مناظر کسی فلم کے ٹریلر کی طرح میرے ذہن کی اسکرین پر روشن ہو جاتے تب اسی پل میں، میں صدق دل سے دعا کرتا تھا کہ کاش اس بڑے شہر کے کسی مقام پر کسی سڑک کنارے، یا کسی آشنا کے گھر پر وہ ایک بار مجھے نظر آ جائے تو میں ذرا سا بھی وقت ضائع کیے بنا اپنا دل اس کے سامنے کھول کر رکھ دوں تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ کس طرح اور کب سے ایک اچھا بھلا شخص اس کی محبت دل میں آباد کیے اس کے لئے خوار ہو رہا ہے، یہ شاید میری تڑپ اور دعاؤں کا اثر تھا کہ اللہ نے میری اس تمنا کو ذرا دیر سے ہی صحیح مگر پورا کر دیا، اس دن میں تھکا ہارا بینک سے لوٹا تو بھوک سے برا حال تھا اس لئے سیدھا قدسیہ کے

کمرے میں گھستا ہوا بولا۔

"قدسیہ کدھر ہو بھئی، جلدی سے کھانا لے آؤ بہت زوروں کی بھوک لگی...... ہے......" میری بات ادھوری رہ گئی لفظ جیسے منہ میں جم سے گئے تھے۔

"یا الٰہی...... جولائی کی چلچلاتی دھوپ والی دوپہر میں چاندنی کے حسن جیسا خواب۔" میں نے بہت زور سے آنکھوں کو بند کر کے دوبارہ کھول کر اس طرف دیکھا تھا۔

وہ اب بھی اپنی جگہ اسی شان سے براجمان قدسیہ کی کسی بات پہ مسکرا رہی تھی، جبکہ ان کے برابر میں بیٹھی نازنین گفتگو میں ان کا ساتھ دینے کے ساتھ ساتھ اپنے بیگ سے کچھ تلاشنے کی سعی کر رہی تھی، جونہی قدسیہ کی نظر مجھ پر پڑی تو اٹھتی ہوئی میرے پاس آ گئی۔

"بھائی آپ آ گئے؟ ہم کب سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔" اس کے ساتھ میں نے دو قدم آگے بڑھائے تھے مگر نظریں ہنوز اس پری پیکر پہ ٹکی تھیں، یہ شاید میری مسلسل دیکھتی نظروں کا اثر تھا کہ گوہر نے اپنی ننھی سی ناک کو سکیڑ کر اپنا رخ بدلا، مجھے اس کی ناگواری کا احساس ہوا تو میں نے فوراً اپنی نظروں کا رخ بدل کر نازنین کی طرف کر دیا، جو کہ ایک بیگ ایک طرف رکھے سیدھی کھڑی ہوتی کہہ رہی تھی۔

"اشہر بھائی، بہت راہ دکھائی آپ نے؟" اس کا شکوہ بجا تھا آج میں معمول سے کہیں زیادہ لیٹ ہو گیا تھا۔

"سوری...... آج بینک میں کلوزنگ چل رہی ہے بس اسی لئے دیر ہو گئی، خیر آپ سنائیں، شادی کے بعد باہر شفٹ ہو گئی نہ جاتے وقت ہم سے ملی نہ ہی کوئی اطلاع دی؟" وہ شکوہ جو اس کو لے کر مہینوں سے میرے دل میں اٹکا تھا اسے سامنے دیکھ کر فوراً لبوں پہ آ گیا۔

"اس کے لئے معذرت چاہتی ہوں، شفٹنگ بڑی اچانک ہوئی اور بہت جلدی میں ہوئی، اسی لئے نہ تو کسی سے مل سکی نہ اطلاع دے سکی، بعد میں نئی جگہ پر سیٹل ہونے میں وقت لگ گیا، اب جب سب سیٹ ہوا تو اسی لئے پہلی فرصت میں سب سے ملاقات کے لئے چلی آئی۔" اس کے شکوے کے جواب میں اس نے تفصیل بیان کر کے اپنی پوزیشن کلیئر کی تھی، میں چپ کر گیا، قدسیہ کھانا لگانے جا چکی تھی، کمرے میں اب بس ہم تینوں موجود تھے، جس سے بات کی چاہ تھی وہ لبوں پہ چپ کا قفل لگائے اجنبی بنی بیٹھی تھی، نازنین کو تعارف کا خیال آیا مجھے اس سے متعارف کرانے لگی۔

"بھائی یہ میری دوست ہے گوہر، میرا قیام آج کل اسی کی طرف ہے، آپ کی طرف کا ارادہ بنا تو یہ بھی ساتھ چلی آئی۔" اس نے بس یونہی سا ذکر کیا تھا مگر میں بے انتہا خوش ہو گیا۔

"بہت اچھا کیا جو آپ بھی ساتھ چلی آئیں۔" میں ایک بار پھر اس کی طرف متوجہ ہوتا خود سے اسے مخاطب کرتا بڑی بے ساختگی سے کہہ گیا تھا۔

میری بے ساختگی نے شاید اسے چونکایا تھا اسی لئے اس نے حیران نظروں سے میری طرف دیکھا تھا، جنہیں نظر انداز کرتا میں قدرت کے فراہم کیے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے مزید بات کرنا چاہتا تھا مگر اسی پل قدسیہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوتی بولی تھی۔

"بھیا! آپ کے لئے کھانا لگا دیا ہے۔"

شدید بھوک کا احساس تو اس کی صورت دیکھ کر کب کا مٹ چکا تھا، اب میں اس کے پاس بیٹھا رہنا چاہتا تھا مگر میرا اس طرح بیٹھا رہنا خود

مجھے بھی مناسب نہیں لگ رہا تھا اسی لئے چپ کر کے وہاں سے اٹھا اور کمرے سے نکل گیا، مگر دل میں ایک بار پھر امید کی کرن جاگ اٹھی تھی۔

☆☆☆

میری تلاش ختم ہوئی تو دل کو سکون آ گیا، مگر اس دن کی اس ادھوری اور نامکمل سی ملاقات نے میری تڑپ کو مزید بڑھا دیا تھا، اب جبکہ وہ قدسیہ کی بھی دوست بن چکی تھی تو اب اس سے میری دوسری ملاقات ممکن تھی، مگر میں جانتا تھا کہ ہر ملاقات نے اسی طرح ادھوری ہی ہونا تھی، اس لئے اب میں ان ادھوری ملاقاتوں کی بجائے ایک تفصیلی اور مکمل ملاقات کا خواہش مند تھا، مگر ایسی ملاقات کسی تعلق کے بنا ممکن دکھائی نہیں دے رہی تھی کیونکہ میں محسوس کر چکا تھا کہ گوہر ایک الگ مزاج کی لڑکی تھی جو غیر مرد سے بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی، ایسے میں، میں اس سے بات کر کے اپنا امیج اس کی نظروں میں خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔

اب میں اس سے شادی کا خواہش مند تھا، مگر اپنی ہی شادی کے لئے میں خود اپنے منہ سے اپنی ماں، بہن کو نہیں کہہ سکتا تھا، ایک بار پھر میں نے دعاؤں کا سہارا لیا اور ہر بار کی طرح اس بار بھی خدا نے میری دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخشا۔

"میں کمپیوٹر پر بیٹھا اکاؤنٹ کا کچھ کام کر رہا تھا، جب اماں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مجھے پکارا۔"

"اشہر بیٹا، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"جی اماں کہیں۔" میں کرسی کو چھوڑتا متوجہ سا ان کے برابر میں آن بیٹھا۔

"تم میرے بہت اچھے بیٹے ہو۔" اماں نے نہایت شفقت سے کہتے ہوئے میرے سر پہ ہاتھ پھیرا تو میرا دل خوشی سے بھر گیا۔

"اچھا، تو یہ بات کرنا تھی آپ نے؟" میں نے شرارت سے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"نہیں...... یہ بات تھوڑی نہ کرنا تھی، یہ تو بس پیار آ گیا تم پر اس لئے بتا دیا۔" اماں نے اسی کے سے انداز میں جواب دیتے ہوئے مزید کہا۔

"میں چاہتی ہوں اب تم شادی کر لو۔"

"کیا......؟" ان کے لفظ میری سماتوں سے ٹکرائے تو میرا دل تو جیسے خوشی سے بھنگڑے ڈالنے لگا، مگر خود پر کنٹرول رکھ کر میں نے انتہائی سعادت مندی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے اماں جیسے آپ کی مرضی۔" میں نے اپنی طرف سے رضامندی تو دے دی تھی مگر اب سوچ میں پڑ گیا تھا کہ ان کے سامنے گوہر کا کیسے بتاؤں؟

ابھی میں اِدھر اُدھر بکھرے لفظوں کو سمیٹ کر زبان تک لانے کی کوشش کر رہا تھا جب اماں نے کہا۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش اور آباد رکھے، نصیبن بوا آج کچھ لڑکیوں کی تصویریں چھوڑ کر گئی ہیں، میں قدسیہ کو کہتی ہوں وہ تمہیں سب تصویریں دکھا دے، پھر تم کو جو لڑکی پسند آئے اسے بتا دینا۔" قدسیہ سے بات کرنے کا سوچ کر میں قدرے ریلیکس ہو گیا۔

اماں کے جانے کے پندرہ منٹ بعد قدسیہ خوشگوار موڈ میں تصویریں لئے اندر داخل ہوئی مجھے ان تصویروں سے کوئی غرض نہیں تھی، اس لئے میں تصویروں کے بجائے قدسیہ کی طرف متوجہ ہوا تھا، جو شرارتی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''میرے بھیا کے سہرے کے پھول کھلنے والے ہیں۔'' اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کس قدر پرجوش ہے، میں نے ہلکی سی ابھرتی مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دبا کر اس کی طرف دیکھا تو اس نے ہاتھ میں پکڑی ساری تصویریں میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''اچھے سے ان سب تصویروں کو دیکھ کر بتائیں ان میں سے کون سی لڑکی میری بھابھی بن سکتی ہے؟'' میں نے ہاتھ بڑھا کر سامنے پڑی ساری تصویروں کو ایک طرف کر دیا تو قدسیہ نے حیرت و استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا تھا۔

''مجھے ان میں سے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی ہے۔'' میں نے اس کی نظروں میں بھرتے سوال کا جواب دیا تو وہ پھر سے اسی انداز میں پوچھنے لگی۔

''مگر کیوں بھیا؟''

''میری بہن ہو کر تم میری پسند سے بے خبر کیسے ہو سکتی ہو؟'' اب کی بار سوال میں نے کیا تھا۔

''میں آپ کی پسند سے خوب واقف ہوں بھائی اسی لئے ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکی تصویر پسند کر کے آپ کے پاس لائی ہوں، یہ دیکھیں۔'' اس نے ایک تصویر اٹھا کر میری طرف بڑھائی۔

''کہا ناں مجھے ان میں سے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی۔'' اس کی مسلسل تکرار سے چڑتے ہوئے میں نے جھنجھلاہٹ بھرے لہجے میں تیزی سے کہا۔

''اچھا، تو پھر کس سے کرنی ہے؟'' قدسیہ نے تھک کر ہاتھ میں پکڑی تصویر باقی تصویروں کے اوپر ڈال کر سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''گوہر سے۔'' میں مزید بحث میں پڑ کر وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے فوراً ہی گوہر کا نام لے کر اسے اپنی پسند سے آگاہ کر دیا۔

''گوہر؟'' قدسیہ نے قدرے حیرانگی سے دوہرایا تھا۔

''ہاں مجھے وہ بہت پسند ہے، قدسیہ اگر اس سے میری شادی ہو جاتی ہے تو میں خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھوں گا۔'' میں نے اس بار بڑے صاف لفظوں میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دیا تھا، جس پر قدسیہ نے چونک کر بہت گہری نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے شاید میری محبت کو پرکھنے کی کوشش کی تھی مگر پھر اس نے کہا۔

''بھیا...... آپ گوہر کی خوبصورتی سے متاثر ہو گئے ہیں مگر درحقیقت وہ بہت تیز مزاج لڑکی ہے۔'' شاید اس نے ایسا کہہ کر مجھے میری پسند سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی، مگر میں اپنی پسند سے دستبردار ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، اس لئے فوراً کہا۔

''وہ جیسی بھی ہے بس مجھے پسند ہے، پھر شادی کے بعد میں اسے اپنے مزاج کے مطابق ڈھال لوں گا، تم اس بات کی قطعی پرواہ مت کرو۔''

اس بار جواب میں قدسیہ نے کچھ بھی کہنے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی تھی، مجھے اس کی خاموشی ایک دم محسوس ہوئی تو میں نے کہا۔

''چپ کیوں ہو گئی قدسیہ؟ بتاؤ جاؤ گی ناں گوہر کے گھر رشتہ لے کر؟'' میں نے بڑی بے قراری سے سوال کیا تھا، جس پر اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے دھیمے سے کہا۔

''جی......'' اس کے مختصر سے اقرار نے

میرے اندر سکون بھر دیا تھا اس لئے میں پرسکون ہوتا اطمینان سے مسکرا دیا، اب آگے کا سفر انتہائی سہل ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

☆☆☆

اسے قدسیہ سے بات کیے ڈیڑھ ہفتہ ہونے کو تھا مگر ابھی تک اماں اور قدسیہ کے گوہر کی طرف جانے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے، میں جس ایک ایک پل گراں بن کر گزر رہا تھا، اسی قدر انتظار میرا نصیب بنتا جا رہا تھا، دو دن مزید انتظار کے بعد بالآخر میں نے قدسیہ سے پوچھ ہی لیا۔

''کیا بات ہے قدسیہ؟ تم نے گوہر کی طرف جانے کا کوئی پروگرام نہیں بنایا کیا؟''

''ہم نے پرسوں جانا ہے بھیا۔'' اس کے جواب پر میں چپ ہو گیا اب مزید دو دن اور مجھے انتظار کی سولی پر لٹکے رہنا تھا، میں نے اس وقتی اور آخری انتظار کا سوچ کر خود کو تسلی دیتے ہوئے جیب سے کچھ پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ کچھ پیسے رکھ لو، جب گوہر کی طرف جاؤ تو راستے میں سے اس کے لئے کچھ لیتی جانا۔'' میرے اندر شوق و اشتیاق کا جہاں آباد ہوئے جا رہا تھا، سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا، قدسیہ نے چپ کر کے پیسے میرے ہاتھ سے لئے اور ہلکا سا مسکراتی ہوئی اماں کی پکار پر ان کی طرف بڑھ گئی۔

مزید دو دن بھی گزر ہی گئے، اماں قدسیہ سمیت صبح سے گوہر کی طرف گئی ہوئیں تھیں، آج خود میرا جلد آنے کو بالکل دل نہیں تھا مگر پھر بھی یہ سوچ کر چلا آیا، کہ کہیں اماں اور قدسیہ میری اس قدر بے قراری کو دیکھ کر میرا مذاق نہ بنا دیں، ڈیوٹی ختم ہونے سے پہلے تک میں بڑی بے قراری کے عالم میں اپنے فرائض انجام دیتا رہا، مگر اس دوران میرا سارا دھیان گھر ہی کی طرف لگا رہا تھا، ڈیوٹی ختم ہوتے ہی تیز رفتاری کے تمام ریکارڈ توڑتا وقت سے ذرا پہلے میں گھر پہنچ چکا تھا۔

اماں نماز کی ادائیگی میں مشغول تھیں، میں قدسیہ کو تلاشتا کچن میں چلا آیا جہاں وہ کچن سمیٹنے میں مصروف تھی۔

''ہیلو قدسیہ؟'' فریج سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے میں نے اسے اپنی آمد کی اطلاع کرنا چاہی تھی۔

''بھائی آپ؟ آج اتنی جلدی چلے آئے؟'' وہ ذرا سی مسکرائی تھی۔

''ہاں، آج جلدی فارغ ہو گیا تھا، اس لئے جلدی چلا آیا۔'' میں نے اپنے انداز کو سرسری سا ہی رکھا تھا، مگر اندر سے مسلسل بے چین تھا اور جاننا چاہتا تھا کہ آخر گوہر اور اس کی فیملی سے ان کی ملاقات کیسی رہی؟

''اچھا، پھر آپ باہر چلیں میں کھانا لے کر آتی ہوں۔'' وہ پلٹی تھی مگر میں نے بازو پکڑ کر اسے روک دیا۔

''مجھے ابھی بھوک نہیں ہے، کچھ دیر ٹھہر کر کھانا کھاؤں گا۔''

''بھوک نہیں ہے یا فکر نے آپ کی بھوک اڑا دی ہے؟'' قدسیہ کی نظروں میں شرارت چمک رہی تھی، میں خود بھی مسکرا دیا۔

''جب سب جانتی ہو تو کیوں تنگ کر رہی ہو؟'' میں نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا، قدسیہ ایک دم سنجیدہ ہوتی میری طرف دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا؟ کیا تم گئی نہیں؟'' میرا دل زور سے دھڑکا تھا۔

''کیوں نہ جاتی بھائی؟ ہم بہت ارمانوں سے ان کے گھر گئے تھے، مگر وہاں جو سلوک ان لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا پوچھیں مت۔'' مجھے قدسیہ کا انداز قدرے دل جلا سا محسوس ہوا۔

''کیا مطلب؟ تم پوری طرح کھل کر بات کیوں نہیں کر رہی ہو؟'' اس کے انداز نے مجھے ایک دم ڈھیر ساری جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر کے رکھ دیا تھا۔

''مطلب یہ بھائی کہ ان لوگوں نے ہمیں رشتہ دینے سے بالکل انکار کر دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے خاندان سے باہر غیروں میں شادیاں نہیں کرتے ہیں۔'' اتنا کہہ کر وہ ذرا خاموش ہوئی پھر ذرا توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''بات اگر انکار تک رہتی تو بھی ٹھیک تھا کیونکہ رشتوں سے انکار ہو ہی جایا کرتا ہے افسوس تو اس بات پر ہے کہ انہوں نے ہم سے انتہائی روکھا رویہ رواں رکھا، انہوں نے ہم سے سیدھی طرح بات کی ہی نہیں اور گوہر نے تو ہمارے سامنے آنے کی زحمت بھی نہیں کی، ہم اتنی دیر بیٹھ کر یونہی واپس چلے آئے۔'' قدسیہ کے انداز میں غصہ ہی غصہ بھرا تھا، خود میں بھی ساری حقیقت جان کر گم صم سا ہو گیا تھا، وہ ایک خوبصورت لمحہ جسے ہاتھ میں تھام کر میں نے ڈھیروں سہانے سپنے بن ڈالے تھے، اس سے وہ لمحہ کانچ کے کھلونے کی طرح میرے ہاتھ سے گر کر بری طرح چکنا چور ہو گیا تھا، میں نے جان لیا تھا کہ گوہر میری قسمت میں ہی نہیں تھی اور جو کچھ قسمت میں درج نہ ہو تو وہ لاکھ جتن کے باوجود بھی ملا نہیں کرتا۔

میں اپنی قسمت سے ہار مان چکا تھا اور اب اپنی اس ہار کے زہر کو قطرہ قطرہ اپنے دل میں اتار کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اپنی اس کوشش میں کسی حد تک مجھے کامیابی نصیب ہونے لگی تھی، زندگی ایک بار پھر پہلے کی سی ڈگر پر چل پڑی تھی، جب ایک دن پھر سے قدسیہ بہت سی لڑکیوں کی تصویریں لئے میرے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

میں اب شادی کرنا نہیں چاہتا تھا مگر اب اماں قدسیہ کی شادی کر دینا چاہتی تھیں اور ساتھ ہی وہ گھر میں بہو لے آنے کی خواہش مند تھیں، میرا اپنا دل تو کب کا مر چکا تھا، مگر اماں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے میں نے بنا دیکھے ان تصویروں میں سے ایک تصویر اٹھا کر اماں کے حوالے کی چپ چاپ ان کے کمرے سے نکل آیا۔

اماں اپنی طرف سے تمام تیاریاں مکمل کیے ہوئے تھیں، جیسے ہی قدسیہ کا رشتہ پکا ہوا اماں نے ہم دونوں کی شادیوں کی تاریخ فائنل کر دی، پھر ایک سرمئی سی شام میں قدسیہ اپنے گھر کی ہو گئی، اس کی رخصتی سے اگلے دن صاحبہ رضا میری زندگی میں شامل ہو گئی۔

صاحبہ رضا وہ لڑکی تھی جسے میں نے بنا دیکھے اپنے لئے منتخب کیا تھا، میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیسی ہے، یا وہ کسی طرح کی فطرت کی مالک ہے، مگر اب یہ سب سوچنا فضول ہی تھا وہ جیسی بھی تھی اب میری شریک زندگی بن چکی تھی، اپنی باقی کی زندگی اب میں نے اسی کے ساتھ گزارنی تھی، گھونگھٹ الٹ کر جب میری پہلی نظر سامیہ پر پڑی تو اس لمحے میرے خیال کی رو بھٹکی اور میری نظروں کے سامنے گوہر کا دلکش اور مرمریں پیکر لہرایا، دل میں دبی حسرتوں نے ایک دم تیزی سے سر اٹھانے کی کوشش کی تو میں نے خود کو سنبھال کر اس کے تصور کو جھٹک کر اس کے خیال سے اپنے دامن کو چھڑا لیا۔

سامیہ اچھی خاصی قبول صورت لڑکی تھی، قدرت کے اس فیصلے پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے میں نے سامیہ کے ساتھ زندگی کے اس نئے سفر پر قدم رکھ دیا، سامیہ بڑی ملنسار ہنس مکھ اور سیدھی سادی گھریلو ٹائپ لڑکی تھی، تھوڑے ہی عرصے میں وہ ہمارے درمیان اس طرح گھل مل گئی جیسے وہ برسوں سے یہاں کی مکین ہو، اماں اور قدسیہ اس سے بہت خوش تھیں، وہ خود بھی ان کا ہر طرح سے خیال رکھا کرتی تھی جبکہ میں اس پر توجہ ذرا کم ہی دیا کرتا تھا، اس کے باوجود بھی وہ میرا خیال رکھتی تھی، میرا ہر کام وہ اپنے ہاتھ سے کرتی تھی، بہت کم عرصے میں اس نے میری پسند، ناپسند کو جان لیا تھا، میری شادی کو ایک سال ہونے کے باوجود مجھے آج تک اپنے گھر میں کبھی ساس بہو یا نند بھاوج والے جھگڑے دیکھنے کو نہیں ملے تھے۔

زندگی میں ہر طرف سکون ہی سکون محسوس ہوتا تھا، جب ایک شام اماں اور قدسیہ کی بہت تاکید کے بعد شادی کی سالگرہ کے موقع پر سامیہ کے لئے گفٹ لینے میں مارکیٹ آن پہنچا، جہاں نازنین سے اچانک ہونے والی ملاقات نے زندگی کے اس سکون کو منٹوں میں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

''ہیلو اشہر بھائی۔'' مجھے دیکھ کر وہ فوراً میری طرف آئی تھی۔

''ہائے نازنین، کیسی ہو تم اور تمہارے میاں؟'' جواباً میں نے بھی خوش اخلاقی سے اس کا اور اس کے میاں کا حال دریافت کیا تھا۔

''خدا کے کرم سے ہم دونوں خیریت سے ہیں، آپ سنائیں کیسے ہیں؟ آپ کی اور قدسیہ کی شادی ہو گئی اور آپ لوگوں نے مجھے بلایا تک نہیں؟'' اس کے لفظوں میں شکوہ ابھرا تھا میں بہت سا شرمندہ ہو گیا۔

''معافی چاہتا ہوں، مگر اس میں ہمارا قطعی کوئی قصور نہیں، قدسیہ نے آپ سے رابطے کی بہتری کوشش کی تھی مگر ہمارا کسی بھی طرح آپ سے رابطہ نہ ہو سکا، بس اسی لئے ہم آپ کو دعوت نامہ بھی نہ بھیج سکے۔'' انتہائی معذرت خواہ انداز میں کہتے ہوئے میں نے اس کے شکوہ کو دور کرنے کی کوشش کی تھی، جواباً وہ مسکرا دی، اس نے شاید میری معذرت کو قبول کر لیا تھا، میں نے سکون کا سانس لیتے ہوئے اس سے ایک بار پھر سوال کیا۔

''ہمارے شہر میں آئی ہو مگر ہمارے گھر کیوں نہ آئی آپ؟'' میں نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''فکر مت کریں، یہاں آئی ہوں تو اب لوگوں کی طرف بھی ضرور آؤں گی بس ذرا گوہر کی شادی سے فارغ ہو جاؤں، آج بھی بڑی مشکل سے ٹائم نکال کر ضروری سامان لینے ادھر آئی ہوں ورنہ بالکل فرصت نہیں مل پا رہی۔'' اس نے بڑی لمبی چوڑی تفصیل پیش کی تھی مگر میرا ذہن تو گوہر کی شادی کے لفظوں میں اٹک کر رہ گیا تھا۔

''گوہر کی شادی ہو رہی ہے؟'' دھیان کے باوجود میرے لفظوں میں بے دھیانی نمایاں تھی۔

''ہاں۔''

''اچھا، کہاں ہو رہی ہے اس کی شادی؟ وہ لوگ تو اپنے خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے ناں؟'' نجانے کیا جاننے کی چاہ نے مجھ سے یہ سوال کروا دیا تھا، مگر وہ حیران رہ گئی۔

''یہ آپ سے کس نے کہہ دیا؟''

''میں نے سنا تھا کسی سے ایسا۔'' اس بار میں نے اپنا انداز سرسری سا رکھا تھا۔

''آپ کو کسی نے غلط بتایا، ایسا نہیں ہے، وہ لوگ تو بیچارے گوہر کو لے کر اتنا پریشان تھے کہ

خاندان سے باہر بھی اس کی شادی کے لئے تیار تھے۔"

اس بار اس کے لفظوں نے میرے گرد جیسے دھماکے سے کیے تھے، جن کی زد میں آ کر میں بالکل چپ ہو کر رہ گیا تھا، جبکہ وہ مزید کہہ رہی تھی۔

"ان لوگوں کی بس اتنی سی ڈیمانڈ تھی کہ لڑکا اچھا ہو جو گوہر کو خوش رکھ سکے وہ چاہتے تھے لڑکا گوہر کی طرح پڑھا لکھا ہو اور اس کے اپنے خاندان میں لڑکے زیادہ پڑھے لکھے تھے ہی نہیں، اسی انتظار میں اتنا وقت گزر گیا، گوہر کے والدین حد درجہ پریشان رہنے لگے تھے۔" وہ کہے جا رہی تھی اور میں چپ کر کے اسے سنے جا رہا تھا کیونکہ میرے پاس اب کچھ کہنے اور پوچھنے کو رہا ہی نہیں تھا، اس سے بہت سے سوچوں نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، مگر سب سوچوں پر یہ سوچ سب سے زیادہ حاوی ہو رہی تھی کہ آخر قدسیہ نے مجھ سے وہ سب غلط بیانی کیوں کی؟

اور میرے اس سوال کا جواب مجھے صرف قدسیہ ہی سے مل سکتا تھا، نازنین کب کی وہاں سے جا چکی تھی، میں کتنی ہی دیر خالی الذہن کی حالت میں یونہی بے مقصد سا وہاں کھڑا رہا، پھر بنا کچھ لئے میں گھر لوٹ آیا۔

گھر پہنچ کر میں فوراً ہی قدسیہ سے اپنے سوالوں کے جواب لے لینا چاہتا تھا مگر میں فوراً اس سے بات نہ کر سکا، کیونکہ سامیہ اس کے ہمراہ تھی، میں چپ چاپ وہاں سے پلٹ آیا، بعد کے کسی بھی پل میں وہ مجھے اکیلی میسر نہ آ سکی، سامیہ مسلسل اس کے ہمراہ تھی، شام تک انہوں نے مل کر شادی کی سالگرہ کو لے کر ایک چھوٹی سی تقریب کا اہتمام کر ڈالا تھا، جس میں میرے علاوہ اماں قدسیہ کا شوہر اور خود وہ دونوں شامل تھیں، عشاء کے بعد کہیں جا کر یہ تقریب اپنے اختتام کو پہنچی اور میں سامیہ کے ہمراہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔

تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد سامیہ تھکاوٹ کی وجہ سے گہری نیند سو گئی خود میری نیند تو سوچوں کے درمیان الجھ کر رہ گئی تھی میں کچھ دیر یونہی لیٹا کروٹیں بدلتا رہا، مگر پھر کچھ سوچ کر اٹھا اور قدسیہ کے کمرے کے باہر آن کھڑا ہوا، بنا آہٹ کیے میں نے اس کے کمرے کے دروازے کو ہلکا سا پش کیا تو دروازہ ایک دم کھلتا چلا گیا، وہ شاید دروازہ بند کرنا بھول گئی تھی، میں پلٹ جانا چاہتا تھا جب یونہی سی میری نظر سامنے اٹھی تو میں تھوڑا حیران ہوا، جاوید (قدسیہ کا شوہر) بیڈ پر بے خبر سو رہا تھا جبکہ قدسیہ کمرے میں نہیں تھی، وہ شاید اماں کے پاس تھی، میں نے وہی کھڑے کھڑے کچھ سوچا پھر اماں کے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

میں اماں کے سامنے قدسیہ سے اپنے سوالوں کے جواب لینے کا فیصلہ کر چکا تھا، اماں کے کمرے کے سامنے پہنچ کر میں نے ابھی دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اندر سے سنائی دیتی قدسیہ کی آواز نے مجھے میری جگہ پر جمنے پر مجبور کر دیا، وہ بڑے فخریہ انداز میں اماں سے کہہ رہی تھی۔

"دیکھ لیجئے اماں، میرا فیصلہ کس قدر درست ثابت ہوا ہے، اگر اس وقت میں بھیا کی باتوں میں آ کر گوہر کے گھر رشتہ لے جاتی تو آج آپ اور میں یہاں اس طرح موجود نہ ہوتے۔" اس کے لفظ لفظ میں فخر نمایاں تھا، وہ کہہ رہی تھی۔

"بھائی جس طرح اس کے عشق میں پاگل ہوئے جا رہے تھے، ایسے میں اگر وہ لڑکی ہمارے گھر میں آ جاتی تو شاید ہمارا یہ مستقبل نہ ہوتا، وہ

بہت تیز لڑکی ہے اماں، ذرا سی کچھ اونچ نیچ ہوتی بھائی کو لے کر الگ ہو جاتی اور بھائی اس کی محبت میں انکار بھی نہ کر سکتے، پھر آپ کا اور میرا کیا ہوتا، ہم تو اکیلے رہ جاتے ناں؟ مجھے تو اس وقت یہ سب سوچ کر ہی فکر ہو گئی تھی، نہ تو بھائی کو اس رشتے سے باز رکھ سکتی تھی اور نہ ہی میں اپنی مخالفت ان پر ظاہر کر کے ان کی نظروں میں بری بننا چاہتی تھی، بس اس لئے اس وقت بھائی سے جھوٹ بولنا پڑا، ورنہ انہیں کیسے بتاتی کہ ہم گوہر کے گھر گئے تو تھے، مگر صرف اس سے ملنے کی نیت سے، رشتے کی بات تو ہم نے کی ہی نہیں تھی۔"

اماں درمیان میں کہیں نہیں بولی تھی، خود قدسیہ ہی جوش میں مسلسل بولے جا رہی تھی۔

"مصلحت کے تحت بولے جھوٹ کو تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے ناں اماں؟ میں نے بھی مصلحت کی خاطر یہ جھوٹ بولا، کیونکہ میں اپنے گھر کو بکھرنے دینا نہیں چاہتی تھی۔" وہ شاید اپنے جھوٹ پر گلٹ محسوس کر رہی تھی۔

میرے اندر کہیں کچھ بہت زور سے ٹوٹا تھا، مگر ہر طرف جامد خاموشی طاری تھی، میرے ہر سوال کا جواب مجھے مل گیا تھا، اسی لئے میں ہارے ہوئے جواری کی طرح پلٹ آیا تھا، سامیہ ابھی بھی بے خبر سو رہی تھی، میں اسی طرح خاموشی سے اس کے برابر میں آن بیٹھا۔

جس سے میں نے محبت کی تھی وہ مجھ سے دور تھی اور جو میرے قریب تھی وہ سراسر میرے گھر والوں کی ضرورت تھی، میں اپنے زیاں کا حساب کرنے بیٹھ گیا۔

"میں نے گوہر کو پا کر مکمل ہو جانے کی خواہش کی تھی مگر میری اس شدید خواہش نے مجھے پہلے سے کہیں زیادہ ادھورا کر کے رکھ دیا تھا۔"

دل میں رہنے والے زخم کے باوجود دل کے کسی کونے سے صدا بلند ہو رہی تھی کہ قدسیہ نے اپنے لئے جو کیا ٹھیک ہی کیا۔

شاید قدسیہ مجھ سے زیادہ سمجھ دار تھی، جو اس نے اس قدر آگے کی سوچ لی تھی، گوہر کو پا لینے کے بعد جو اگر واقعی اس کی اماں اور قدسیہ سے نہ بنتی تو؟ ایسے میں، میں تو تقسیم ہو کر رہ جاتا، پھر نہ تو میں گوہر کا ہو پاتا اور نہ گھر والوں کو توجہ دے پاتا، قدسیہ کے اس جھوٹ نے مجھے کھو دینے کا کرب تو بخشا تھا لیکن مجھے تقسیم ہونے کے عذاب سے بچا لیا تھا، قدسیہ نے ٹھیک کیا تھا۔

"اگر ایک آدمی بکھر یا ٹوٹ جائے تو غم نہیں ہوتا لیکن پورا گھرانہ کسی صورت نہ بکھرنے پائے، پھر اگر میرا گھر بکھر جاتا تو شاید میں گوہر کو پا کر خوش بھی نہ رہ سکتا مگر، یہ سب ہمارے اندازے تھے ہماری سوچ تھی کیا معلوم گوہر ایک اچھی بہو، اچھی بیوی ثابت ہو پاتی؟ اس کسک کے باوجود بھی میں خوش ہوں اس لئے کہ دکھ کے گہرے احساس تلے دبے ہوئے دل میں اپنے خاندان کو جڑے ہوئے دیکھ کر دل میں سکون سا اترتا محسوس ہوتا ہے۔"

☆☆☆

ملاحظہ

ایک عورت کپڑے کی بڑی دکان میں گئی جہاں ہزاروں کی تعداد میں بے سلائے جوڑے رکھے تھے
وہ دیر تک کپڑوں کو دیکھتی رہی پھر مایوسی سے بولی۔
"بس آپ کے پاس یہی کچھ ہے؟"
سیل گرل نے مودبانہ جواب دیا۔
"محترمہ میرے بدن کا بھی جوڑا ملاحظہ فرما لیجیے۔"

مبشرہ ناز

ایک طائرانہ نگاہ شوپیس پہ ڈال کر اس نے شوپیس کے ساتھ اپنے آپ کو توصیفی انداز میں سراہا تھا۔ ابھی وہ اسے توصیفی وتنقیدی نگاہ ڈال کر پیچھے ہی ہٹی تھی کہ سامنے بنی کھڑکی جس کا رخ لان کی طرف کھلتا تھا سے شیشہ توڑتی ہوئی بال اندر آئی اور وہ خوبصورت تاج محل کا شوپیس اس کے قدموں میں سجدہ ریز ہوگیا۔ اس حسین تاج محل کو کرچیوں میں بدلے دیکھ کر وہ یکدم سکتے میں آگئی۔

''ہا...... ہا...... ہا۔'' کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا ایک ہاتھ میں بیٹ تھامے دوسرے ہاتھ منہ پر رکھے وہ زور زور سے ہنس رہا تھا۔ لان میں کھڑے ہنستے سکندر کو خونخوار نظروں سے دیکھتی ہوئی وہ کسی شیرنی کی طرح بھاگ کر اس پہ جھپٹی تھی لیکن سکندر اس کی توقع سے زیادہ ہوشیار تھا۔ وہ اس کے رنگ بدلتے چہرے اور خونخوار نظروں ڈر کر دیکھ کر سیدھا لائبریری کی طرف بھاگا تھا۔ وہی تو ایک جائے پناہ تھی اس کے لیے جہاں کبھی بیٹھے دا جان اور کبھی بیٹھے مہروز بخت اس کی کلیجرے بخت سے جان چھڑواتے تھے۔ لان میں گرے ہوئے بیٹ کو گھورتے ہوئے اٹھا کر وہ سیدھی اس کے پیچھے اس کی پناہ گاہ کی طرف بھاگی تھی۔ آج اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس بیٹ سے سکندر کا وہی حشر کرے گی جو اس نے اس کے تاج محل شوپیس کا کیا ہے۔ مگر برا ہوا اس کی قسمت کا بے تحاشے بیل کی طرح بھاگتی وہ جس وقت لائبریری کے دروازے پر پہنچی اس کی مہروز بخت سے ٹکر ہوگئی۔ اسے لگا اس کا ماتھا کسی چٹان سے ٹکرا گیا۔ ان کے کانچے کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے بے ساختگی میں دونوں ہاتھ پیشانی پہ رکھے تو دوسرے ہاتھ میں تھاما بیٹ ٹھک کر کے اس کے پیر پہ آ گرا۔

''ہائے اللہ...... ہائے امی جی...... ہائے دا جان۔'' ایک ہاتھ میں پیشانی پکڑے دوسرے ہاتھ سے پیر تھامے وہ ڈسکو ڈانس کرنے کے ساتھ مختلف ناموں کی پکاریں ڈالتی وہیں بیٹھ گئی۔ اس کی دہائیاں جاری تھیں لیکن سامنے کھڑے مہروز بخت سینے پہ بازو لپیٹے نہایت اطمینان سے اس کو دیکھتے رہے اور جب ان کے دل جلا دینے والے اطمینان پر علیزے نے اپنی دہائیوں کو بے اثر ہوتے دیکھا تو بھاں بھاں کر کے رونا شروع کر دیا۔ اس کی بے سروپا ایکٹنگ اور دہائیاں دینے کے بعد جب وہ سچ مچ رونا شروع ہوئی تو مہروز بخت نہایت اطمینان سے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے وہاں سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

ان کی بے نیازی اور بقول علیزے کی بے حسی پر علیزے نے اور زور وشور سے رونا شروع کر دیا۔ اس کے رونے کی آواز سن کر مشعل جس وقت باہر آئی تو ایک ہاتھ سے اسے پیشانی اور دوسرے ہاتھ سے بیٹ پکڑے دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ وہ اپنی کسی شرارت پر مہروز بخت کے ہاتھوں پکڑی گئی ہے یا پھر سکندر کی تخریب کاری پہ بدلے میں ملنے والی ناکامی یعنی سکندر کے جل دے جانے پر رو رہی ہے۔ اس نے بغیر کوئی لفظ کہے خاموشی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ علیزے کے رونے اور سکندر کو گالیوں سے نوازنے کا شغل کم از کم ایک گھنٹے تک جاری رہے گا۔

☆☆☆

Show me the meaning for hte broken heart.

کمرے میں نیم اندھیرا کیے وہ بیڈ پہ تکیے میں منہ چھپائے لیٹی تھی ساتھ ہی ٹانگ ہلانے کا

-حفل بھی جاری تھا۔ گلابی کلر اسکیم سے سجا وہ کمرہ سادہ ہونے کے باوجود بے حد خوبصورت تھا۔ گلابی کارپٹ ہلکے گلابی رنگ کے پردے اور فرنیچر کے ساتھ رکھا ایسٹریو سسٹم دھیمے دھیمے بجتا ایک خواب ناک ماحول پیدا کر رہا تھا۔ گانا اب دو مرتبہ ختم ہو کر تیسری بار شروع ہو چکا تھا لیکن اس کے انہماک میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ جبھی کمرے کی خوابناکی دھاڑ سے دروازہ کھلنے کی آواز سے یکدم ٹوٹ گئی۔ علیزے نے سر اٹھا کر دیکھا وہ مشعل تھی جو خشمگین نظروں سے بغیر کچھ کہے اسے گھورے جا رہی تھی۔ خاموشی کے لمحات اور اس کے ارتکاز کو ٹوٹتے نہ دیکھ کر علیزے نے طنز کی۔

"محترمہ مشعل بخت صاحبہ کیا آپ بتانا پسند کریں گی اس طرح جاہلوں کے انداز میں کمرے میں داخل ہو کر آپ نے کس بات کا ثبوت دیا ہے اور آپ کی اس تشریف آوری کا مقصد کیا ہے؟" جب وہ غصے میں ہوتی تو اسی طرح آپ جناب سے طنزیہ انداز میں بات کرتی تھی۔

"اگر آپ کی ناکامی کا سوگ اور رونے کا شغل پورا ہو گیا ہو تو باہر تشریف لے آیئے کیونکہ دا جان نے آپ کو یاد فرمایا ہے کیونکہ ان کی ہدایت کے پیش نظر سب اس وقت ڈائننگ روم میں موجود ہیں ماسوائے آپ کے۔" لفظوں کو چبا چبا کر بولتی وہ بھی مشعل تھی جو کبھی موڈ میں آتی تو علیزے کو اسی کے انداز میں جواب دیتی تھی۔

"ہونہہ...... ہٹلر کی بہن ہو ناں آخر۔" علیزے نے غصے سے ہنکارا بھرا۔

"اور تم پھولن دیوی۔" یہ کہہ کر مشعل رکی نہیں تھی بلکہ دروازہ بند کر کے جا چکی تھی۔

وہ جس وقت ڈائننگ روم میں پہنچی دا جان مہروز بخت کے ساتھ کسی سیاسی گفتگو میں مصروف تھے۔ اس نے سامنے بیٹھے سکندر اور مشعل کو دیکھا جو ایک دوسرے سے باتوں میں مگن تھے۔ اس کے کافی دیر کھڑے رہنے کے بعد بھی جب مشعل نے اس کی طرف نہیں دیکھا تو وہ غصے میں اپنی کرسی کے بجائے دا جان کے پاس رکھی خالی کرسی کی طرف بڑھ گئی۔ نتیجتاً وہ دا جان کے پاس چھوٹی ٹیبل نہ دیکھ سکی جس پہ دا جان نے اپنی ٹانگیں تکلیف کی بناء پر اونچی کرنے کے لیے رکھی ہوئی تھیں۔ قریب تھا کہ وہ زمین بوس ہوتی یا دا جان کی ٹانگ پر گر پڑتی۔

"دھیان سے بیٹا۔" دا جان نے اسے بازو سے تھامتے ہوئے سہارا دے کر اپنے پاس رکھی دوسری خالی کرسی پر بٹھایا جبھی اس کی نظر مشعل اور سکندر سے ہوتی ہوئی مہروز بخت پر چلی گئی جن کے چہروں پر مسکراہٹ واضح تھی اور مہروز بخت کے تو موتی کی طرح چمکتے دانت بھی دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے ان تینوں کی مسکراہٹ اور دا جان کی اپنی طرف سے بے توجہی کو نوٹ کیا اور خاموشی سے اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔ اس کے خاموشی سے کھانا کھانے پر مشعل اور سکندر نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے وہ دونوں بھی خاموشی سے اپنی پلیٹ پر جھک گئے۔

کھانا ختم ہونے کے بعد مہروز بخت دا جان کے ساتھ لائبریری کی طرف بڑھ گئے تھے۔ ٹیبل پہ سکندر اور مشعل کے علاوہ صرف علیزے رہ گئی تھی۔

"بجو تم اپنے شو پیس کے ٹوٹنے پر اب تک ناراض ہو؟" سکندر نے اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" اس نے صاف گوئی سے کہتے ہوئے سکندر کو دیکھا۔

"اچھا اگر تمہاری فیورٹ آئس کریم کھلاؤں

تو پھر مان جاؤ گی۔" سکندر نے لالچ دیتے ہوئے اس سے پوچھا۔ اسے اپنی اکلوتی بہن بہت عزیز تھی جو اس سے دوستوں کی طرح لڑتی جھگڑتی تھی۔ بہنوں کی طرح ناز اٹھواتی اور اس کے بھائیوں جیسے لاڈ اٹھاتی تو کبھی ماں جیسی ہستی میں بدل کر اس کی خواہشات، جاننے کے بعد پورا بھی کرتی۔

"تم مجھے میری فیورٹ آئس کریم کھلاؤ، میری فیورٹ رائٹر کا ناول لا کر دو اور پھر مجھے لانگ ڈرائیو پر بھی لے کر جاؤ تو مجھے منظور ہے تمہاری سوری۔" بے نیازی سے کہتے ہوئے اس نے چہرے پہ جھولتی لٹ کو پیچھے کیا۔

"او کے منظور ہے۔" سکندر نے پلک جھپکتے میں منظوری دی۔

"ہائے...... او سکندر تم کتنے اچھے ہو میں ابھی تیار ہو کر آتی ہوں مشی تم بھی جلدی سے چینج کر لو۔" وہ ساری ناراضی بھول بھال کر خوشی سے بے حال ہوتی اپنے کمرے کی طرف بھاگی تھی اور اس کے جانے کے بعد سکندر اور مشعل ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔ سکندر اسے بھی تیار ہونے کا کہہ کر دا جان سے اجازت لینے دا جان کے کمرے یعنی لائبریری کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

وہ بیڈ پر بیٹھی کچر کچر چپس کھا رہی تھی اور ساتھ ہی اپنا فیورٹ ڈرامہ بھی دیکھ رہی تھی۔ شامت اعمال مشعل اندر داخل ہوئی تو اس کو دیکھ کر علیزے نے ایک مصنوعی لمبی سرد آہ بھری۔

"ہک ہاہ...... پتا نہیں کب آئے گا ہماری زندگی میں اصل ہیرو کاش وہ زارون جنید جیسا ہینڈسم ہو۔" اس نے ٹی وی پہ چلتے ڈرامے کے ہیرو کی طرف اشارہ کیا تو مشعل نے ایک نگاہ اٹھا کے اسے اور پھر ٹی وی کو دیکھا۔

"یا پھر میرے بھائی جیسا ڈیشنگ ہے ناں۔" مشعل نے اس کا جملہ کاٹ کر کہا تو علیزے تپ گئی۔

"تم خوابوں کی دنیا میں کیوں رہتی ہو لیزا؟" مشعل نے اس کے غصے کو نظر انداز کر کے پیار سے کہا۔ لیکن اسی پیار بھرے انداز کو نظر انداز کر کے علیزے بولی۔

"تم سے کس نے کہا ہے کہ تمہارا بھائی اسمارٹ و ہینڈسم اور ڈیشنگ ہے؟" علیزے نے نہایت بے دردی سے مہروز بخت کی وجاہت کو نظر انداز کر کے مشعل کو طیش دلانا چاہا اور حسب توقع مشعل تپ چکی تھی۔

"تمہارے ان ناولوں او ڈراموں کے ہیروز سے تو بہت اچھا ہے میرا بھائی شکل و صورت میں بھی اور کردار میں بھی۔" مشعل نے بھی آج اس سے بحث کرنے اور ٹی وی ڈراموں کے ساتھ ناولوں کا بھوت اتارنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

"کیونکہ خواب ہی تو زندگی ہوتے ہیں اور اگر خواب ہی نہ ہوں تو ہم تو بے موت مر جائیں کیونکہ یہ خواب ہم لڑکیوں کے لیے آکسیجن کا کام کرتے ہیں۔" علیزے نے فلسفیانہ انداز میں جواب دیا۔

"کیوں میں تو خواب نہیں دیکھتی تو کیا میں زندہ نہیں ہوں یا مجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے؟" مشعل نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی مثال دی۔

"تم......؟" علیزے نے استہزائیہ انداز میں انگلی اٹھا کر اس سے یقین دہانی چاہی تو جواباً مشعل نے بھی دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں مشعل بخت۔"

"اصل میں تم اسٹون مین کی بہن ہو تو ظاہر

ہے تمہارے پاس دل نہیں بلکہ اس کی جگہ اسٹون فٹ ہے اور پتھروں سے خوابوں کا گزر ممکن نہیں مائی ڈیئر۔" اس نے بے تک لاجک پیش کی۔

"خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آؤ علیزے زندگی بہت تلخ ہے اس کی سمجھ اس کو پرکھو۔"

مشعل کی منگنی دا جان کے دوست کے پوتے سے ہوئی تھی۔ ڈاکٹر بننا اس کی زندگی کا سب سے بڑا خواب تھا۔ وہ میڈیکل کے تھرڈ ایئر میں تھی لیکن شاہ ویز (منگیتر) کو چونکہ ڈاکٹر قدرے ناپسند تھے اس لیے اس نے مشعل کو ڈاکٹر بننے سے منع کر دیا اور خاموش کم گو سی مشعل نے ہر نفع ونقصان کو بالائے طاق رکھ کر مشرقی لڑکیوں کی طرح مردوں کی باتوں پر آمنا صدقنا کہنے والی خاموشی سے میڈیکل کی تعلیم سے دستبردار ہو گئی اور اس کی خواہش سے دستبرداری کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے گھر میں کوئی نہیں جانتا تھا سوائے علیزے کے۔ علیزے نے اس کے ڈاکٹر نہ بننے پر بہت شور مچایا تھا لیکن مشعل نے اس کو خاموش کروا دیا تھا۔

"مجھے اپنے خواب بہت عزیز ہیں مشی میں مر تو سکتی ہوں لیکن اپنے خوابوں سے دستبرداری حاصل نہیں کر سکتی اور یہ خواب ہی تو ہیں جو میرے جینے کا سامان ہیں اور زندگی کے سفر میں کچھ تو زادِ راہ ہونا چاہیے ناں تو یہ خواب ہی سہی ان خوابوں کے ساتھ زندگی کا سفر بہت آسان اور سہل ہے میرے لیے۔ ویسے تمہیں پتا ہے میرے اگلے ناول کے ہیرو کا کیا نام ہو گا؟"

"مہروز بخت۔" مشعل نے جھٹ سے کہا۔

"او محترمہ میں نے ناول لکھنا ہے کسی کی آٹو بائیوگرافی نہیں لکھنی۔" علیزے نے تپ کر کہا تو مشعل بے ساختہ ہنس دی اور اس کو اس طرح ہنستے دیکھ کر علیزے نے بے ساختہ اس کی دائمی ہنسی کی دعا مانگی تھی۔

☆☆☆

شام کے سائے دھیرے دھیرے پر پھیلانے لگے تھے۔ آسمان پر گھرتے کالے سیاہ بادل اور ٹھنڈی میٹھی سبک خرامی سے چلتی ہوا نے مہروز بخت کے کمرے میں قدم رکھا تو اپنی طرف کسی کو متوجہ نہ پا کر خاموشی سے باہر نکل گئی کیونکہ جتنی تیزی سے مہروز بخت کا کمرہ سمیٹتے اور اور ٹیبل پہ پھیلی فائلز اور کاغذات کو یکجا کرتے ہوئے علیزے کے ہاتھ چل رہے تھے اتنی ہی تیزی سے اس کی زبان مہروز بخت کی شان میں قصیدے پڑھ رہی تھی۔ آج صبح کا سورج بخت ہاؤس میں گویا زلزلہ لے کر داخل ہوا تھا۔ وجہ کچھ خاص نہ تھی لیکن مہروز بخت کے لئے انتہائی اہم تھی۔ ہوا یوں کہ گھر کے کاموں اور خاندان میں ہونے والی ایک ساتھ دو تقریبات اٹینڈ کرنے کی وجہ سے مشعل مہروز بخت کے کمرے کی صفائی کرنا بھول گئی اور نفاست پسند مہروز بخت کو کہاں گوارا تھا کہ اس کے فرنیچر پر گرد کی ایک تہہ بھی نظر آئے۔ شامت اعمال لاؤنج میں بیٹھے ناول پڑھتی علیزے اور کچن میں لنچ کی تیاریوں سے نبرد آزما ہوتی نڈھال سی مشعل کی حالت ان سے مخفی نہ رہ سکی تھی۔ انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے فیصلہ کیا اور سکندر کو ٹکٹ لانے کا آرڈر پاس کیا اور علیزے کو اپنے کمرے کی صفائی کا کہہ کر وہ خود دا جان کی طرف بڑھ گئے۔ علیزے اور سکندر کے فرشتوں کو خبر بھی نہ ہو سکی کہ دا جان نے ان کی کس بات پر تائیدی انداز پر سر ہلایا تھا یا پھر یہ کہ سکندر کہاں گئے اور کس کے لیے ٹکٹ لینے جا رہا ہے۔

وہ ان کے خشمگیں چہرے پر نظر ڈال کر

مرے مرے قدموں سے اندر کی طرف جا رہی تھی جبھی مہروز بخت نے لپک کر اس کے ہاتھ سے ناول لیا اور خود لائبریری میں چلے گئے۔ اب وہ کمرے میں اکیلی پھولتی سانسوں کے ساتھ کاغذات سمیٹتی اور اسے درازوں کو کھولتی بند کرتے ہوئے لاؤنج میں مہروز بخت کی آواز کا گمان ہوا۔ اس نے ہاتھ روک کر بغور آواز کو سننا چاہا۔

"تو کیا صرف زندگی کا یہی مقصد رہ گیا؟"

وہ باہر کھڑے مشعل کو نہ جانے کون سا مقصد حیات یاد دلا رہے تھے اور مشعل کی منمناتی آواز جو چند لمحوں کے لیے ابھری تھی وہ بھی آنی بند ہو گئی۔

علیزے نے بے اختیار جل تو جلا کا ورد شروع کر دیا کیوں کہ کچھ اسے معلوم تھا کہ اب مہروز بخت اپنے کمرے میں ہی آئیں گے اور اس کی شامت اعمال یقینی ہے اور اس کا گمان سچ ثابت ہوا تھا۔ ماتھے پہ ڈھیروں بل وغصے میں پھولے ہوئے نتھنے اور لال سرخ منہ لیے مہروز بخت دروازے کے فریم میں کھڑے اسے ہی گھور رہے تھے۔ علیزے کو لگا وہ بل فائٹنگ کے اکھاڑے میں کھڑی ہے اور سامنے ہی اسے ٹکر مارنے کے لیے (Bull) اسے سرخ آنکھوں سے گھور رہا ہے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو علیزے بخت اپنی اس تشبیہ پہ ہنس ہنس کے بے حال ہو چکی ہوتی لیکن اس وقت صورتحال دوسری تھی۔ ان کے غصے سے بچت کے لیے علیزے نے فائل ایک جھٹکے سے اٹھائی تو نتیجتاً فائل میں رکھے پیپر قید میں رکھے پنچھی کی طرح پھڑ پھڑاتے ہوئے مہروز بخت کے قدموں میں سجدہ ریز ہوئے تو علیزے کے ہاتھوں کے طوطے کبوتر سب اڑ گئے۔ وہ بدحواسی سے کبھی فائل کو دیکھ رہی تھی اور کبھی مہروز بخت کو۔ مہروز بخت نے جھک کر ان پیپرز کو اٹھایا اور علیزے کی نظروں کے سامنے لہرایا۔

"یہ کیا ہے؟"

"پیپرز ہیں مہروز بھیا۔" اس نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

"اچھا یہ پیپرز ہیں تو یہ بھی پتا ہو گا یہ کس کام آتے ہیں؟" انہوں نے سادہ کاغذوں کو دوبارہ اس کی نظروں کے سامنے کیا۔

"ناول لکھنے کے لیے بھیا۔" اس نے فرمانبرداری کے ریکارڈ توڑے۔

"واٹ......؟" ان کے زور سے چیخنے پر وہ یکدم حواس میں لوٹی لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔

"خوابوں اور ناولوں کی دنیا سے نکل آؤ علیزے ہر چیز میں اعتدال لازمی ہونا چاہیے تمہیں سوائے ناولز پڑھنے، خواب دیکھنے اور ڈرامے دیکھنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں، گھر کا کوئی کام تم نہیں کرتی ہو، یہ گھر صرف مشعل کی ذمہ داری نہیں بلکہ تمہاری بھی ذمہ داری ہے اور بطور امتحان اس ذمہ داری کا ثبوت دینے کے لیے میں نے ایک ہفتے کے لیے مشعل کو نانو کے گھر بھجوا دیا ہے آج سے ناشتہ، لنچ اور ڈنر آپ کے ذمے اور یہ تمام چیزیں مجھے وقت پر تیار ملنی چاہئیں......انڈرسٹینڈ؟" انہوں نے اسے طویل لیکچر دینے کے بعد آرڈر پاس کرتے ہوئے جو دھماکہ اس کے سر پہ کیا تھا اس نے علیزے بخت کے حواس سلب کر لیے تھے۔

"یو ے گوناؤ (اب تم جا سکتی ہو)۔" مہروز بخت نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے کہا تو وہ مرے مرے قدموں سے باہر نکل آئی۔

اور پھر اس ایک ہفتے میں علیزے بخت نے ثابت کر دیا ان کے کاموں سے اتنی بھی نابلد نہیں

جتنا مہروز بخت اسے سمجھتے تھے۔

☆☆☆

اس دن بھی وہ صبح فجر کی نماز کے لیے اٹھتی۔ نماز ادا کر کے تھوڑا بہت قرآن پاک پڑھ کر وہ دعا مانگ کر کچن میں آ گئی۔ آج سنڈے تھا تو اس نے سب کی پسند کی مناسبت سے فریج سے آٹا نکالا اور آلو کی بھجیا تیار کرنے کے لئے آلو کاٹ کر مصالحے ڈالے اور اس کو ڈھک کر رکھ دیا۔ چولہے کی آنچ تیز کر کے اس نے آملیٹ کے لیے پیاز کھائی اور فریج سے رات کا قیمہ اور انڈے نکالے۔ قیمہ گرم کر کے اس نے باہر آ کے دیکھا تو مہروز بخت اور دا جان نماز ادا کر کے آ چکے تھے۔ وہ دا جان کو سکندر کے نہ اٹھنے کی شکایت کر کے غڑاپ سے دوبارہ کچن میں گھس گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ باؤل میں آلو کی بھجیا، دا جان کے لیے رات کا قیمہ، سالن اور سکندر کے لیے پھولا ہوا سنہرا آملیٹ لے کر باہر آئی تو وہ لوگ ڈائننگ ٹیبل پہ آ چکے تھے۔ گرما گرم پراٹھے رکھ کر وہ واپس کچن میں آ گئی۔ اپنے لیے پراٹھا تیار کرنے کے ساتھ اس نے کچن کا پھیلاوا سمیٹا، استعمال شدہ برتن سنک میں ڈال کر وہ جس وقت چائے تیار کر کے لے کر آئی وہ لوگ کھا چکے تھے۔ اس نے سب کے آگے چائے رکھی اور دوبارہ کچن میں جانے کے لیے پلٹی تو دا جان نے اسے ٹوک دیا۔

"لیزا بیٹا کہاں جا رہی ہو ناشتہ تو کر لو۔"

"جی دا جان۔" وہ پلٹی اور بے ربط سے انداز میں اپنے جانے کی وجہ بتائی تو دا جان نے اسے زبردستی بازو سے پکڑ کر بٹھایا اور سکندر کو کہا۔

"جاؤ سکندر کچن سے چینی لے کر آؤ۔" اپنا فیورٹ ناشتہ کھانے کے بعد سکندر شرافت سے کچن سے جا کر چینی لے آیا۔ مہروز بخت بغور اسے دیکھ رہے تھے۔ اس ایک ہفتے میں وہ کتنی بدل گئی تھی۔ گھر کے کاموں کے ساتھ ان کے اور سکندر کے کپڑے بھی استری شدہ ہوتے تھے۔ انہوں نے بغور دیکھا اس نے پراٹھے کے ساتھ اپنے لیے کچھ بھی نہیں بنایا تھا۔ بلکہ دا جان کا بچایا ہوا قیمہ اور سکندر کے آگے رکھی ہوئی پلیٹ سے بچا ہوا تھوڑے سے آملیٹ سے اس نے پراٹھا پورا کر لیا تھا۔ بھجیا اس نے ان کی پسند پر بنا تو دی تھی لیکن اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

ناشتہ سے فراغت کے بعد وہ معمول کے کاموں میں خاموشی سے لگ گئی۔ مشعل کے جانے اور اس کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد مہروز بخت کو بھی ایک چیز کی کمی کا شدت سے احساس ہوا تھا وہ تھی ہمہ وقت ہونے والی ان دونوں کی جھونک چوڑیوں کی طرح کھنکتی ہنسی اور چڑیا کی طرح کی چہکاریں بخت ہاؤس سے معدوم ہو چکی تھیں اور ان سب چیزوں کو واپس لانے کے لیے مہروز بخت خاموشی سے اندر کی طرف بڑھ گئے جہاں انہوں نے مشعل کو واپس لانے کے ساتھ علیزے کی ہنسی اور اس گھر کی چہکاریں بھی لوٹائی تھیں۔ دا جان خاموش تھے لیکن یہی گلہ کرتی ان کی آنکھیں بھی مہروز بخت مخفی نہیں رہ سکی تھی۔

☆☆☆

وقت کا سیل رواں نہایت آہستگی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ مشعل کے جانے اور علیزے کی خاموشی سے بخت ہاؤس پر جو جمود طاری کیا تھا وہ ٹوٹنے لگا تھا لیکن اس کے اثرات ختم نہیں ہوئے تھے۔ مشعل کو اس کی نانو نے مزید ایک ہفتے نہ آنے کا کہہ کر روک لیا تھا۔ جس پر دا جان بھی خاموش ہو گئے تھے لیکن مہروز بخت کو مزید اپنا آپ گنہگار لگنے لگا۔ وہ ان سب کی آپس کی

محبتوں اور شدتوں سے واقف تھے خاص طور پر علیزے اور مشعل کی۔

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ ہوا میں خنکی بڑھ رہی تھی لیکن وہ اردگرد سے غافل ٹیرس کی سیڑھیوں پر بیٹھی گال پہ بہتے آنسوؤں سے بے پرواہ آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھ رہی تھی جو تیزی سے اپنے آشیانے کی طرف سفر کر رہے تھے۔ وہ جو کہتی تھی خواب میری زندگی ہیں آج ان تمام خوابوں سے دستبردار اور خواہشوں سے بے پرواہ ہو گئی تھی۔ اب اس عمل میں اس کی لاشعوری کا دخل تھا یا پھر مہروز بخت کے الفاظوں کا یہ اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔

"علیزہ بیٹے۔" اس نے جلدی سے آنسو پونچھ کر فیروز بخت کو دیکھا جو نجانے کب سے وہاں کھڑے اسے شغل میں معروف دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اسے کمپوز ہوتا دیکھ کر وہیں سیڑھیوں پہ بیٹھ گئے۔

"بیٹا کیا ہوا کوئی بات ہوئی ہے کیا؟ مہروز نے کچھ کہا ہے یا پھر سکندر سے پھر لڑائی ہو گئی۔" انہوں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے ازراہ مذاق آخری بات کی۔

"نہیں تو دا جان بس ایسے ہی۔" وہ ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنسائے ادھورے پن سے بولی۔

"پھر بھی بیٹا کوئی تو ایسی بات ہو گی ناں جس پہ میرا بیٹا اتنے زور و شور سے رونے میں مصروف تھا کہ اسے اپنے دا جان کے آنے کی بھی خبر نہ ہو سکی۔ اپنے دا جان کو بھی نہیں بتاؤ گی کیا ہوا۔" فیروز بخت کو اپنی یہ پوتی بہت عزیز تھی۔ اس کی چہکاریں ہی تو بخت ہاؤس میں رونق کیے رکھتی تھیں اور وہ دیکھ رہے تھے مشعل کے جانے اور گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد اس گھر میں وہ چہکاریں نہیں رہی تھیں جو انہیں زندگی کا احساس دلاتی تھیں۔ انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر نہایت ہی محبت سے اس کا چہرہ اٹھایا اور یہ ان کی محبت کا ہی اثر تھا کہ آنکھوں نے ایک بار بہنے کا راستہ تلاش کر لیا۔

"مجھے مما پاپا یاد آ رہے ہیں۔" روتے ہوئے اس نے اصل وجہ بتائی اور اس کے وجہ بتانے پر فیروز بخت بھی خاموش ہو گئے۔ ان کے دونوں بیٹے بہت فرمانبردار تھے اور فیروز بخت کے بیٹوں کی یہ فرمانبرداری خدا کو اتنی پسند تھی کہ اپنے گھر مہمان بن کے آنے والے شہروز بخت اور بہروز بخت کو ہمیشہ کے لیے ان پاک فضاؤں کا مہمان بنا دیا۔ حج کی سعادت حاصل کرنے جانے کے لیے مکہ سے مدینہ روانگی میں بس ایکسیڈنٹ میں دونوں کا موقع پر ہی انتقال ہو گیا تھا۔ فیروز بخت کو جہاں دو جوان بیٹوں کی موت کا غم تھا وہیں نبیؐ کے شہر کی مٹی نصیب ہونے پر وہ فخر بھی محسوس کرتے تھے۔

"دا جان ہم کتنے اکیلے ہو گئے ہیں ناں میں اور سکندر۔" فیروز بخت کو یکدم گم صم ہوا دیکھ کر علیزے نے ان کا کاندھا ہلا کر پوچھا۔

"نہیں بیٹے تم اکیلی نہیں ہو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں اور اپنے دا جان کے ہوتے ہوئے آئندہ تم کبھی اپنے آپ کو تنہا نہیں سمجھنا کیونکہ تم شہروز کی ہی نہیں بلکہ میری بھی بیٹی ہو۔" انہوں نے محبت سے اس کے آنسو پونچھ کر اسے قریب کر لیا اور فیروز بخت کے وجود سے اٹھتی خوشبو نے اس کی باپ کی محبت میں اضافہ کر دیا اور وہ ان سے لپٹ کر زار و قطار رو دی۔

کافی دیر رونے کے بعد اس کا دل ہلکا ہو گیا تھا۔ لیکن وہ ہنوز فیروز بخت کے کاندھے پر سر رکھے آنکھیں موندے بیٹھی رہی تھی۔ ٹیرس پر

گھڑے مہروز بخت نے اس کی حساسیت اور اور بہتے آنسوؤں کو دل پہ گرتا محسوس کیا تھا اور وہ جو ٹیرس پہ ٹھنڈی ہوا کے مزے لینے آئے تھے بوجھل دل کے ساتھ واپس مڑ گئے۔

☆☆☆

سکندر اور مشعل لاؤنج میں بیٹھے ٹام اینڈ جیری دیکھنے کے ساتھ قہقہے لگاتے ایک دوسرے کے ہاتھ پر تالیاں مارتے ہوئے چپس سے بھری پلیٹ کو اپنے قبضے میں کرنے کے لیے خوب اودھم مچا رہے تھے۔ ٹی وی کا شور اور ساتھ ساتھ دونوں کے چیخنے اور ہنسنے کی آوازیں...... لاؤنج اس وقت میدان کارزار بنا ہوا تھا۔

''مشعل...... سکندر رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا۔ تم دونوں کو دا جان......'' علیزے جو لاؤنج سے بولتی ہوئی داخل ہوئی تھی۔ لاؤنج کی حالت دیکھ کر اس کی آواز حلق میں بند ہو گئی۔ لاؤنج کی اجڑی بکھری حالت دیکھ کر اسے رونا آنے لگا۔

''کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں نے ابھی لاؤنج کی صفائی کی تھی...... حالت دیکھو کر و ذرا اس کی۔'' علیزے نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''ہاں جی ہم یہاں بڑا بڑا نوٹس بورڈ لگا دیتے ہیں محترمہ علیزے بخت نے ابھی یہاں کی صفائی کی تھی۔'' سکندر نے بے تکلفی سے علیزے کو جواب دیتے ہوئے مشعل کو کشن اٹھا کے دے مارا جو انتہائی انہماک سے علیزے کو غصہ کرتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اس اچانک افتاد پر ہڑبڑا کر رہ گئی۔ اسے اور کچھ نہ سوجھی تو چپس سے بھری پلیٹ اس نے سکندر پہ اچھال دی۔

''مشعل......'' اس کی اس حرکت پہ علیزے کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ نفاست پسند مشعل اس وقت جنگلی بلی بنی ہوئی تھی۔

''یار علیزے آپی غصہ کرنا بند کریں ویسے ہی دھان پان سی ہیں۔ آپ پر غصہ بالکل سوٹ نہیں کرتا۔ ٹھنڈا ٹھار شربت بنا کر لائیں خود بھی پئیں اور ہم غریبوں کو بھی پلائیں۔'' سکندر نے علیزے کے غصے کو چٹکیوں میں اڑاتے ہوئے فرمائش کر کے اس کے غصے کو ہوا دی۔

''زہر نہ دے دوں؟'' علیزے نے تپ کر کہا۔

''ہیں...... واقعی؟'' سکندر نے شرارت سے آنکھیں پٹپٹائیں تو مشعل کا بے ساختہ قہقہہ بلند ہو گیا اور علیزے پیر پٹختی وہاں سے نکل کر کچن میں چلی گئی۔ جہاں اسے سحری کی تیاری کے لیے چیزیں تیار کرنی تھیں سب سے پہلے اس نے دا جان کی پسندیدہ کھیر بنانے کے لیے دودھ چولہے پر رکھا۔ ساتھ میں فریج سے قیمہ کا پیکٹ نکال کر وہ جونہی مڑی پیچھے سے مشعل نے آ کر اس کے گرد بازوؤں کا حصار بنا دیا۔ اس حرکت پہ وہ یکدم سٹپٹا گئی۔

ناراض نہ ہو تو عرض کروں دل تم سے محبت کرتا ہے
لے لے کے تمہارا نام کوئی دیوانہ آہیں بھرتا ہے

مشعل نے غصے سے چیزیں پٹختی علیزے کو منانا چاہا لیکن وہاں ہنوز خاموشی تھی، مشعل کو اسلام آباد سے آئے دو دن ہو چکے تھے، علیزے نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی اور مشعل اس کی ناراضگی کا سبب جانتی تھی، سو تندہی سے اسے منانے کے سارے حربے آزما رہی تھی۔

''لیزا کیا ہوا یار، اب ناراضگی ختم بھی کر دو آئی سوئیر میں نے بھائی سے کچھ نہیں کہا تھا وہ تو خود ہی......''

''تم میر جعفر...... آستین کی سانپ اور تمہارے بھائی چلتے پھرتے ہٹلر کے جانشین جو کسی معاملے میں کوئی کمپرومائز کرتے، سندس جبیں کے ہیرو اسید کی طرح جو کسی معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں کرتا۔'' اس نے حسب عادت ناول کے کردار سے تشبیہ دی، غصے میں اس کی چھوٹی سی ناک سرخ ہو گئی تھی۔

''وہ سندس جبیں کا ہیرو نہیں اسے کے ناول کا ہیروز ہے بے وقوف۔'' مشعل نے اس کی تصحیح کی۔

''ہاں ہاں وہی ایک ہی بات ہے۔'' علیزے نے بے پرواہی سے ہاتھ ہلاتی ہوئے اسے پرے دھکیلا، مشعل ایمرجنسی میں مہروز بخت کے دیئے آرڈر پر اور دیگر کارروائیوں سے یکسر انجان تھی مگر بقول علیزے کے وہ انجان تھی نہیں بلکہ انجان بن گئی تھی اور مشعل کی اس دھوکہ دہی پر سزا کے طور پر علیزے نے فی الحال اس سے بات چیت کا ارادہ ترک کر دیا تھا، مگر مشعل ہی کیا جو اس کی تمام تر کمزوریوں سے واقف نہ ہو۔

''یار علیزہ مان بھی جاؤ۔''

''میں نے کہا ناں مشی تم جاؤ یہاں سے میں تم سے بات نہیں کروں گی۔'' اس نے کورا صاف جواب دیا۔

''اچھا تو پھر یہ چاکلیٹ ڈبہ میں سکندر کو دے دیتی ہوں اور عمیرہ احمد کا یہ نیا ناول مہروز بھیا کو دے دیتی ہوں وہ پڑھ لیں گے ٹھیک ہے ناں۔'' مشعل نے شرارت سے کہتے ہوئے سائیڈ کاؤنٹر پہ رکھے شاپر کو اٹھا کر اس کے سامنے لہرایا جسے علیزے نے سرعت سے جھپٹ لیا تھا اور اس کے شاپر چھیننے پر مشعل محبت سے اس کے گلے لگ گئی اور ایک دوسرے کے گلے لگتے ہی ان دونوں کو احساس ہوا کہ انہیں اپنے گم گشتہ وجود کا حصہ مل گیا ہے۔

ایک عمر جسے خواب کی مانند دیکھا
چھونے کو ملا تو پریشان بہت ہوا۔
الجھیں گے کئی بار ابھی سے لفظ مفہوم
سادہ ہے وہ بہت نہ میں اسان بہت

جھولے پہ بیٹھی علیزے نے ٹھنڈی ہوا کو ایک لمبی سانس بھر کر اندر اتارا تو موتیا اور رات کی رانی کی مہک نے اس کی سانسوں تک کو معطر کر دیا تھا۔ لان میں داخل ہوتی مشعل نے اسے آنکھیں بند کیے شعر پڑھتے دیکھا تو ہاتھ میں تھامے جگ میں سے ٹھنڈا ٹھار سکنجبین کا گلاس چڑھایا اور دوسرا گلاس نکالنے کے بعد وہ منہ سے لگانے ہی والی تھی علیزے نے جھپٹ کر چھین لیا۔ اس نے غصے سے اسے گھورا وہاں ہنوز کوئی اثر نہ تھا۔

''ویسے کون ہے وہ بدنصیب جس کی یادیں تمہیں اس اندھیری رات میں کھلے آسمان تلے یہ احساس دلانے آئی ہیں کہ نہ وہ سادہ ہے اور نہ تم آسان ہو۔'' مشعل نے کھلے انداز میں طنز کیا۔

''کیا مطلب ہے کوئی نہیں ہے تم ہر بات کا غلط مطلب مت نکالا کرو اور میں ایسی خرافات میں پڑنے والی نہیں ہوں اور میں دا جان کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا رہی۔'' علیزے نے نظریں چراتے ہوئے گھاس کے پتے نوچے۔

''علیزے بخت سچ ہمیشہ نظریں ملا کر اور جھوٹ ہمیشہ نظریں چرا کر کہا جاتا ہے۔ اب سچ سچ بتا دو۔'' ورنہ مشعل نے اسے دھمکایا۔

زندگی ملی
ذرا سی تھی
کچھ اس میں کمی
ذرا سی تھی
وہ روز ہوتا ہے پاس میرے
لیکن پھر بھی دوری
ذرا سی تھی

نہایت مفصل انداز میں اس نے پروین شاکر کی زبان میں اپنا حال دل سنایا اور اس کے اس ذو معنی انداز پر ہی مشعل سمجھ گئی تھی وہ کسی اور کی نہیں بلکہ مہروز بخت کی محبت کا شکار ہوئی ہے۔ مشعل نے نے حیرت سے اس سادہ بیوقوف سی لڑکی کو دیکھا جس کا دل سچے موتی جیسا تھا اور اس میں یقیناً مہروز بخت کی محبت بھی اتنی ہی شفاف تھی کہ علیزے نے ان کا نام تک نہ لیا تھا۔ وہ ادب کے نجانے کون سے قرینے پہ تھی وہ جو کل تک مہروز بخت کو آئرن مین ہٹلر اور نجانے کن کا القابات سے نوازتی تھی آج ان ہی کی ہمراہی کے خواب اپنی پلکوں پہ سجا بیٹھی تھی۔ وہ حقیقتاً دیوانی تھی یا بیوقوف مشعل سمجھ نہ سکی اور چپ بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

رمضان کا وسط شروع ہو چکا تھا۔ علیزے کی عبادتیں اور سجدے طویل ہونے لگے تھے۔ آنسو ہر وقت پلکوں پر لگے رہتے تھے۔ مشعل نے اسے ایک مرتبہ مشورہ دیا تھا کہ وہ مہروز بخت کو اپنی محبت سے آگاہ کر دے لیکن جواب میں علیزے نے شدت سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں مشی مجھے اپنی عزت نفس اس محبت سے زیادہ عزیز ہے وہ پہلے ہی مجھے نان سیریس اور خوابوں میں رہنے والا سمجھتے ہیں۔ اور اپنی محبت کی یہ توہین میں برداشت نہیں کر سکوں گی۔ اللہ ہے ناں میں ان کو اللہ سے مانگوں گی۔" اس نے اطمینان سے کہا اور اس کے اس اطمینان پر مشعل حیرت زدہ رہ گئی۔ کتنا بدل گئی تھی یا پھر یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ مہروز بخت کی محبت نے اس کو سراپا بدل دیا تھا۔

☆☆☆

ایک خواب ہے اس خواب کو چھونا بھی نہیں ہے
تعبیر کے دھاگے میں پرونا بھی نہیں ہے
لپٹا ہوا ہے دل سے کسی راز کی صورت
اک شخص جس کو مرا ہونا بھی نہیں ہے
رکھنا ہے سر چشم اسے ساکت و جامد
پانی میں ابھی چاند بھگونا بھی نہیں ہے
ہر چند ترے نقش کف پا میں ہے لیکن
یہ دل کسی بچے کا کھلونا بھی نہیں ہے
وابستہ ہے کہ مجھ سے تو ہے کہ بھی نہیں ہے
جب میں نہیں تجھ میں تیرا ہونا بھی نہیں ہے
یہ عشق و محبت کی روایت بھی عجب ہے
پایا نہیں جس کو اسے کھونا بھی نہیں ہے
جس شخص کی خاطر تیرا یہ حال ہے مخاور
اس نے تیرے مرجانے پہ رونا بھی نہیں ہے

آج چاند رات تھی۔ مشعل کو کچن میں معروف پا کر وہ بے قدموں ٹیرس پہ چلی آئی جہاں باریک سا ہلال مسکرا کر اسے عید کی مبارک باد دے رہا تھا اور چاند کو دیکھتے ہوئے اس کے ضبط کے سارے باندھن ٹوٹ گئے۔

وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کر ہچکیوں سے رو دی۔ مہروز بخت کی بے نیازی اور اس کی ذات سے لاپرواہی نے صرف اس کے دل کو ہی نہیں بلکہ اس کی ذات کو توڑ دیا تھا۔ وہ خاموش لب لیے آنسو پونچھ کر چاند کو دوبارہ تکنے لگی۔ آنسو تواتر سے گالوں کو بھگو رہے تھے۔ اس کی ہچکیاں بندھنے لگیں۔

"عید کا چاند مبارک۔" تبھی بھاری گمبھیر آواز پر وہ کرنٹ کھا کر پیچھے مڑی تو اپنے بالکل پیچھے کھڑے مہروز بخت سے ٹکرا گئی۔ اس نے جلدی سے گال رگڑ کر آنسو صاف کیے۔ مبادا یہ آنسو سارا بھرم نہ کھو دیں یہ بھرم ہی تو تھا جس نے اس کو سہارا دیا ہوا تھا۔

"آپ کو بھی چاند مبارک ہو۔" علیزے

نے اپنی آواز کی رزش کو چھپانا چاہا۔

"رو کیوں رہی تھیں علیزہ؟" انہوں نے نہایت محبت سے پوچھا۔

"نہیں تو۔" نہاتے جھوٹ بول کر انہیں ٹالنا چاہا۔

"علیز امیں نے کہا تم کیوں رو رہی تھیں؟" مہروز بخت کے لہجے میں ہلکی سی سختی در آئی تھی جسے علیزے محسوس ہی نہ کر سکی۔ وہ تو ان کے علیزا کہنے پر ہی ہک تک انہیں دیکھ رہی تھی۔ اور اس کے اس طرح دیکھنے پر وہ خفیف ہو گئے۔

"اپنی دعاؤں کی قبولیت پر رو رہی تھی یا پھر تمہاری محبت محبت سے میرے نظریں چرانے اور بے نیازی برتنے پر۔" مہروز بخت نے صاف گوئی سے کہا۔ گویا وہ اس کی محبت سے آگاہ تھے لیکن انجان بنے ہوئے تھے تبھی علیزے نے حیرت سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے۔ اور ان کی صاف گوئی پر علیزہ بھاگنے کے لیے پر تولنے لگی۔

"تم نے میرے لیے جتنے آنسو بہائے ہیں ان سب کے بدلے تمہیں ان انمول آنسوؤں کے بدلے اتنی ہی انمول خوشیاں دینے کی کوشش کروں گا یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" مہروز بخت نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اسے محبت کا ایقان پہنچایا تو اس کے آنسو چھلک پڑے جسے نہایت نرمی سے مہروز نے اپنے پوروں پہ چن لیا۔ اور ان کی اس حرکت پہ وہ ایک پل بھی وہاں نہیں ٹھہری تھی۔ اور بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

یوں غلط تو نہیں چہروں کا تاثر لیکن
لوگ ویسے بھی نہیں جیسے نظر آتے ہیں

"جیسے میں مہروز بخت کہتے ہیں عورت اپنی طرف اٹھنے والی ہر نظر کو پہنچانتی ہیں لیکن ہم مردوں کے بارے میں بھی کسی غلط فہمی کا شکار نہیں رہنے گا ہم صرف اپنی طرف اٹھنے والی بلکہ جھکنے والی نظروں کو پہنچانتے ہیں تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ میں مہروز بخت جیسے چہرہ شناس کا بھی دعویٰ ہے اپنے سے پانچ سال چھوٹی علیزے بخت کے رنگ بدلتے انداز و اطوار کو نہ پہچانتا کیونکہ محبت کے رنگ تو پانی کو بھی قوس و قزح سے سجا دیتے ہیں۔ اس کا گھنٹوں اپنے کمرے کی کھڑکی سے مجھے دیکھنا، عقیدت و محبت سے میرے تمام کاموں کو اپنے ہاتھوں سے کرنا اور بنا کہے تمام کاموں اور خواہشوں کو پورا کرنا۔ ادب والا قرینہ ہے محبت کی وہ صرف محبت کے ہی نہیں ادب کے قرینوں سے بھی واقف ہے اور اتنی محبت و چاہت کے بعد خدا سے اپنی ذات مانگنے کے بعد کون ایسا شخص ہوگا جو اتنی چاہت سے طلب کرنے والوں پر اپنا آپ دان نہ کرے سو میں جو اس ماہ مبارک میں اس کے دعاؤں اور آنسوؤں سے محبت کا بیج بو چکا ہوں اپنے دل میں کل اس کے جملہ حقوق اپنے نام کروانے کے بعد وہ تمام چاہتیں، خوشیاں اور خواب دینے کے پوری کوشش کروں گا جس کی وہ لڑکی نہ صرف دیوانی ہے بلکہ میری محبت میں ان سے دستبردار بھی ہونے لگی تھی اور ان تمام چیزوں سے دستبردار کرنے کے بدلے ان تمام چیزوں سے اس کا دامن بھرنا اب میرا فرض ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا تو پھر چلئے بخت ہاؤس میں موجود مکینوں کو ان کی خوشیاں دینے کے لیے اور علیزہ سکندر کو اس کے خواب لوٹانے کے لئے اپنے خرچے پر۔

☆☆☆

معصومہ منصور

ساتھ والے گھر سے آتیں تیز آوازوں پر صحن میں جھاڑو دیتی فضا نے دائیں جانب موجود دیوار کی سمت دیکھا، دونوں گھروں کو یہی دیوار جدا کرتی تھی، ارم کا اکثر ہی اپنی ساس کے ساتھ جھگڑا رہتا تھا اور آوازیں اس قدر بلند ہوتیں کہ پورا محلہ سنتا تھا، بے اختیار اس نے گردن اٹھا کر سامنے موجود کھڑکیوں اور چھتوں کے جھانکتیں آنکھوں کو دیکھا اور تاسف سے سر ہلایا، اس کے ہاتھ مزید تیزی سے جھاڑو دینے لگے، سارا کچرا سمیٹ کر اس نے دروازے کے قریب رکھے ہوئے کچرادان میں ڈالا اور پھر کچھ فاصلے پر لگے نل کے نیچے رکھے برتنوں کے ڈھیر کو دھونے لگی، کچن میں چونکہ پانی کے نکاس کا نظام موجود نہ تھا، اس لئے وہ تمام برتن سمیٹ کر صحن میں لگے اس واحد نل کے نیچے رکھ دیتی اور صفائی سے فارغ ہونے کے بعد دھوتی، اب بھی وہ رگڑ رگڑ کر برتن چمکانے میں مصروف تھی کہ اس نے ٹک ٹک کی آواز پر زیتون بیگم کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا، اس کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمکنے لگے حالانکہ بادل چھائے تھے اور خوشگوار ہوا کے جھونکوں نے گرمی کی شدت کو ختم کر دیا تھا، وہ لرزتے ہاتھوں سے صابن لگے برتن دھو دھو کر قریب رکھی بڑی سی ٹوکری میں رکھنے لگی۔

''کتنی مرتبہ کہا ہے، رات کے جھوٹے برتن مت رکھا کرو، بہت سخت گناہ ہے۔'' زیتون بیگم نے قریب آ کر لاٹھی رات کے رکھے دو پتیلوں پر ماری۔

اس کا جھکا سر مزید جھک گیا جیسے واقعی اس سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہو۔

''پتا نہیں کب ڈھنگ آئے گا تمہیں، لگتا ہے تمہیں سلیقہ سکھاتے سکھاتے میں قبر میں پہنچ جاؤں گی۔'' وہ صحن میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگیں اور پھر جیسے صفائی سے مطمئن ہو کر واپس اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں، وہ چاہ کر بھی نہ کہہ سکی کہ کل اپنی دونوں نندوں نغمہ اور زرقا کے ساتھ ساتھ ان کے بچوں کے فرمائشی پروگرام پورے کرتے کرتے، بکھری چیزیں سمیٹتے سمیٹتے سارا دن گزر گیا تھا، رات تک وہ اتنی تھک گئی تھی کہ بریانی اور سالن کے پتیلے دھونے کی ہمت نہ تھی، پر وہ کیسے کہتی وہ ارم تھوڑی تھی جو اپنی ساس کو ترکی بہ ترکی جواب دیتی وہ تو فضا تھی جسے صبر اور خاموشی کا درس گھٹی کے ساتھ ہی دیا گیا تھا، تین سال کی تھی جب اس کے والدین ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے تھے، اس کی پرورش اس کی دادی نے کی تھی، جو وقتاً فوقتاً اسے سمجھاتی رہتی تھیں کہ تایا، تائی نے اسے رکھ کر اس پر کتنا بڑا احسان کیا ہے، لہٰذا وہ کبھی پلٹ کر اپنی چچی کو جواب نہیں دے گی نہ کبھی ان کے بچوں سے جھگڑا کرے گی، دادی کی نصیحتوں نے اس کے ننھے ذہن میں اس طرح گھر کیا تھا کہ وہ تمام عمر اپنے ساتھ ہونے والی کسی زیادتی پر بھی نہ بول سکی، میٹرک کے بعد اس کا شوق اور لگن دیکھنے کے باوجود تائی نے اس کے تعلیمی سلسلے کو خیر باد کہہ کر گھر، گرہستی میں ڈال دیا اور پھر اس کے

لئے آنے والے پہلے ہی رشتے کو اس کی خوش نصیبی سمجھتے ہوئے دادی نے اس کی شادی علی سے کر دی، کہ میٹرک پاس لڑکی کے لئے ایک میٹر ریڈر سے بہتر بھلا کس کا رشتہ آ سکتا تھا، اس نے بھی کبھی اونچے، لمبے خواب نہیں دیکھے تھے، اس لئے اس کے ذہن و دل نے علی کو قبول کر لیا، وہ ہر حال میں راضی برضا رہنے والی لڑکی تھی۔

سب برتن دھونے کے بعد اس نے چھلنا اٹھا کر کچن میں رکھا، ارم کے گھر سے آنے والی آوازیں اب بند ہو چکی تھیں، دیوار پر لگے کلاک

میں اس نے ٹائم دیکھا، صبح کے دس بجے تھے، صبح کے دس بجے تھے، دو بجے علی دوپہر کا کھانا کھانے آتا تھا اور تبھی اس کی چھوٹی نند کالج سے لوٹتی تھی، سالن بنا ہوا تھا، اس نے صرف روٹی بنانی تھی، ابھی خاصا ٹائم باقی تھا، اس نے مطمئن انداز میں سوچتے ہوئے میز پر رکھا کاغذ قلم سنبھال لیا، اسے بچپن سے ہی لکھنے لکھانے کا شوق تھا اور اب وہ خوش تھی کہ اس کا لکھا شائع ہونے لگا تھا، اس لئے اب اسے جیسے ہی فرصت میسر آتی وہ لکھنے لگتی، کاغذ قلم ہر وقت اس کی میز پر رکھا رہتا تھا۔

☆☆☆

اس نے سالن چیک کرنے کے بعد چولہا بند کیا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہونے لگی۔

''یقیناً ارم آئی ہوگی۔'' اس نے کچن سے نکل کر دروازے کی سمت جاتے ہوئے سوچا۔

ارم سے اس کی پہلی ملاقات شادی کے ایک ہفتہ بعد ہوئی تھی، اسے ہر وقت قہقہے لگانے والی ارم سے خاصا انس محسوس ہوا تھا تو ارم کو بھی چپ چپ رہنے والی فضا پسند آئی تھی اور جب اسے معلوم ہوا کے ارم کے والدین بھی بچپن میں وفات پا گئے تھے تو یہ بات اسے اس کے مزید قریب لے آئی، پھر کچھ عرصہ بعد جب گھر کی ذمہ داری بھی اس کے کاندھوں پر آگئی، تو ارم نے اس کی خاصی مدد کی، اب دونوں اکٹھی بازار جاتی تھیں۔

''اب تک تیار نہیں ہوئیں؟'' ارم نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''بس چادر ہی تو لینی ہے، تم بیٹھو۔'' اس نے صحن میں بچھے پلنگ پر ارم کو بیٹھنے کا کہا اور خود اپنی ساس کے کمرے میں آگئی۔

''دیکھو شاپر گھر سے لے کر جانا، میرا بیٹا کتنی محنت سے کماتا ہے، وہ یوں پانچ پانچ روپے کر کے تھیلوں پر ضائع کرنے کے لئے نہیں ہوتے، مگر تم جیسی بدسلیقہ عورتوں کو کیا سمجھ، کہ خون پسینے کی کمائی کو کیسے استعمال کیا جاتا ہے، تمہیں تو بس خرچ کرنے سے مطلب۔'' انہوں نے اس کے بازار جانے کا سن کر تکیے کے نیچے سے اپنا بٹوہ نکالتے ہوئے کہا، وہ ہونٹ دانتوں تلے دبا کر رہ گئی۔

''دھیان سے خرچ کرنا۔'' انہوں نے چند نوٹ اس کی جانب بڑھائے۔

''جی۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور کچن سے کپڑے کا بنا تھیلا اٹھا کر صحن میں آگئی۔

''آؤ چلیں۔'' اس نے صحن میں بندھی تار پر سے چادر اٹھا کر اوڑھی اور دونوں بیرونی دروازہ عبور کر گئیں۔

''آخر تم انہیں کوئی جواب کیوں نہیں دیتی، وہ صرف ان کا بیٹا ہی تو نہیں، تمہارا شوہر بھی تو ہے، اس کی کمائی پر تمہارا بھی کچھ حق ہے۔'' ارم نے گلی سے نکلتے ہی کہا۔

ارم نے یقیناً ان کی باتیں سن لی تھیں، اسے شرمندگی نے آگھیرا۔

''کوئی بات نہیں بڑی ہیں۔'' وہ منمنائی۔

''بڑے ہونے کا یہ مطلب تو نہیں، کہ انسان کا جو دل چاہے سنا دے۔'' انہوں نے دائیں جانب کی موڑ کاٹ کر روڈ کراس کی۔

''آج کتنی گرمی ہے ناں؟'' اس نے بات بدلتے ہوئے کہا اور تیز تیز چلنے لگی۔

''ہاں واقعی، سورج نے تو آج جیسے سب جلانے کی ٹھان لی ہے، حالانکہ کل موسم کتنا اچھا تھا ناں اور آج...... اُف۔'' ارم نے چادر سے چہرے پر آیا پسینہ صاف کیا اور اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی۔

دو گلیاں مزید چلنے کے بعد وہ دونوں ایک میدان میں داخل ہو گئیں، جہاں جمعہ بازار لگا تھا، شدید گرمی کے باوجود شدید رش تھا، سردی ہو یا گرمی لوگوں کا خریداری کا جنون کبھی ماند نہیں پڑتا، بڑی مارکیٹیں ہوں یا ایسے ہفتہ وار لگنے والے بازار ہمیشہ ہی انسانوں سے بھرے نظر آتے ہیں۔

جلدی جلدی اپنی مطلوبہ چیزیں خریدتے ہوئے بھی انہیں دو گھنٹے لگ گئے، واپسی پر ایک درخت کے نیچے سایہ دیکھ کر ارم بیٹھ گئی تو اسے بھی بیٹھنا پڑا۔

''یار کل تو وہ سنائیں ناں، کہ بڑی بی کے چھکے چھڑا دیئے۔'' ارم نے ہنس کر بتایا۔

''بہت بری بات ہے ارم۔'' اس نے سرزنش کی۔

''کیا بری بات ہے، وہ بات بے بات طعنے دیتی ہیں اور میں کچھ بھی نہ کہوں۔''

''وہ بڑی ہیں ہماری، اگر کچھ کہہ بھی جاتی ہیں تو کیا ہوا۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''کچھ ناں، اگر کچھ کہیں تب ناں، وہ تو شروع ہو جائیں تو رکتیں نہیں، ناں میرے ماں باپ بہن کو بخشتی ہیں نہ بہن بھائیوں کو، پھر میں کس خوشی میں لحاظ کروں۔'' ارم کی آواز میں غصہ تھا۔

''ارم بوڑھا انسان بچوں کی مانند ہوتا ہے، جس طرح بچے اپنی حرکتوں اور شرارتوں سے ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اس طرح بزرگ بھی ہماری توجہ کے طالب ہوتے ہیں، بس ہر ایک کا طریقہ الگ ہوتا ہے۔'' اس نے ایک بار پھر رسان سے سمجھایا، مگر ارم پر فضا کے سمجھانے کا کچھ اثر نہ ہوا وہ الٹا اسے سمجھانے لگی۔

''مانا بزرگ بچے بن جاتے ہیں، مگر بزرگوں کے پاس ان کی تمام عمر کا تجربہ ہوتا ہے جو ایک بچے کے پاس نہیں ہوتا، اس لئے انہیں چاہیے کہ اپنے اس تجربوں سے اپنے پیاروں کو فائدہ پہنچائیں، ان کی زندگی اجیرن نہ کریں۔

''میری مانو تو تم بھی اب خاموشی اور صبر کی بکری بن کر مت رہا کرو، تمہیں تو اٹھارویں صدی میں پیدا ہونا چاہیے تھا، ہوسکتا ہے تب ان خوبیوں کو تعریف کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو مگر آج کل کوئی نہیں سمجھتا، کوئی خود سے آپ کا حق نہیں دیتا، بلکہ چھیننا پڑتا ہے، یہ صبر، ایثار، قربانی تمہارے کسی کام نہیں آئے گی۔''

''میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے، بہت دیر ہوگئی ہے۔'' اس کی باتوں سے گھبرا کر فضا اٹھ کھڑی ہوئی۔

دونوں تھکے تھکے انداز میں اپنے گھروں کی جانب چل پڑیں، گھر میں قدم رکھا تو سامنے ہی زیتون بیگم کے ساتھ زرقا بیٹھی نظر آئی اور اس کے بچے صحن میں کھیل رہے تھے۔

''السلام علیکم بھابھی!'' اسے دیکھ کر زرقا نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور مٹھی میں دبے روپے اپنی ساس کو تھما دیئے۔

''کیا لائیں ہیں آج؟'' زرقا نے تھیلے میں جھانکا۔

''آہا...... کریلے...... محمود کافی دنوں سے قیمہ بھرے کریلوں کی فرمائش کر رہے ہیں، آج تو یہی پکایئے گا۔'' زرقا کی بات پر اس نے شدید تھکن اپنی رگ و پے میں سرائیت کرتی محسوس کی، مگر بظاہر مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''محمود شام میں آئیں گے، قیمہ بھرے کریلے تب پکایئے گا، ابھی تو جو ہے وہی لے

آیئے، سچ بہت بھوک لگی ہے۔'' زرقا نے کہا۔

''بس پانچ منٹ، ابھی گرم گرم روٹی بناتی ہوں۔'' اس نے زرقا کی جانب دیکھا۔

''بہو...... روٹیاں زیادہ بنا لینا ابھی فضیلا اور اس کے میاں بھی آتے ہی ہونگے۔'' زیتون بیگم بولیں۔

''جی اچھا۔'' اس نے کمرے میں جا کر چادر اتاری اور کچن میں آگئی۔

''کل ہی تو سب آئیں تھیں، اتنا سب کچھ بنایا تھا، آج پھر...... ابھی کل ہی کی تھکن نہیں اتری، بی بی تمہارے شوہر فرمائش کر رہے ہیں، تو تم پکا کر کھلاؤ ناں۔'' روٹیاں بناتے ہوئے اس کی سوچیں بھٹکنے لگیں۔

ارم کے دیئے گئے لیکچر کے زیر اثر ابھی اس میں اتنی ہمت تو نہیں آئی تھی کہ پلٹ کر جواب دیتی البتہ اس کی سوچیں ضرور باغی ہوگئیں تھیں اور بھلا سوچوں پر کس کا زور چلتا ہے، اس کی بڑی نندآئی تو تینوں ماں بیٹیاں اٹھ کر کمرے میں چلی گئیں، روٹیاں بنا کر اس نے کھانا ساتھ والے کمرے میں لگا دیا اور انہیں بلانے زیتون بیگم کے کمرے میں گئی، وہ کسی بحث میں الجھیں تھیں اسے دیکھ کر خاموش ہوگئیں، اس نے محسوس تو کیا مگر ہمیشہ کی طرح خاموش رہی، پھر روز ہی ایسا ہونے لگا، اس کی دونوں نندیں آتیں اور زیتون بیگم کے کمرے میں چلی جاتیں، اسے تجسس نے آ گھیرا، پھر یہ تجسس زیادہ دن برقرار نہ رہ سکا۔

اس دن شب برات تھی، صبح سے ہی اس کی دونوں نندیں آئی ہوئی تھیں، تمام دن وہ مختلف طرح کے حلوے اور کھانا بنانے میں مصروف رہی، رات کو ان لوگوں کے جانے کے بعد اس نے کچن صاف کیا اور صحن میں پھلجڑیوں اور پٹاخوں کا کچرا سمیٹا جو بچوں نے جلائیں تھیں، پھر وضو کر کے کمرے میں آگئی، اس کا ارادہ تمام رات عبادت کرنے کا تھا، علی بازو آنکھوں پر رکھے سیدھا لیٹا تھا، ابھی وہ جائے نماز بچھا رہی تھی کہ اس نے علی کی آواز سنی۔

''بات سنو...... ادھر آؤ۔'' وہ اٹھ بیٹھا۔

''جی۔'' اس کی جائے نماز کا کنارا موڑا اور اس کی جانب آئی۔

''یہاں بیٹھو۔'' اس نے بیڈ کی ایک جانب اشارہ کیا، وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

''میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے نارمل سے انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

بات تھی یا بم جو اس نے فضا کے اعصاب پر دے مارا تھا، اس نے تیزی سے ہاتھ چھڑایا اور بے یقینی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''ہماری شادی کو پانچ سال ہو گئے، مجھے بچہ چاہیے، اپنی اولاد چاہیے، تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، میں اسے الگ گھر میں رکھوں گا، تم یہاں اسی طرح رہنا جیسے اب رہ رہی ہو۔'' وہ اس کے احساسات کی پروا کیے بغیر بولتا جا رہا تھا۔

''مجھے یقین ہے تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔'' علی نے بات مکمل کرنے کے بعد اس کی جانب دیکھا اور کچھ اس کے بولنے کا انتظار کیا، پھر بیڈ کی دوسری جانب کروٹ لے کر لیٹ گیا، وہ کسی بت کی مانند اس کو دیکھتی رہی۔

الفاظ تھا یا سیسہ جو اس نے اس کے کانوں میں انڈیلا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اسے تکلیف نہیں ہو گی، پانچ سال پہلے وہ جس شخص سے باندھ دی گئی تھی تب سے اب تک وہ اپنی سب خواہشات، سب خواب واحد اسی شخص سے وابستہ کرتی آئی تھی، اسی ایک شخص کی وجہ سے اس نے خاموشی سے صبر کے ساتھ دن رات اس کی اور اس کے گھر والوں کی دن رات خدمت کی تھی، زبان پر اک حرف ندامت لائے بغیر، دادی، تایا نے تو شادی کے بعد بھی مڑ کر اس کی خبر نہیں لی، وہ ان کے لئے صرف ایک بوجھ ہی تو تھی، رشتوں کے نام پر بچا ہی کیا تھا اس کے پاس، آپ کے پاس ایک ہی چیز ہو، جو آپ کی متاع حیات ہو، وہ بھی چھین کر کسی اور کو دی جا رہی ہو اور کہا جا رہا ہو کہ ''یقین ہے تمہیں اعتراض نہ ہوگا'' تو کیا واقعی آپ کو اعتراض نہیں ہوگا؟ کیا واقعی آپ کو تکلیف نہیں ہوگی، وہ چیخنا چاہتی تھی، وہ چلا چلا کر بتانا چاہتی تھی کہ۔

اسے اعتراض ہے، اسے تکلیف بھی ہو رہی ہے، وہ اپنی زندگی میں موجود اس واحد رشتہ کو نہیں کھونا چاہتی۔

مگر یہ تو کس سے کہے، کہ جس سے وہ کہنا چاہتی تھی، وہ تو کروٹ لئے بے حد سکون سے سو رہا تھا، وہ تیزی سے اٹھی جائے نماز کا کنارا سیدھا کیا اور نماز کی نیت باندھ لی، وہ اپنی سب باتیں سب فریادیں اس کے سامنے کرنے لگی جو سب کی سنتا ہے اور کسی کو مایوس نہیں کرتا، آنسو برسات کی مانند اس کی پلکوں سے جھڑنے لگے۔

☆☆☆

صبح ناشتہ بنانے کے بعد وہ سو گئی، صفائی اس کی نند روبی نے کر لی، کیونکہ آج اسے کالج سے چھٹی تھی۔

ابھی اسے سوئے گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ کسی نے نہایت بے دردی سے اس کی چادر پکڑ کر کھینچی، وہ خوفزدہ سی اٹھ بیٹھی، سامنے اس کی چادر دونوں ہاتھ میں لئے ارم کھڑی ہنس رہی تھی۔

''بڑے گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہی ہو آج طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' فضا نے اس کی بات پر مسکراتے ہوئے بیڈ پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر اوڑھا اور پاؤں سمیٹ کر اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

''خیریت تو ہے ناں، یہ آنکھیں کیوں اتنی سرخ ہو رہی ہیں؟'' ارم نے اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پھر پوچھا۔

''سوئی نہیں ناں، ساری رات عبادت کرتی رہی، شاید اس لئے۔'' اس نے نظریں چرائیں کیسے بتاتی بھلا کہ وہ ساری رات روتی رہی ہے، اپنے بے حال ماضی پر، سسکتے ہوئے حال اور غیر یقینی مستقبل پر۔

''اوہ...... پھر تو میں نے غلطی کر دی، تمہیں اٹھا کر۔'' وہ ازحد شرمندہ ہوئی۔

''کوئی بات نہیں۔'' وہ مسکرائی۔

''اصل میں صبح ہی صبح ردا سے لڑائی ہو گئی، اس لئے موڈ آف تھا، میں نے سوچا، تم سے ہی گپ شپ کر آؤں۔''

''کیوں اب کیا ہوا؟'' فضا نے ہاتھوں سے بال سنوارے اور پیچھے موجود چٹیا کا جوڑا بنایا۔

''ہونا کیا ہے یارا، وہی فضول کا معاملہ، اور اصل فساد کی جڑ تو وہی ہیں، ان کی والدہ، پتا نہیں کب مریں گی کہ زندگی پرسکون ہوگی۔'' اس نے بیزاری سے کہا اور اٹھ کر کمرے کا چکر لگایا۔

''اُف!'' فضا کی روح تک کانپ گئی، بے شک اسے بھی اپنے سسرال والوں سے خاصے شکوے تھے مگر وہ کسی انسان کے مرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

''فضا! میں نے سنا ہے، شب برات کے دن جن لوگوں نے اس سال مرنا ہوتا ہے، ان کے نام کے سدرۃ المنتہیٰ سے پتے جھڑ جاتے ہیں۔'' ارم نے میز پر رکھا پین قلم اٹھایا۔

''توبہ کرو، کیسی باتیں کر رہی ہو آج۔'' اس نے پریشانی سے کہا۔

''چلو آؤ، آج پرچیاں ڈال کر چیک کرتے

ہیں کہ پہلے میں مروں گی یا میری ساس؟"

"او خدایا، پاگل لڑکی، یہ کیا طریقہ ہے۔" وہ تیزی سے بیڈ سے اتری اور ارم کے ہاتھوں سے کاغذ قلم لے لیا۔

"اوہ...... ڈرپوک لڑکی، کچھ نہیں ہوتا، پرچیاں ڈالنے سے کسی نے واقعی تھوڑی مر جانا ہے اور نہ اس طرح کسی کے مرنے کا پتا چلتا ہے، بلکہ یہ تو وہ راز ہے جسے خدا کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔" ارم نے اس کے ہاتھ سے کاغذ قلم چھینا اور پرچیاں بنانے لگی فضا حیرت اور خوف کے زیر اثر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"ویسے بھی مجھے پتا ہے، پہلے میری ساس ہی مریں گی، میری ابھی عمر ہی کیا ہے، ابھی تو بہت سے خواب ہیں میرے جنہیں پورا ہونا ہے۔" اس نے کہا۔

"لو اب ایک پرچی اٹھاؤ۔"

"کیوں بھئی، میں کیوں اٹھاؤں۔" وہ کچھ خوفزدہ ہوئی۔

"یار! تم مجھ سے زیادہ اچھی انسان ہو، صبر، ایثار کا پتلا ہو اور پھر تم نے ساری رات عبادت بھی تو کی ہے، مجھے یقین ہے تم درست پرچی اٹھاؤ گی۔"

"نہیں جی شکریہ مجھے تمہارے اس فضول کھیل میں شامل نہیں ہونا۔" ارم نے اسے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے، خوفزدہ دیکھا تو قہقہہ لگا اور پھر خود ہی ایک پرچی اٹھالی، پرچی اٹھاتے ہی اس کے قہقہے کو بریک لگ گئی۔

"کیا ہوا؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

ارم نے کوئی جواب نہ دیا، اس کی نگاہیں ہاتھ میں پکڑی پرچی پر ساکن تھیں، فضا نے اس کے ہاتھ سے پرچی چھینی اور اپنی جانب موڑ کر دیکھی، پرچی پر "ارم" لکھا تھا، ایک پل کے لئے کمرے میں گہرا سناٹا چھا گیا۔

"ایک دم فضول، بکواس ہے یار سب۔" دوسرے ہی پل فضا نے پرچی پھاڑ کر پھینک دی، ارم اب بھی خاموش تھی، تبھی صحن میں شور ہوا تو دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور کمرے سے باہر نکل آئیں، فضا کی دونوں نندیں اکٹھیں آئیں تھیں، ارم نے ان سے سلام دعا کی اور پھر آنے کا کہہ کر چلی گئی، اس کی دونوں نندیں اس کی ساس کے کمرے میں چلی گئیں، جہاں زیتون بیگم اور روبی پہلے سے موجود تھیں، وہ چائے بنانے کچن میں چلی آئی، کہ اس نے علی کی آواز سنی، وہ صحن میں کھیلنے والے اپنے بھانجا، بھانجیوں سے مل کر کمرے میں ہی چلا گیا، اس نے ایک کپ کا مزید اضافہ کیا اور ٹرے اٹھا کر کمرے میں چلی آئی، وہ سب ایکدم اسے دیکھ کر خاموش ہو گئے تھے، اس نے ٹرے میز پر رکھی اور خاموشی سے واپس آ گئی، صحن میں بچھی پلنگ پر بیٹھ کر بیزاری سے وہاں کھیلنے والے بچوں کو دیکھنے لگی۔

"اچھا...... تو یہ تھا وہ کام، جس کے لئے دن رات میٹنگز بلائی جا رہی تھیں، تو یہ سب مل کر مجھ سے میرے علی کو چھیننا چاہتی ہیں، نندیں اور ساس تو ازل سے ہی بہو کی دشمن چلی آ رہی ہیں، پھر اب کیسے یہ تاریخ بدل سکتی ہے بھلا۔" وہ جیسے جیسے سوچتی جا رہی تھی ویسے ویسے ان لوگوں کے لئے نفرت محسوس کر رہی تھی، اچانک ارم کے گھر سے چیخوں کی آوازیں آنے لگیں۔

"اچھا کرتی ہے، کم از کم اپنے دل کا بوجھ تو ہلکا کر لیتی ہے، ورنہ اتنی خدمت اور جی حضوری کا کیا صلہ ملتا ہے۔" اب چیخیں رونے کی آوازوں میں ڈھل گئیں تو وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی، آہستہ آہستہ آوازیں بڑھتی جا رہی تھیں، وہ دھک

دھک کرتے دل کے ساتھ بیرونی دروازہ کھول کر باہر نکلی، بہت سے لوگ ارم کے گھر آ جا رہے تھے، وہ بھی پریشانی سے اندر داخل ہو گئی اور پھر ساکت کھڑی رہ گئی اندر کے منظر نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا تھا۔

ارم کی ساس نندیں دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں اور ان کے سامنے ارم کا بے جان وجود تھا، جسے سفید چادر میں ڈھانپا گیا تھا، دکھائی دے رہا تھا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا، ابھی کچھ دیر پہلے تو وہ اس سے مل کر آئی تھی، جب اس کے اپنے والدین فوت ہوئے تب وہ بہت چھوٹی تھی، وہ نہیں جانتی تھی کہ موت کیا ہوتی ہے، مگر اس لمحے شدت سے اسے موت کی سفاکی کا علم ہوا تھا، کس طرح ہماری نظروں کے سامنے چلتا پھرتا انسان چلا جاتا ہے، خود بہت دور۔

"ویسے پتا ہے مجھے، پہلے میری ساس ہی مریں گیں، ابھی عمر ہی کیا ہے میری، ابھی تو بہت سے خواب ہیں میرے، جنہیں پورا ہونا ہے۔" اس کے ذہن میں فضا ہی کھنکتی ہوئی آواز آنے لگی۔

اس نے ایک بار پھر ارم کے چہرے کو غور سے دیکھا اور پھر روتی سر پیٹتی ساس کو، کہیں اسے نظر کا دھوکا تو نہیں ہوا۔

جس طرح چیزوں کے جانے کے بعد ان کی قدر کا احساس ہوتا ہے بالکل اسی طرح بعض انسانوں کی کمی اور فقط ان کے جانے کے بعد محسوس ہوتی ہے، اس نے بے جان ہاتھوں سے آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کیے اور مرے مرے قدموں سے واپس لوٹ آئی تاکہ زیتون بیگم کو اطلاع دے مگر کمرے آتیں آوازوں نے اسے باہر ہی رکنے پر مجبور کر دیا۔

"اور کیا علی...... اتنے سال ہو گئے، کبھی ہمارے آنے پر اس کے ماتھے پر ایک شکن نہیں پڑی، جب بھی آؤ، رات ہو یا دن، مسکراتی ہی ملتی ہے۔" یہ اس کی بڑی نند تھیں۔

"میں تو سارا دن کالج میں ہوتی ہوں، گھر اور امی کو بھابھی ہی سنبھالتی ہیں، مرضی ہوئی تو کچھ کر لیتی ہیں ورنہ بھابھی نے کبھی مجھ سے گھر کا کام کرنے کا نہیں کہا۔" یہ روبی تھی۔

"اور ہاں علی یاد آیا یہ لو رپورٹ کچھ دن پہلے فضا میرے ساتھ جا کر ٹیسٹ کروا کر آئی تھی، یہ اس کی رپورٹ ہے، دیکھ لو پازیٹو ہے۔" بڑی نند نے اپنے بیگ سے ایک لفافہ نکال کر علی کو تھمایا، علی کانپتے ہاتھوں سے لفافہ کھولا اور رپورٹ دیکھ کر خوشی سے اس کا چہرہ چمک اٹھا۔

"دیکھ لو بیٹا! اس غریب کی سن ہی خدا نے، اب اگر تم نے بہو کو ذرا سی بھی حق تلفی کی تو ہمیں بھول جانا، رہنا اپنی اسی ہوتی سوتی کے ساتھ، یہ ہم سب کا مشترکہ فیصلہ ہے۔" زیتون بیگم کی آواز میں موجود سختی ان کے فیصلے کی مضبوطی کا پتا دے رہی تھی، کہ وہ کہہ رہی ہیں کر بھی گزریں گیں۔

فضا کو یہ سب سن کر اپنی کچھ دیر پہلے کی سوچوں پر شرمندگی ہونے لگی، بعض اوقات انسان ہماری امیدوں پر پورا نہیں اترتا، وہ صبر، ایثار، قربانی کے بدلے ہمیں وہ صلہ نہیں دے پاتا جس کی ہمیں اس سے توقع ہوتی ہے مگر ہمیں ناامید ہونے سے پہلے سوچنا چاہیے کہ، ایک ذات ایسی بھی ہے جو ہمارے سب جذبوں کو دیکھتی ہے، ہماری ہر بات سنتی ہے اور اس نے ہمارے اعمال کا ہمیں پورا پورا بدلا دینے کا وعدہ کیا ہے، اس نے آسمان کی جانب نگاہ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا اور دستک دے کر اندر داخل ہو گئی۔

☆☆☆

"ماہی ارے...... ماہی کدھر ہے جلدی سے پانی لا میرے لئے، گرمی سے برا حال ہے۔" رضیہ پھپھو گھر کی دہلیز عبور کرتی ہی دہائی دینے لگی تھیں، عبایا اتار کر ایک طرف ڈالا اور خود برآمدے میں بچھے تخت پوش پر آتی پالتی مار کر بیٹھ گئیں، ان کی آواز سنتے ہی ماہ نور کچن کی طرف بھاگی۔

"یہ لیں پھپھو۔" ماہ نور نے انہیں ٹھنڈے پانی کا گلاس تھمایا جسے وہ ایک ہی سانس میں چڑھا گئیں۔

"یہ لو گوشت سبزی، علیم الدین کے آنے سے پہلے کھانا تیار کر لو۔" ذرا جو سانس بحال ہوا تو رقیہ پھپھو نے شملہ مرچ اور چکن ماہ نور کو تھمایا۔

"گل نور کہاں ہے ماہی؟" ماہ نور سامان رکھ کر لوٹی تو تمام اطراف کا جائزہ لینے کے بعد کڑے تیور لیے پھپھو نے استفسار کیا۔

"وہ... پھپھو...... آپی تو......"

لڑکیوں کے تنہا گھر سے باہر جانے کے وہ کس قدر خلاف تھیں اس بات سے وہ دونوں بہنیں بچپن سے آگاہ تھیں اب اس بات پر وہ کس قدر خفا ہوں گی علیم الدین سے ان کی الگ درگت بنے گی، اتنی اہانت کا سوچ کر ہی ماہ نور کی زمین قدموں تلے کھسکتی جا رہی تھی۔

"اب بولتی کیوں نہیں، کہاں گئی ہے تمہاری آوارہ گرد بہن؟" انہوں نے ہاتھ نچا کر پوچھا۔

"پھپھو آپی اپنی سہیلی کے ساتھ بازار گئی ہے۔"

"ناں میں پوچھتی ہوں ایسی کون سی ضرورت کی چیز ہے جو میں تم لوگوں کو مہیا نہیں کرتی، پھر بازار جانے کی نوبت کیونکر آئی، وہ بھی ایسی صورت میں نہ باپ سے اجازت نہ پھپھو سے۔" ان کا غصہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا، غصے کے گراف کے ساتھ ان کی آواز کا درجہ بھی بلندی اختیار کرتا جا رہا تھا۔

"پھپھو آپی تو نہیں جا رہی تھی شازیہ خالہ کی بیٹی ہے ناں راحیلہ وہ گلی کی نکڑ پر جن کا گھر ہے اس نے بہت اصرار کیا تو آپی کو جانا پڑا۔" وہ اپنی صفائی میں ذرا سا ممنائی۔

"ہاں ہاں بھئی، آنے دو علیم الدین کو، اسے کہہ دیتی ہوں کہ تمہاری بیٹیاں جوان ہو گئیں ہیں اپنا اچھا برا خود سوچ سکتی ہیں اب میں ان کی پہرہ داری کے قابل نہیں، جبکہ وہ خود مارکیٹیں کھنگال لیتی ہیں تو سبزی لانا کیا مشکل ہے، سب چیزوں کے لئے خود مختار ہو تو یہ کام بھی خود سے کل کر لینا، میرے کیوں اس عمر میں گوڈے گٹے گھسواتی ہو۔"

"پلیز پھپھو ایسا تو مت کہیں، آپ بات کو کہاں سے کہاں لے گئیں ہیں۔"

"اب تو میرے ساتھ زبان درازی کرے گی، آنے دو تمہارے باپ کو، بات کرتی ہوں اس سے کہ تیری معصوم بلبلوں کے پر نکل آئے ہیں اب وہ اڑنے کو بے تاب ہیں اس سے پہلے کہ تیری پگ مٹی میں رولیں تو خود انہیں چلتا

کر۔" تنفر سے سر جھٹکتی رضیہ پھپھو کا طیش کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

"پھپھو کہاں جا رہی ہیں آپ، پلیز رک جائیں۔" انہیں عبایا پہنتے دیکھ کر ماہ نور نے التجاء کی۔

مت کر، اب تو تیرا باپ آئے گا تو بات ہو گی۔ انہوں نے ہاتھ ایک جھٹکے سے ماہ نور کے ہاتھ سے کھینچا اور با آواز بلند اپنے خیالات کا اظہار کرتیں دہلیز عبور کر گئیں، جبکہ ماہ نور سر پکڑ کر رہ گئی۔

☆☆☆

"یہ تم مجھے کہاں لے آئی ہو راحیلہ، میرے گھر میں ماہ نور کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں، اگر پھپھو کو پتہ چل گیا کہ میں گھر کے باہر ہوں تو قیامت سے پہلے قیامت آجائے گی۔" اس کی سنہری آنکھوں میں تیرتا خوف کا دریا نقاب میں چھپے اس کے حسن کی سرخیاں سنا رہا تھا۔

"بس کرو گل، ہر وقت اتنی خوف زدہ مت رہا کرو، کبھی اس کے علاوہ بھی کچھ سوچ لیا کرو۔" راحیلہ نے اسے بے پرواہی سے گھر کا تو گل نور کی پوری جان سمٹ کر آنکھوں میں بھر گئی۔

"تم یہاں دو منٹ بیٹھو، ابھی میرا بھائی یہاں آئے گا، اسے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" اور اس کی بات سن کر گل نور کے قدموں تلے سے زمین کھسک گئی۔

"راحیلہ...... یہ کیا حرکت ہے...... میں...... اس سے، اسے مجھ سے کیا کام ہے؟" وہ اس قدر بوکھلائی کہ بے ربط سے جملے اس کی زبان سے پھسلے۔

"بس وہ خود تمہیں بتا دے گا، اب مزید ٹائم برباد مت کرو میں ابھی آجاؤں گی۔" اسے بہ عجلت تسلی دیتی وہ تیر کی طرح باہر لپکی، وہ ہونق پن سے سفید اور کالے سنگ مرمر کی دیوار پر نگاہیں گاڑھے کھڑی تھی، اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جیسے مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں اور تب تو اس کی جان ہوا ہو گئی جب بلیک پینٹ اور فان شرٹ میں ملبوس ایک خوبرو نوجوان اندر داخل ہوا، وہ اس قدر وحشت زدہ ہوئی کہ سینے پر ہاتھ باندھتی دیوار سے چپک گئی، اس کی ٹانگیں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

"السلام علیکم!" اس نے آتے ہی شائستگی سے سلام کیا اور اس کی سہمی ہوئی کیفیت کا اندازہ لگایا جو لڑکی بھی گھر کی چار دیواری میں بھی تنہا نہ رہی ہو وہ اس وقت یہاں ایک مرد کے ساتھ تنہا کھڑی تھی، اس کی سراسیمگی خوف اور وحشت کا اندازہ وہ بخوبی کر سکتا تھا۔

"پلیز آپ مجھ سے ڈریں مت، آپ مجھ پر مکمل بھروسہ کر سکتی ہیں۔"

"م...... میں...... یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔" ایک ہاتھ سے چادر کا کونا تھامے دوسرے سے نقاب پکڑے وہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

"بالکل آپ چلی جایئے گا، میں آپ کو ہرگز نہیں روکوں گا گل، لیکن جانے سے پہلے میری ایک بات سنتی جایئے گا۔" اس نے التجا کی۔

"ن...... نہیں...... مجھے جانا ہے۔" وہ بے بسی سے رو پڑی اور اس کا وجود اس بری طرح کانپ رہا تھا کہ وہ کسی بھی لمحے گر جاتی۔

"گل آپ دو منٹ میری بات سن لیں، بس اس کے بعد میں آپ کو نہیں روکوں گا۔" احتشام نے آخری کوشش کی، وہ اس کے اندازے سے کہیں زیادہ بزدل، بے اعتماد اور خوفزدہ تھی۔

ایک متاسف سی نگاہ گل نور پر ڈال کر وہ الٹے قدموں واپس لوٹ گیا، اس کے جاتے ہی گل نور نے باہر کی طرف دوڑ لگائی۔

☆☆☆

گھر آنے تک اس کا وجود بالکل بے جان ہو چکا تھا، وہ چارپائی پر آکر ڈھے گئی تو کب سے پریشانی میں غوطہ زن ماہ نور مزید تشویش کا شکار ہو گئی۔

"کیا ہوا آپی، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" اس کے ٹھنڈے پڑتے وجود اور پیلی رنگت کو دیکھ کر ماہ نور ہراساں ہو گئی۔

"کچھ نہیں ماہی، میرے اتنے ڈیشنگ بھائی کو دیکھ کر ہوش کھو بیٹھی ہے۔" اس کی غیر ہوتی حالت کے برعکس راحیلہ نے تمسخر اڑایا۔

"کیا احتشام بھائی بھی بازار گئے تھے آپ کے ساتھ؟" ماہ نور نے ڈرتے ڈرتے نگاہ اٹھا کر پوچھا تو خاموش آنسو پلکوں کی باڑ پھلانگ کر رخساروں پر بہہ نکلے گل نور بے چینی سے اٹھ بیٹھی۔

"میں نے تم سے کہا ہے نا راحیلہ یہ کسی طور ممکن نہیں پھر تم انہیں کیوں نہیں سمجھاتیں۔" اس نے جیسے تھک کر کہا، اس کے لفظ بے بسی کی چوٹ سے ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔

"وہ نہیں سمجھتا نور، وہ اب سے تمہارا طالب نہیں ہے، چار سال سے تمہاری ایک جھلک کے لئے ترس رہا ہے، تمہاری آواز سننے کو بے تاب ہے، مجھ سے اس کی حالت برداشت نہیں ہوتی نور، اللہ کے واسطے اتنی کٹھور مت بنو، کم از کم ایک بار اس کا اقرار سن لیتی۔"

"کیسے سن لوں راحیلہ، میرے باپ کو علم ہو گیا کہ میں کسی غیر مرد سے مل کر آرہی ہوں تو وہ میرا......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر سسک سسک کر رونے لگی۔

"اسے کہو اپنی راہ الگ کر لے میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔" اس نے درشتی سے کہا اور کمرے کا رخ کیا۔

"تم اسے کچھ سمجھاؤ۔" راحیلہ نے خاموش کھڑی ماہ نور کو مخاطب کیا۔

"وہ ٹھیک کہہ رہی ہے راحیلہ آپی، احتشام بھائی کا راستہ گل سے بالکل مختلف ہے۔" ماہ نور نے کڑوی سچائی اس کے کانوں میں گھولی تو راحیلہ تلملا کے رہ گئی۔

"تم دونوں ہی کٹھور اور بے رحم ہو جو کسی کا جنون اور عاشقی نظر نہیں آتی کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس قدر ویل ایجوکیٹڈ اور ویل آف پرسنالٹی کے قدموں میں بچھ جاتی۔" اس نے اپنا غصہ ان پر الفاظ کی صورت میں نکالا، تو ماہ نور پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

☆☆☆

"تم لڑکیوں کو بڑے مان سے تنہا چھوڑ کر روانہ ہو جاتے ہو علیم الدین اور تمہارے پیچھے یہ نجانے کیا کیا تخریب کاریاں کرتی پھرتی ہیں یہ اب مجھ بوڑھی کو کیا سمجھتی ہیں۔"

"ہوا کیا ہے رضیہ آپا، اس قدر واویلا کیوں کر رہی ہیں۔" علیم الدین نے پاؤں پسارے اور کمر سیدھی کرنے کو پلنگ کے کراؤن سے ٹیک لگالی۔

"ارے تو بھی بھولا کا بھولا ہی رہنا، جب لڑکیاں بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان پر کڑی نظر رکھنی پڑتی ہے، ماں تو ان کی ہے نہیں جو چھوریوں کو مٹھی میں رکھے رہ گئی میں تو میری خود دو جوان بیٹیاں ہیں، شوہر، بچے، گھر بار ہے میں بھلا کتنا وقت ان کی رکھوالی کر سکتی ہوں۔" انہوں نے اس انداز پر شدید برہمی کا اظہار کیا۔

"تمہاری لاڈلی بازاروں کے نام پر نجانے کیا گل کھلاتی پھرتی ہے۔"

پھپھو رضیہ زبان سے شروع ہی سے بہت کملی واقع ہوئی تھیں، اپنے نادر خیالات بغیر کسی تول وزن کے جھٹ سے پیش کر دیتیں۔

"اب اس بات پر کوئی ایشو نہیں ہوگا رضیہ آپا، راحیلہ اور اس کی ماں، آئیں تھیں تمام معاملہ انہوں نے مجھے بتا دیا تھا، گل نور کو بہت مجبوری میں انہیں ساتھ لے جانا پڑا، بچیوں کے پاس فون تو تھا نہیں جو وہ مجھ سے یا آپ سے اجازت طلب کرتیں، لہٰذا اسے جانا پڑا، اب آپ بھی

پریشان نہ ہوں، قاری صاحب کا گھر برسوں سے ہمارا رفیق ہے آپا اور محلے داری بھی تو کوئی شے ہے۔" علیم الدین نے رسانیت سے کہا۔

"بس مجھے تو پہلے ہی پتہ تھا کہ محترمائیں میرے شریف النفس بھائی کو شیشے میں اتار چکی ہوں گی۔" وہ کسی طور مطمئن نہ ہو رہی تھیں۔

"جس دن تمہاری آنکھوں میں دھول جھونک کر اڑنچھو ہو گئیں تب رونا آنکھوں میں ہاتھ دے دے کر۔" انہوں نے دورس خیالات کا اظہار کیا تو دوسرے کمرے میں کھڑی گل نور تڑپ کر رہ گئی۔

"میرا کیا ہے تیرے بھلے کو ہی بولتی ہوں علیم الدین، بیٹیوں کا ساتھ ہے اور یہ عورت ذات بڑی نامراد ہوتی ہے ذرا سی ڈھیل دینے پر اپنی اوقات بھول کر ہواؤں میں اڑنے کو بے تاب رہتی ہے، پھر بھی تجھے میرا روکنا تو کتنا برا لگتا ہے تو میں اپنے گھر تک محدود ہو جاؤں گی، جتنا تیرا ساتھ دینا تھا دے دیا تو جانے اور تیری بیٹیاں۔" آخر میں وہ کچھ آبدیدہ ہو گئیں تو علیم الدین لپک کر پلنگ سے اترے، علیم الدین کی بیوی کی وفات کے بعد کس طرح رضیہ نے ان کی دونوں بیٹیوں اور گھر کو کیسے سنبھالا تھا اس پر وہ ان کے بے حد مشکور تھے۔

"آپا ناراض کیوں ہوتی ہیں، آج تک آپ نے جو کہا میں نے مانا، جیسے آپ نے ماہ نور اور گل نور کی پرورش چاہی کی، اب بھی میں آپ کے فیصلے کے خلاف کبھی نہیں جاؤں گا۔" بیتے دنوں کی ان کی بے لوث خدمت یاد کر کے علیم الدین بے ساختہ ہی احسان مند ہوئے۔

"اچھا ان باتوں کو چھوڑو اور جلد سے جلد انہیں اپنے گھروں کی کرنے کی سوچ۔"

علیم الدین کو آبدیدہ دیکھ کر رضیہ بیگم کچھ نرم پڑسیں اور ہزاروں تاویلیں ان کے پلو سے گانٹھ کر رخصت ہو گئیں۔

☆☆☆

علیم الدین کی دو بیٹیاں گل نور اور ماہ نور تھیں، ماہ نور کی پیدائش کے وقت ان کی ماں کے کیس میں اس قدر پیچیدگیاں ہوئیں کہ وہ جانبر نہ ہو پائیں اور خالق حقیقی سے جا ملیں، ایسے میں علیم الدین کی بہن اور ان کا واحد سہارا رضیہ بیگم نے ان کا بھر پور ساتھ دیا، دونوں بچیوں کو انہوں نے اپنی بیٹیوں کی طرح پالا جس میں سال بھر کا فرق تھا، لیکن لڑکیوں کے معاملے میں ان کی سوچ اور اصول کچھ محدود تھے یہ ان ہی کی مہربانی تھی کہ گل نور اور ماہ نور میٹرک سے آگے شدید خواہش کے باوجود تعلیم جاری نہ رکھ سکیں، انہیں گھر سے قدم باہر نکالنے کی اجازت نہ تھی، حتیٰ کہ ان کی اونچی آواز بھی دیواروں سے ٹکرانے نہ پائے۔

ضرورت زندگی کی تمام اشیاء انہیں رضیہ پھپھو کے توسط سے گھر میں ہی ملتیں، حتیٰ کہ انہیں موبائل استعمال کرنے کی بھی اجازت نہ تھی، یوں ان کی زندگی اس گھر کے در و دیوار سے شروع ہو کر وہیں ختم ہو جاتی تھی، اس کا نقصان یہ ہوا کہ ان کی شخصیات ابھرنے اور سنورنے سے پہلے ہی زنگ آلود ہو گئیں بے اعتمادی اور ذات کا بھروسہ انہیں حاصل نہ تھا، پھر سے وہ بری طرح ہراساں و پریشان ہو جاتیں، باہر قدم نکالنے کے خوف سے ہی تھر تھر کانپنے لگتیں۔

گل نور جب نویں جماعت کی طالبہ تھی تو وہ اپنی سہیلی اور محلے دار راحیلہ کے ساتھ سکول پڑھنے جایا کرتی تھی، رضیہ پھپھو اسے بڑی سی سفید چادر میں لپیٹ کر اور آیات کے ورد پڑھ کر باہر بھیجتیں، راحیلہ کا بھائی ان دنوں یونیورسٹی میں ماس

[illegible] ان میں [illegible] کر رہا تھا، ان دونوں کو بیچ اور چھوڑنے کی ذمہ داری اسی کی تھی، ان دو سالوں میں اس لڑکی کے پیچھے چلتے چلتے نجانے کب اس کا دل بھی اس کے تعاقب میں چل پڑا اسے احساس ہی نہ ہوا، دل کی شدت اور اس کی شدتوں کا تقاضا تو تب پتہ چلا جب وہ معصوم سی لڑکی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی، سفید چادر میں لپٹا وجود جس کی پشت وہ روز چلتے چلتے دیکھتا تھا، جیسے دور کہیں اصولوں کی دھند میں مدغم ہو گیا، بے چینی حد سے سوا تھی اور بے کلی و بے بسی عروج پر، لاکھ سمجھانے کے باوجود دل اپنے موقف پر قائم تھا، تب اس نے راحیلہ کا سہارا لیا اور اسے اپنے جذبات گل نور تک پہنچانے کا عندیہ دیا۔

وہ گذشتہ چار برس سے گل بانو کو اپنے بھائی کے سچے عشق کی بے قراریاں سنا رہی تھی، گل بانو کو تو جیسے اس کی ہر بات ازبر ہو چکی تھی، مگر اس کا انکار اقرار میں نہیں بدلا تھا، تب ہی تھک آ کر احتشام نے راحیلہ سے درخواست کی کہ وہ اسے کسی طرح آئسکریم پارلر تک لے آئے وہ خود اپنی جذبات کی سچائی بیان کرے گا تو ضرور پگھل جائے گی مگر سب کچھ اس کے برعکس ہوا اور وہ بے مراد لوٹ آیا۔

☆☆☆

رات کے دو بجے کوئی ان کے دروازے کو بری طرح پیٹ رہا تھا، احتشام ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، جلدی سے شرٹ پہن کر وہ دروازے کی طرف لپکا، اتنی سی دیر میں راحیلہ اور شازمہ (والدہ) بھی بیدار ہو چکی تھیں۔

دروازے پر ماہ نور کو دیکھ کر اس کی چھٹی حس نے کچھ غلط ہونے کا الارم بجایا تھا۔

"بھائی...... وہ...... ابا جان۔" وہ شدید بوکھلائی ہوئی تھی، مارے گھبراہٹ اور خوف کے اس سے جملہ مکمل نہیں ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا انکل کو؟"

"پتہ نہیں آپ میرے ساتھ چلیں۔" اس کی آواز میں کئی انہونی کے احساسات غلبہ پا چکے تھے۔

"ہاں ہاں میں چلتا ہوں آپ میرے ساتھ چلو، امی آپ لوگ گھر میں ہی رہیں، میں صورتحال معلوم کر کے کانٹیکٹ کرتا ہوں۔"

شازمہ اور راحیلہ کو متفکر دیکھ کر احتشام نے کہا اور خود بہ عجلت ماہ نور کے ساتھ روانہ ہوا، جب وہ ان کے گھر پہنچا تو علیم الدین پسینے میں شرابور ہو رہے تھے، پاس ہی وہ دشمن جاں انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی، آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور اسے دوپٹے کا بھی ہوش نہیں تھا۔

آج چار سال بعد اس نے اس لڑکی کو دیکھا تھا جس کی خواہش دل میں بہت شدید تھی، اسے دیکھتے ہی گل نور کو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا، اس نے فوراً دوپٹے کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں، جبکہ اسے نظر انداز کرتا احتشام علیم الدین کی طرف متوجہ ہوا، انہیں بازوؤں میں اٹھا کر وہ باہر کی طرف لپکا۔

"ابا جان کو واپس لے کر آنا ہمیں ان کی ضرورت ہے۔" وہ دہلیز تک پہنچا تھا جب وہ ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی اس تک آئی تھی، احتشام نے لمحہ ان سحر طراز آنکھوں میں جھانک کر دیکھا جن میں ایسی امیدیں تھیں جیسے وہ آخری مسیحا ہو۔

"خدا سے دعا کرو نور وہ بہتر کارساز ہے۔" اس نے مختصراً کہا اور دہلیز پار کر گیا۔

☆☆☆

علیم الدین کا بلڈ پریشر شوٹ کر گیا تھا، مانو موت کو چھو کر پلٹے تھے یہ شاید گل نور اور ماہ نور کی

دعاؤں کا کرشمہ تھا کہ وہ گھر لوٹ آئے تھے ورنہ حالت تو کچھ اور ہی بتائی تھی، سویرے ہی سویرے رضیہ پھپھو اپنے شوہر سمیت آ چکی تھیں، چند گھنٹوں کے جان لیوا انتظار کے بعد علیم الدین موت کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے اور گھر لوٹ آئے، احتشام اور ان کے والدان کے ہمراہ تھے، پھپھو نے دونوں لڑکیوں کو فوراً منظر سے ہٹ جانے کا اشارہ کیا، احتشام اور قاری صاحب دونوں سہارے سے علیم الدین کو اندر لا رہے تھے جو چند گھنٹوں کی جنگ کے بعد صدیوں کے بیمار لگ رہے تھے وجود انتہائی لاغر اور نقاہت زدہ لگ رہا تھا۔

"میرے بھائی...... میرے آنکھوں کے نور، مجھے خبر کی ہوتی۔" رضیہ پھپھو فطری محبت سے رو پڑیں۔

"رات بہت زیادہ بیت چکی تھی آنٹی اسی لئے آپ کو اطلاع نہیں کر سکے۔" احتشام نے رسان سے کہا۔

"اب کیسا محسوس کر رہے ہو علیم الدین؟" پھپھو نے فرط محبت سے ان کے بالوں میں ہاتھ پھیرا انہوں نے جواباً سر ہلا کر آنکھیں موند لیں۔

"آپ لوگوں کا بہت شکریہ بھائی صاحب، کڑے وقت میں اپنوں سے بڑھ کر ساتھ دیا ہے آپ نے۔" پھپھو بے حد مشکور تھیں۔

"ارے کیسی باتیں کرتی ہیں بہن، علیم الدین سے ہمارے برسوں پرانے تعلقات ہیں تو ہم پر بھی کچھ فرض عائد ہوتا ہے۔"

"آپ بیٹھیں بھائی صاحب، میں ناشتے کا بندوبست کرواتی ہوں۔"

"نہیں آنٹی جی اس کی ضرورت نہیں، دس بج رہے ہیں میں پہلے ہی آفس سے لیٹ ہوں، بس اب نکلتا ہوں واپسی پر انکل کی دوائیاں لیتا آؤں گا۔" احتشام نے سلیقہ سے معذرت کی تو پھپھو سر ہلا کر انہیں باہر تک چھوڑنے آئیں، ان کے نکلتے ہی وہ دونوں تیر کی طرح علیم الدین کی طرف لپکیں۔

"ابا جان، خدا کے بعد آپ ہمارا واحد سہارا ہیں، ہم آپ کے بغیر نہیں رہ سکتے۔" ماہ نور ان سے لپٹ کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے ماہی، لیکن موت بھی تو برحق ہے، بس اب تم دونوں اپنے گھروں کی ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔" علیم الدین نے کمزوری آواز میں کہا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا ابا جان، بس آپ کے پاس رہنا ہے۔"

"یہ تو قانون فطرت ہے بیٹیوں کو اپنے اصل کی طرف لوٹنا ہی ہوتا ہے۔"

"ابا جان اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔" وہ دونوں بے ساختہ ان سے لپٹ گئیں۔

"بس کرو بچیوں، اٹھو اور اپنے باپ کے لئے پرہیزی کھانا بناؤ، دیکھو چند گھنٹوں میں کیسے نچڑ کر رہ گیا ہے۔" پھپھو نے محبت سے ان کا چہرہ چھوا اور گل نور سے مخاطب ہوئیں، وہ دونوں آنسو پونچھتی رخصت ہو گئیں۔

☆☆☆

"یہ دوائیں لے لیں اور کچھ فروٹس بھی ہیں، اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔" دروازے پر احتشام کھڑا تھا، ماہ نور اس سے مطلوبہ اشیاء وصول کر رہی تھی، پھپھو ابھی اپنے گھر گئی تھیں۔

"بہت شکریہ بھائی، ہسپتال سے لے کر اب تک آپ کا جتنا خرچ ہوا ہے بتا دیں آپی کہہ رہی ہیں وہ آپ کو اپنے ہیں۔" انیس سالہ ماہ نور

نے معصومیت سے گل نور کی بات من و عن اس تک پہنچائی، تو احتشام کے لبوں پر بڑی شریری مسکراہٹ مچل اٹھی۔

"اخراجات تو بہت آئے ہیں ماہ نور لیکن اس کی پے منٹ صرف گل کر سکتی ہے۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"ٹھیک ہے پھر میں انہیں بھیجتی ہوں۔" وہ ناسمجھی کے عالم میں پلٹ گئی اور احتشام یہ بھی نہ کہہ سکا کہ میں مذاق کر رہا تھا۔

"ماہ نور بتا رہی تھی کہ آپ کے کافی پیسے خرچ ہو گئے ہیں۔" دروازے کی اوٹ میں چھپی وہ استفسار کر رہی تھی۔

"ہاں ہوئے ہیں۔"

"کتنے؟"

"تم پوچھ کر کیا کرو گی۔"

"ادائیگی کر دوں گی۔"

"جب اپنوں کے لئے کوئی کچھ کرتا ہے تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی گل بی بی، مگر ہم آپ کے اپنوں کی فہرست میں ہیں ہی کب۔" وہ لمحوں میں دلگرفتہ ہوا۔

"یہ لیں پانچ ہزار، فی الحال میرے پاس یہی ہیں، ابا ٹھیک ہوں گے تو باقی حساب کتاب خود کر لیں گے۔"

"بہت شکریہ محترمہ، میں خود انکل سے حساب کتاب کر لوں گا آپ اتنی فکرمند مت ہوں، انکل کیسے ہیں اب۔" وہ درشتی سے بولا یقیناً اسے اس کا یہ عمل ناگوار گزرا تھا۔

"اب تو بہتر ہیں سو رہے ہیں۔" وہ بجھی بجھی سی گویا ہوئی۔

"ٹھیک ہے اس طرح یوں دروازے پر بات کرنا مناسب نہیں لگ رہا آپ دروازہ بند کر لیجئے میں شام کو انکل سے ملنے آؤں گا۔" اس نے کہا اور دروازے سے پلٹ گیا، گل مرے مرے قدموں سے لوٹ آئی، اس کا اس قدر فکر انگیز اور خاص انداز ابھی تک اس کی سماعتوں میں بازگشت کر رہا تھا، دل بار بار ہمک ہمک کر اس کی راہوں میں بچھ جانے کی خواہش کر رہا تھا، دل کی بے بسی پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆

"گل صرف ایک بار اجازت دو، مجھے ایک بار کوشش کرنے دو کہ میں تمہیں اپنا بنا سکوں، اس کے بعد جو تم چاہو گی وہی ہو گا۔" کچن کے دروازے پر کھڑا وہ استفسار کر رہا تھا، گل نور کے ہاتھوں سے چائے چھلک اٹھی۔

"آپ اندر چل کر بیٹھیں میں چائے بھجواتی ہوں۔" وہ بری طرح پزل ہوئی اور خوامخواہ چیزیں اِدھر اُدھر رکھنے لگی، اس کے اس فرار پر بے ساختہ دو قدم آگے بڑھا۔

"یہ ممکن نہیں۔" اس نے قطعیت سے کہا۔

"میری طرف دیکھ کر کہو۔" وہ غصے میں اس کی پشت پر آ کر بولا۔

"میں نے کہا یہ......" وہ رخ موڑنے لگی اور اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"روز تمہاری مہکتی زلفوں کے سائے میں خود کو محسوس کرتا ہوں مگر نور، خود کو تمہارے حصار میں قید محسوس کرتا ہوں۔" احتشام نے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے تھاما اور گل نور کی سانسیں منجمد ہو گئیں، اس کی مزاحمتیں دم توڑ گئیں، وہ آنکھیں بند کیے اس کی سانسوں کی گرمی اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی اس کا وجود ساکت تھا صرف شدتوں سے دھڑکنے والا دل اس کی زندگی پر مہر ثبت کر رہا تھا اور پھر نجانے کیا ہوا تھا اس نے دونوں ہاتھوں سے پوری قوت سے اسے پرے دھکیلا۔

"چلے جائیں یہاں سے۔" بے ترتیب سانسوں کے مابین اس نے جملہ ادا کیا اور رخ موڑ گئی۔

"میں آج انکل سے خود بات کروں۔"

"مجھے آپ کی انسلٹ گوارا نہیں، میں نہیں چاہتی کہ کوئی بلاوجہ ہم دونوں کے کردار پر کیچڑ اچھالے یا ہمارا نام یوں زدِ عام ہو، ہم برادری سے باہر رشتے نہیں کرتے یہ بات آپ جانتے ہیں۔" چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر سسک اٹھی۔

"مت روؤ گل مجھے تکلیف ہوتی ہے، کوشش کروں گا بہت جلد تمہیں چپ کروانے کے تمام حقوق اپنے نام کرلوں۔" اس کے ڈھکے چھپے اعتراف پر اس پر جیسے شادیِ مرگ طاری تھی۔

"پلیز آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔" وہ سہم کر بولی۔

"میں تو اب ایسا ہی کروں گا۔" اسے آنسو پونچھتے دیکھ کر احتشام نے اسی کے انداز میں کہا تو وہ بے ساختہ مسکرا اٹھی۔

"ہنستی رہا کرو، اچھی لگتی ہو۔" اس کے ہاتھ سے ٹرے تھام کر بولا تو وہ مزید جھینپ گئی، چار سال تک وہ اس سے بے گانہ رہی تھی لیکن راحیلہ نے اس کی باتیں اور اس کی جنوں خیز چاہت کے قصے سنا سنا کر گل نور کے دل و دماغ میں بس اسے ہی بسا دیا تھا، جب وہ اس کے سامنے نہیں تھا وہ سختی سے دل کے فیصلے پر کاربند تھی لیکن چند دنوں سے جس طرح دل و جان سے اس نے ان کے گھر کی ذمہ داری نبھائی تھی تو برسوں سے چھپتی بے نام محبت لڑ جھگڑ کر اپنا آپ منوا رہی تھی، ایک خوش کن خوابوں کی عمارت پانی پر تیار ہو رہی تھی۔

☆☆☆

علیم الدین چند دنوں کی علالت کے بعد صحت یاب ہوئے تو صحیح معنوں میں اب انہیں اپنی بیٹیوں کی فکر ستانے لگی، ان چند دنوں میں قاری صاحب کی فیملی نے جتنی ہو سکی اپنی خدمات کے ذریعے ان کی مدد دی اور انہی دنوں نے احتشام کو گل نور کے لئے خاص بنایا۔

"یہ میں کیا سن رہی ہوں علیم الدین، قاری کے بیٹے کا رشتہ ڈالا گیا ہے گل نور کے لئے۔" پھپھو کڑے تیور لیتے پوچھ رہی تھیں۔

"آپ نے ٹھیک سنا ہے آپا، ایسا ہی ہے۔"

"کھلا دیئے نا بیٹی نے گل، اب تو انہیں خیال نہ آیا باپ کی بیماری سے خوب فائدہ اٹھایا ہے تمہاری لاڈو نے، ایسے پیچ لڑائے ہوں گے کہ عقاب کی نظر رکھنے والا بھی پھنس جائے۔" رضیہ بیگم نے تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر سینہ چاک کر دیا۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں آپا جس گھر میں بیری کا درخت ہو وہاں پتھر تو آتے ہی ہیں، گل نور کا اس میں کوئی دوش نہیں، بہرحال میں نے مناسب الفاظ میں معذرت کر لی ہے۔" علیم الدین نے فہم و فراست سے معاملہ سمیٹا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو، ہماری دور کی خالہ کا ایک بیٹا ہے ڈیپارٹمنٹل سٹور ہے ان کا، لڑکا بھی با کردار، باحیا اور خوبرو ہے اپنی گل کے ساتھ خوب جچے گا، عرصہ دراز سے لاہور میں مقیم ہے لڑکا بھی وہیں سیٹ ہے، خاندان ہر لحاظ سے بہتر اور اچھا ہے۔" رضیہ پھپھو نے مزید گوہر فشانی کو ملتوی کرتے ہوئے مدعا کی بات علیم الدین کے کانوں میں انڈیلی۔

"آپ ذکر کر رہی ہیں تو اچھے لوگ ہی ہوں گے، بلاشبہ نور اور گل کو آپ نے اپنی بیٹیوں سے بڑھ کر پالا ہے، بہرحال میں بھی اپنے طور پر تسلی کر لوں گا۔" علیم الدین نے کہا تو پھپھو اثبات میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆☆☆

ان کے انکار پر احتشام کے گھر میں تو اضمحلال کے بادل چھا گئے، در و دیوار میں عجیب سی ویرانی اور اداسی بسیرا کر گئی، احتشام کا دل نجانے کیوں سنبھلنے میں نہیں آ رہا تھا، وہ لاکھ اس کو اپنے دماغ سے جھٹکنے کی کوشش کرتا وہ اتنی ہی شدتوں سے اس پر غالب آ جاتی، اس کی نڈھال اور بجھی بجھی کیفیت کے پیشِ نظر قاری صاحب نے اپنے طور پر علیم الدین سے بات کرنے کی ٹھانی، وائے ری قسمت کہ اس وقت پھپھو بھی موجود تھیں اور قاری صاحب احتشام کی دیرینہ محبت اور پسندیدگی کا حوالہ دے بیٹھے۔

بن بلائے مہمان کی طرح شامت گل نور کے سر آ بیٹھی، پھپھو کے شک پر مہر ثبت ہو گئی۔

"ذرا شرم نہ آئی تجھے بوڑھے باپ کی پگ رولتے، اچھی طرح جانتی ہے کہ خاندان سے باہر شادی کسی طور ممکن نہیں پھر یہ پیار محبت کی پینگیں کیوں چڑھائیں۔" پھپھو اپنے بلند والیوم کے ساتھ گل نور کی درگت بنا رہی تھیں، جو باپ کے سامنے ایسے موضوع کی گفتگو پر شرم سے زمین میں گڑھتی جا رہی تھی۔

"آپ آپی پر الزام مت لگائیں پھپھو، میری آپی ایسی نہیں ہے۔" اس ظلم و بے عزتی پر ماہ نور چیخ اٹھی۔

"زبان درازی مت کر ماہی، ورنہ تجھے بھی انڈے کی طرح پھینٹ دوں گی۔" پھپھو کی توپ کا رخ اب ماہ نور کی طرف تھا۔

"آج سے میں یہیں رہوں گی تم لوگوں کے پاس۔" رضیہ بیگم نے کہا تو علیم الدین سر بارِ تشکر سے مزید جھک گیا، گل نور کے رونے میں مزید شدت آئی تھی۔

☆☆☆

"ایسا کیونکر ہوا گل، تم اپنے والد کو سمجھاؤ، انہیں بتاؤ کہ تم میری اولین خواہش ہو، میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔" انتہائی بے بسی سے احتشام نے جملہ مکمل کیا، اس کی سرخ آنکھیں اس کی بے چینیوں کی غماز تھیں۔

"تم نے اپنی زندگی کا ہر پل محرومیوں میں گزارا ہے گل اب میں تم پر مزید ظلم نہیں ہونے دوں گا، تمہیں ایک انتہائی فیصلے میں میرا ساتھ دینا ہوگا۔" احتشام نے دروازے کی اوٹ میں چھپے ہیولے کو مختصر نگاہوں سے دیکھا جو یقیناً چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔

"مجھے آپ کے کسی فیصلے سے کوئی سروکار نہیں۔" اس نے گلوگیر آواز میں کہا تو احتشام تڑپ کر رہ گیا۔

"ٹھیک ہے اس بات کا فیصلہ اب خود کرو کہ تم میرے بغیر رہ سکتی ہو، اگر ہاں تو مجھے بھی تمہاری راہ میں حائل ہونے کی ضرورت نہیں اور اگر اس کا جواب ناں ہے تو میں آج رات بارہ بجے اپنے گھر کے باہر سفید گاڑی میں تمہارا انتظار کروں گا۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ پلٹ گیا اس کے فیصلے سے گل نور کو شدید جھٹکا لگا تھا کہ اس کی مزاحمتیں ایکدم دم توڑ گئیں، اتنے میں بازار سے پھپھو بھی لوٹ آئیں اور دور سے انہیں احتشام دکھائی دے گیا تھا، اک طنزیہ کاٹ دار نظر ساکت کھڑی گل نور پر ڈال کر وہ اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

ان کی آر پار ہوتی نگاہوں سے گل نور کو بے حد تضحیک کا احساس ہوا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

☆☆☆

"آپی احتشام بھائی بہت اچھے ہیں، آپ ان کی بات مان لیں، یہاں آپ کو کیا ملے گا، پھپھو کی لعن طعن، بد کرداری کے طعنے، چھبتی نگاہیں، مشکوک جملے، اس کے علاوہ کچھ بھی آپ کے دامن میں نہیں ہوگا، چلی جائیں آپی اس ماحول سے دور، اپنی الگ دنیا بسا لیں۔" ماہ نور نے احتشام کا پیغام سنا تو فوراً اسے سمجھانے بیٹھ گئی۔

"پاگل پن کی باتیں مت کرو ماہی۔" اس نے ماہ نور کو جھڑکا۔

"یہ پاگل پن نہیں ہے آپی یہ ہمارے گھر اور زندگی کی تلخ سچائی ہے جسے قطرہ قطرہ پینے پر ہم مجبور ہیں، آج احتشام بھائی کی صورت میں خوشیاں آپ کی منتظر ہیں، اگر آج اسے نہ سنبھالا تو کل خالی ہاتھ ہوں گے، آپ سوچ لیں اگر آپ ان کے بغیر جی سکتی ہیں تو پھر یہیں رہیں ورنہ ان......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس کا ہراساں چہرہ دیکھنے لگی جس پر موت کی سی زردی چھائی تھی۔

"فیصلہ آپ کا ہے۔" لوہا گرم دیکھ کر اس نے چوٹ کی، گل نور کی پرسوچ نگاہیں دیوار پر غیر مرکوزی نقطے پر ٹھہر گئیں۔

☆☆☆

رات اپنے دوسرے پہر میں داخل ہو چکی تھی، ہر سو مہیب سناٹے کا راج تھا، ویران اور ہولناک تاریکی نے ہر شے پر ڈیرا جما لیا تھا، آخری تاریخوں کا چاند اپنی محدود روشنی سے تاریکی سے جیت نہ پایا تھا، خود کو سفید چادر میں لپیٹ کر وہ کمرے سے باہر آ گئی، برآمدے میں زیرو پاور کا بلب جل رہا تا، وہ دبے قدموں چلتی صحن کی طرف بڑھتی جا رہی تھی، اس کا رخ داخلی دروازے کی طرف تھا، ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور حلق میں پیاس سے جیسے ببول اگ آئے تھے، خوف و ہراس سے اس کا وجود پسینے میں بھیگنے لگا تھا، گھر کے انتہائی گھٹن زدہ اصولوں اور بے جا کی روک ٹوک نے اسے شدید متنفر کیا تھا، وہ ایک بار علیم الدین کو دیکھنا چاہتی تھی اسی خواہش کی تکمیل کے لئے اس کے قدم ان کے کمرے کی جانب اٹھ گئے، مگر اندر سے آتی دھیمی کھسر پھسر نے اس کے قدموں کو وہیں دہلیز تک محدود کر دیا تھا، وہ لوگ ابھی تک جاگ رہے تھے۔

"بس کریں آپا، میری معصوم بیٹیوں پر الزام مت لگائیں، گل نور ایسی نہیں ہے۔" علیم الدین کی درشت آواز میں کہی گئی بات اس کی روح و جان کو بلبلانے پر مجبور ہو گئی۔

"آپا ہر وقت شک مت کرتی رہا کریں، مجھے اپنی بیٹیوں پر مکمل بھروسہ ہے آج تک انہوں نے مجھے کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا، اب بھی یہ بے بنیاد باتیں ہی ثابت ہوں گی، آپ ایسی باتیں کر کے میری جوان اولاد کو شرمسار مت کریں۔" علیم الدین بالآخر بھڑک اٹھے۔

"ٹھیک ہے بھئی تمہاری اولاد ہے جیسے چاہو کرو۔" پھپھو بڑبڑاتی سے کہتی سلیپر پاؤں میں اڑسنے لگیں اور اس مختصری گفتگو نے فیصلہ کا محاسبہ اس کے لئے آسان کر دیا تھا، اسے اپنی پھپھو کو غلط ثابت کرنا تھا ان کی سوچ کو بدلنا تھا اپنی نسل اپنی جنس کی نمائندگی کرنا تھی اپنے باپ کے فخر کو قائم رکھنا تھا۔

کمرے میں آ کر چادر اتار دی اور ماہ نور کے برابر آ کر لیٹ گئی۔

حوا کی بیٹی ایک بار پھر رشتوں کی بقاء پر قربان ہو گئی یہی تو اس کی حقیقت ہے اور محبت کی معراج تو جدائی سے ہی کھلتی ہے۔

☆☆☆

عین غین

فوزیہ غزل ---- شیخوپورہ

س: باہر کا موسم اندر کے موسم سے کب ملتا ہے؟

ج: دل کی مراد بھر آنے پر۔

س: اگلے موسم بہار میں بھلا ہم کہاں ہوں گے؟

ج: ایک شخص کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی، دوسرے دن وہ افسوس کرنے والے لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ ایک بات ہے کہ میری وہ لڑکی بڑی اللہ والی تھی بھاگنے سے ایک رات پہلے وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ ابا دو دن بعد ہمارے ہاں ایک شخص کم ہو جائے گا، اب تم؟

س: ہر شوہر کی بیوی اچھی لگتی ہے مگر دوسرے کی کیوں؟

ج: اسی کو تو کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر۔

نائمہ عثمان ---- وہاڑی

س: آپ کو کبھی کسی نے دن میں تارے دکھائے؟

ج: کیوں تمہارا ارادہ ہے۔

س: اگر انسان ریموٹ کنٹرول سے چلنے لگیں تو؟

ج: لگیں تو کیا مطلب، ابھی بھی چلتے ہیں یقین نہیں آتا تو کسی بھی شوہر کو دیکھ لو۔

س: نفرت کی زمین پر بھی پیار لکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟

ج: اس دور میں تو پاگل ہی ہوتے ہیں۔

س: کس موسم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے؟

ج: جس میں اندر اور باہر کا موسم یکساں خوشگوار ہو۔

وفا حیدر ---- سرگودھا

س: السلام علیکم! جناب کیا کر رہے ہیں؟

ج: آپ کے سوال پڑھ رہا ہوں۔

س: ہمیں تو حنا کی محفل سے محبت ہے اور آپ کو؟

ج: محفل والوں سے۔

س: کبھی غصہ آیا؟

ج: بے تکے سوال پڑھ کر۔

س: کس بات پر زیادہ غصہ آیا؟

ج: جس بات پر بھی غصہ آیا۔

س: زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟

ج: برا مان جاؤ گی پڑھ کر۔

س: کیا دوستی پیار ہے؟

ج: نہیں۔

س: کیا زندگی گزارنے کے لئے لو میرج ضروری ہے؟

ج: اچھے بچے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔

س: میرے بی اے کے پیپرز ہونے والے ہیں، دعا کریں گے۔

ج: کس کے لئے؟ تمہارے لئے یا ممتحن کے لئے۔

رضا فاطمہ ---- سادھوکی

س: آداب عین غین جی کیسے مزاج ہیں؟

ج: اللہ کا شکر ہے۔

س: میرے بغیر کیسا رہا؟

ج: سچ سچ بتائیں، برا تو نہیں مانوں گی۔

س: عین غین جی تو مائنڈ بتائیں؟

ج: بہت سکون رہا۔

س: کیا کہہ رہے ہیں ادھر دیکھیں؟
ج: دیکھ تو رہا ہوں، میں ناک پر رومال رکھ لوں۔

ملک فیصل اقبال ---- پاکپتن شریف

س: محبت کیا صرف ایک بار ہوتی ہے؟
ج: جی ہاں بعد میں عادت بن جاتی ہے۔
س: مکمل تنہائی کسے اچھی لگتی ہے؟
ج: جسے محبت ہوگئی ہو۔
س: حسن کو چاند کیوں کہتے ہیں؟
ج: اس تک رسائی جو مشکل ہے۔
س: عام طور پر تو شادیاں ہوتی ہیں؟
ج: شادیاں عام طور پر ہی ہوتی ہیں۔
س: محبت کیا ہے؟
ج: کیا تمہیں نہیں معلوم۔
س: روشنی کیا ہے؟
ج: لو یہ بھی بتانا پڑے گا۔
س: محبت میں کامیابی کا راز؟
ج: محبت کیا ہے تمہیں معلوم نہیں اور کامیابی کا راز پوچھنے لگے ہو۔
س: کسی سے پیار ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: علاج اپنے ماں باپ کے پاس جاکر۔

سعدیہ اقبال ---- پاکپتن شریف

س: میری آنکھوں میں دیکھو؟
ج: تمہیں نیند آرہی ہے۔
س: اپنوں کی جدائی کیوں برداشت نہیں ہوتی؟
ج: ان کی عادت سی جو ہو جاتی ہے۔
س: زندگی میں انسان کی ہار کب ہوتی ہے؟
ج: جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو۔
س: انسان اپنی بے عزتی کب برداشت کر لیتا ہے؟
ج: جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

رافعہ طارق ---- سکھر

س: ایک عورت کے لئے زندگی کا سب سے بھاری بوجھ کون سا ہوتا ہے؟
ج: جب تمہارے جیسے نکمے خاوند کا بوجھ اٹھانا پڑے۔
س: محبت کرنے کے لئے کیا چیز چاہیے؟
ج: دل۔
س: دنیا کی خوبصورت کیا چیز ہے؟
ج: دنیا خود بہت خوبصورت ہے۔
س: زندگی کی اداس راہوں میں؟
ج: خوشیاں بکھیر دو۔

عالیہ وحید ----- گکھڑ منڈی

س: آداب عین جی! تو پھر کیا اظہار ویلنٹائن پر؟ کیا تو کیا ملا؟
ج: روز۔
س: یوں زندگی کی راہ میں ٹکرا گیا کوئی، اب وہ بیچ راہ میں کہہ رہا ہے ہمیشہ کے لئے "گڈ بائے" اب میں کیا کروں؟
ج: راہ بدل لو۔
س: "گھٹیا" لفظ کا معنی تو لکھ دیں کہ کیا ہے؟
ج: لغت سے استفادہ کرلو۔
س: کیا اپنی محبت کو گھٹیا کہنے والے محبت کر سکتے ہیں کسی سے؟
ج: محبت کبھی گھٹیا نہیں ہوتی۔
س: کیا آپ نے کبھی کسی کی محبت کی توہین کی ہے؟
ج: نہیں۔
س: جب کوئی پیار سے بلائے گا......تم کو......؟
ج: ایک شخص بہت یاد آئے گا۔

☆☆☆

ذمہ دار کون؟

"جی فرمائیے، آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟"

"جی، ہمیں یہ بتانا تھا کہ اسکول میں اسٹوڈنٹس کو موبائل فون لانے کی اجازت نہیں اس لئے ہم نے آپ کی بیٹی سے موبائل فون لے لیا ہے محترمہ!"

"ہم نے خود لے کر دیا ہے کیونکہ کبھی گاڑی وغیرہ آنے میں لیٹ ہو جائے تو وہ ہم سے رابطہ رکھ سکے۔"

"مگر جب تک آخری لڑکی بھی چلی نہیں جاتی تب تک آیا کی ڈیوٹی رہتی ہے اور فون تو ہم اسکول سے کروا دیتے ہیں کہ یہ اسکول کی ذمہ داری ہے۔"

"مگر ہمارا خیال ہے کہ موبائل فون رکھنے کی اجازت ہونی چاہیے اور آپ کو ہماری بیٹی سے موبائل چھین کر رکھنا نہیں چاہیے تھا۔"

"اس عمر کے بچوں کو موبائل فون سوچ سمجھ کر ہی دینا چاہیے کہ اب تو موبائل کے ذریعے نیٹ پر بھی رسائی آسان ہوگئی ہے اور پھر وہاں پر ہر قسم کی ویب سائٹس ہوتی ہیں، آپ کو پتا ہے کہ آپ کی بچی کے موبائل فون میں کیسے اخلاق باختہ پیغامات اور تصاویر سیوڈ ہیں؟ آپ، والدہ ہیں اس لئے آپ کو بچیوں کی تربیت بہت احتیاط سے کرنی چاہیے۔"

"آپ میری بچی پر گھٹیا الزامات لگارہی ہیں۔"

"محترمہ! اساتذہ اور اسکول کا فرض ہے کہ وہ، آپ کو بچی کے نازیبا رویوں کے بارے میں بتائے، آپ کو تو اس بات پر سخت نوٹس لینا چاہیے کہ وہ کسی لڑکے کے ساتھ بہت حد تک انوالوڈ ہے اور وہ نازیبا کمیونیکشن کرتے ہیں۔"

"بس......بس......ہم جانتے ہیں کہ وہ کون لڑکا ہے اور ہماری اجازت سے وہ آپس میں بات کرتے ہیں اور ہم ان کی شادی کی بات طے کریں گے، موبائل واپس کیجئے۔"

"کمال ہے؟ کیسی ماں ہیں کہ بیٹی کی حرکتوں پر پردہ ڈال کر اس کی سائیڈ لے رہی ہیں۔"

☆

"محترمہ! ہم نے آپ کو دوبارہ اس لئے زحمت دی ہے کہ آپ کی بیٹی آج ساڑھے نو بجے اسکول پہنچی ہے جبکہ آٹھ بجے کا ٹائم ہے۔"

"کیا؟ مگر گھر سے تو ساڑھے سات بجے نکلی تھی۔"

"اور چوکیدار نے بتایا کہ کوئی اور گاڑی اسے ڈراپ کرنے آئی تھی جس میں کوئی نوجوان لڑکا تھا، وہ آپ کی گاڑی کو پہنچانتا ہے۔"

"ارے......وہ کزن ہے اس کا، آپ نے تو میری بچی سے اتنی سختی سے باز پرس کی ہے کہ وہ خوف سے پیلی پڑگئی ہے، حد ہے، میں اسے لے کر جارہی ہوں گھر اپنے ساتھ۔"

"حیرت ہے! آج کل کی ماؤں نے تو جیسے

جان بوجھ کر آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔"

☆

"میڈم! یہ بتائیں کہ میری بیٹی تو اسکول آئی تھی پھر اسے باہر جانے کی اجازت کیسے ملی؟ میں اسے ایک ہوٹل سے لے کر آیا ہوں، جہاں میرے کسی جاننے والے نے مجھے اطلاع دی کہ وہ ایک لڑکے کے ساتھ موجود ہے، اسکول کی ذمہ داری ہے کہ وہ خیال رکھے کہ اسکول ٹائم میں کوئی بچی ایسے نکل نہ جائے۔" دکھ اور غصے سے بھرے باپ نے کہا۔

"مگر آپ کی بیٹی تو اسکول آئی ہی نہیں آج۔"

"کیا......؟"

"اور آپ والدین ان کو اجازت کیسے دے دیتے ہیں کہ وہ اسکول فنکشنز میں ٹائیٹ جینز اور باریک لباس پہن کر آئیں؟"

"یہ ہمارا نجی معاملہ ہے، ہم جس کلاس سے تعلق رکھتے ہیں وہاں ایسا لباس نازیبا نہیں سمجھا جاتا۔"

"یہی جواب آپ کی مسز بھی دیا کرتی تھیں جنہیں ہم بار بار آپ کی بچی کی غلط حرکتوں کی آگاہی دیتے رہے تھے، اب آج جو کچھ بھی ہوا ہے اس کا ذمہ دار اسکول نہیں بلکہ آپ والدین ہیں۔"

جوتی

عورت کو کبھی مرد اپنے پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں تو کچھ عورتیں مردوں کو اپنی جوتی کی نوک پر رکھتی ہیں۔ (یاسر پیرزادہ کے عالم سے)

پاگل

"وہ تو سائیکو ہے۔"

"پاگل ہے۔"

"دیوانگی ہے یہ تو......"

"مصیبت ہے۔"

"عذاب ہے۔"

"مس فٹ ہے۔"

"آخر مسئلہ کیا ہے؟ کیوں یہ کہا جا رہا ہے اس کے لئے؟"

"ارے...... نہ خود کھائے نہ کسی کو کھانے دے، رشوت نہ لے نہ دے، نہ کسی کو لینے دے۔"

"ایمانداری کی بھی کوئی حد تو ہو۔"

"سچ کے لئے جھگڑے مول لے۔"

"حق کے لئے آواز اٹھائے۔"

"پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے؟"

سگنل

یہ کرپٹ سماج ایک ایسے چوراہے کی طرح ہے جہاں بڑے آدمی تو بڑی گاڑیوں میں سگنل توڑ کر نکل جاتے ہیں مگر غریب سگنل توڑے تو فوراً چالان ہو جاتا ہے۔

انتقام

"تم دیکھنا تو سہی کہ میں اپنے دشمن سے کیسا بھیانک انتقام لوں گا۔"

"کیسے؟"

"اس پر توہین مذہب یا بلاسفیمی (Blaspyemy) کا الزام لگا کر، لوگوں کے مذہبی جذبات ابھار کر اسے زندہ نہ جلوایا تو نام بدل دینا میرا۔"

فیصلہ

"عورت آزادی کی کچھ گھڑیاں مانگیں

تو......؟"

"زندہ گاڑ دو۔"

"پڑھنے کا حق مانگے تو؟"

"سر میں گولی مار دو۔"

"پسند کی شادی کرے تو؟"

"سنگسار کر دو۔"

"سیاست میں آجائے تو؟"

"لیڈر مان لو۔"

"معاشرے کی فرسودہ روایت کو توڑ کر اپنی حقیقت منوائے تو؟"

"اس کے کردار پر کیچڑ اچھال کر اسے برباد کر دو کیوں کہ ہم غیرت مند، قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔"

☆☆☆

رشتہ چاہیے

"لڑکی ڈاکٹر یا لیکچرار ہونی چاہیے، بھئی کیا کریں آج کل کے دور میں میاں بیوی مل کر ہی گھر کا خرچہ اٹھا سکتے ہیں۔"

"یہ دیکھیں ایک ڈاکٹر ہے اور ایک لیکچرار۔"

"ارے یہ تو پکی عمر کی لگتی ہے، لڑکی کی عمر بیس بائیس تک ہونی چاہیے بھئی۔"

"بیس بائیس برس کی عمر میں لڑکی نہ تو ڈاکٹر ہو سکتی ہے نہ ہی لیکچرار بھئی، اچھا یہ تصویر دیکھیں۔"

"نہ بھئی یہ تو قد کی بہت چھوٹی ہے۔"

"رنگ سانولا ہے۔"

"لڑکی موٹی ہے، کوئی دھان پان اور نازک سی ہونی چاہیے۔"

"صرف گوری ہے نین نقشا تو ہے نہیں۔"

"ارے یہ تو دیکھنے میں ہی آفت کا پرکالہ لگتی ہے، لڑکی سیدھی سادھی ہونی چاہیے اور گھر بھی۔"

"معاف کیجئے گا دنیا میں کوئی ایسی لڑکی شاید ہی ہو جس میں وہ تمام خوبیاں یکجاں ہو جو آپ نے بتائی ہے، ویسے آپ کا لڑکا کیا کرتا ہے۔"

"اپنا کاروبار ہے ماشاءاللہ۔"

"کیسا کاروبار؟"

"اپنی جوتوں کی دکان پر بیٹھتا ہے خیر سے۔"

"اوہ...... یہ تو گنجے اور پکی عمر کے دکھتے ہیں۔"

"ناں جی وقت سے پہلے بال ذرا کم ہو گئے ہیں اور عمر بھی بڑی نہیں۔"

"رنگ بھی پکا دکھتا ہے، قد بھی چھوٹا ہے۔"

"ارے تو لڑکوں کا نین نقشہ اور قد کاٹھ تھوڑی دیکھا جاتا ہے، کماؤ پوت ہو یہی کافی ہے۔"

"اور آپ کے خیال سے لڑکیاں نہ ہوئیں قربانی کا بکرا ہوئی جو ٹھونک بجا کر دیکھیں اور دانت تک گنے جائیں بیچاری کے۔"

☆☆☆

مال غنیمت مال اور

اس سماج میں کچھ عورتوں کو مال غنیمت سمجھ کر مرد ان سے قدم قدم پر فلرٹ کرنے کی تاک میں رہتے ہیں اور پستیوں میں گراتے ہیں، اسی سماج میں دوسری عورتوں پر مال خرچ کر کے ان سے شادی کر کے انہیں اونچا مقام دیا جاتا ہے۔

☆☆☆

حدیث مبارکہ

اللہ اور بندے کا ساتھ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں، پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں مجمع (یعنی فرشتوں میں) میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔''

شائل وہاب، کراچی

صدقہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔

''صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔'' (جامع ترمذی)

شازیہ نواب، علی پور

انمول موتی

☆ مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ (فرمان الٰہی)

☆ دنیا کی (اندھی) محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

☆ لوگوں کو حق سے پہچانو، حق کو لوگوں سے نہیں۔ (حضرت ابوبکرؓ)

☆ تم جس سے نفرت کرتے ہو اس سے ہوشیار رہو۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

☆ ایسی بات نہ کہو جو مخاطب کی سمجھ سے باہر ہو۔ (حضرت عثمانؓ)

☆ فرصت کے اوقات کو غلط مت جانو یہ ایسے بادل ہیں جو جا کر پھر نہیں آتے۔ (حضرت علیؓ)

افشاں اشرف، عارف والا

عاجزی

ایک روز حضرت واسع نے اپنے بیٹے کو ذرا اترا کر چلتے دیکھا تو فرمایا۔

''تجھے کچھ خبر ہے تو کون ہے؟ تیری ماں کو میں نے دو سو درہم کے عوض مول لیا تھا اور میں جو تیرا باپ ہوں تمام مسلمانوں سے کمتر ہوں، پھر یہ تیرا اترانا کس بات پر ہے؟''

نیت کا اثر

ایک دن نوشیرواں شکار کو گیا، راستے میں پیاس غالب ہوئی، سامنے اسے ایک باغ نظر آیا، جب وہ وہاں پہنچا تو باغ کے دروازے پر اسے ایک لڑکا ملا، نوشیرواں نے اس سے پانی طلب کیا تو لڑکے نے کہا۔

''یہاں پر پانی نہیں ہے۔''

نوشیرواں نے کہا۔

''اچھا ایک انار ہی دے دو۔''

لڑکے نے انار توڑ کر دیا، نوشیرواں نے جب انار کھایا تو وہ نہایت ہی شیریں اور لذیز تھا، دل میں خیال آیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، یہ باغ لے لیا جائے۔

اس لڑکے سے دوسرا انار لانے کو کہا، لڑکے نے دوسرا انار بھی توڑ کر دے دیا، نوشیرواں نے انار کھایا تو وہ بدمزا نکلا، نوشیرواں نے لڑکے سے پوچھا۔

''تم یہ انار اسی درخت سے توڑ کر نہیں لائے کیا؟''

لڑکے نے کہا۔

''انار تو اسی درخت سے توڑ کر لایا ہوں۔''

نوشیرواں نے حیرت سے کہا۔

''تو پھر اس کا ذائقہ کیوں بدل گیا؟''

لڑکا بولا۔

''اس لئے کہ بادشاہ کی نیت بدل گئی۔''

لائبہ رضوان، فیصل آباد

کوئی بات کرو

- گفتگو میں سب سے قیمتی چیز خاموشی کے وقفے ہیں۔ (رائف رجہ ڈسن)
- آدمی کی عقل کی دلیل اس کا قول ہے اور قول کی دلیل اس کا فعل ہے۔ (جالینوس)
- حقیقتاً اچھا آدمی وہ ہے جو ان لوگوں کا ساتھ دیتا ہے جن کو لوگ برا کہتے ہیں۔ (خلیل جبران)
- جس دل میں قوت برداشت ہو وہ کبھی شکست نہیں کھاتا۔ (حکیم لقمان)
- کمزور انسان موقعوں کے انتظار میں رہتے ہیں لیکن باہمت خود مواقع پیدا کر لیتے ہیں۔ (السپ)
- جو گناہ کا مرتکب ہو، اسے آدمی سمجھ جو گناہ کر کے اترائے اسے شیطان سمجھو۔ (بوعلی سینا)
- ایسی نیکی کرو، جس سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فیض پہنچے۔ (تھوریو)
- انسان کی حقیقی عظمت کا جائزہ اس کے اعمال سے لیا جاسکتا ہے۔ (میکالے)
- نیکوں کی صحبت سے پورا فائدہ ہوگا جب تک آدمی بروں سے نہ بچا رہے۔ (بوعلی سینا)

کنول شاہین، جلال پور جٹاں

چھوٹا چراغ بھی کافی ہے

مصیبت بہر حال مصیبت ہے، چھوٹی ہو یا بڑی، اسی طرح نیکی بہر حال نیکی ہے خواہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، نیکی ایک چراغ ہے، اس کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگر ایک مقام یا راستہ خطرناک ہو اور اس میں تاریکی ہو اور بڑی قندیل نہ ملے تو کیا چھوٹے چراغ کو بھی ٹھکرا دیا جائے گا، ہرگز نہیں بلکہ تاریکی دور کرنے کے لئے چھوٹا چراغ بھی کافی ہوتا ہے۔

افشاں گل، راولپنڈی

جمہوریت

سرمایہ دارانہ پارلیمنٹ یا جسے عام طور پر حکومت کے نام سے پکارا جاتا ہے دراصل کیا ہے؟ ہر تیسرے، چوتھے، پانچویں یا ساتویں سال غریب اور بے کس عوام سے یہ دریافت کرنے کی گستاخی کرنا کہ سرمایہ داروں میں کون سا فرد تم پر حکومت کرے اور تمہیں لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا جا سکے۔

سیدہ نسبت زہرا، کہروڑ پکا

اشتہار

ہیر نکلی جس گھڑی رانجھے کے ساتھ
اس کا ماما آن ٹپکا خواہ مخواہ
چل رہے تھے اشتہار اچھے بھلے

ڈرامہ آن ٹیکا خواہ مخواہ

تجربے کار

اخبار کے مالک نے امیدوار سے پوچھا۔
''کیا تمہیں یقین ہے کہ تم یہ اخبار کامیابی سے چلا سکو گے؟''
امیدوار فوراً بولا۔
''کیوں نہیں جناب! میں پورے تین سال تک تانگا اور ایک سال تک موٹر رکشا کامیابی سے چلاتا رہا ہوں۔''

عفرا ثاقب، جہلم

باتیں کچھ ہماری

☆ کسی بھی مرد یا عورت کی اچھی بری تربیت کا اندازہ ان کے اس رویے سے لگایا جا سکتا ہے جو وہ لڑائی جھگڑے کے دوران اختیار کرتے ہیں۔ (جارج برنارڈ شا)
☆ میاں بیوی قینچی کے دو پھلوں کی مثال ہے کہ وہ اس طرح ملے ہیں کہ جدا نہیں ہو سکتے، اکثر و بیشتر ایک دوسرے کی مخالف سمت میں حرکت کرتے ہیں لیکن اگر کوئی ان کے درمیان آ جائے تو اس کی خوب خبر لیتے ہیں۔ (سڈنی اسمتھ)
☆ محفل میں اپنی خامیاں مت بیان کیجئے، آپ کے جاتے ہی یہ کام ہو جائے گا۔ (ایڈیسن)
☆ دنیا میں بہت زیادہ لوگ ہیں اور بہت کم انسان۔

سعدیہ نسیم، لاہور

اللہ کا فضل

ایک سخی عورت ام جعفر جس راستے سے گزرتی تھی اس پر بیٹھے ہوئے دو اندھے فقیر صدا لگایا کرتے تھے ایک کی صدا تھی۔
''الٰہی مجھے اپنے فضل و کرم سے روزی عنایت کر۔''
دوسرا کہتا۔
''الٰہی ام جعفر کا بچا ہوا مجھے بھی ملے۔''
ام جعفر اللہ کا فضل طلب کرنے والے کو دو درہم اور اپنا نام لینے والے کو ایک بھنی ہوئی مرغی میں دس دینار رکھ کر دیا کرتی تھی پہلا اندھا اپنی مرغی دو درہم میں دوسرے اندھے کے ہاتھ بیچ دیا کرتا تھا۔
دس روز تک ایسا ہی ہوتا رہا گیارہویں روز ام جعفر نے اپنا نام لینے والے اندھے کو کہا۔
''کیا تجھ کو ہمارا فضل یعنی سو دینار نہیں ملے۔''
اندھے نے کہا۔
''مجھے تو ایک مرغی ملا کرتی تھی جسے میں اپنے اندھے دوست کے ہاتھ دو درہم میں بیچ دیا کرتا تھا۔''
ام جعفر نے کہا۔
''اللہ کا فضل طلب کرنے والا کامیاب ہے اور آدمیوں کے فضل کا طلب گار محروم ہے۔''

نازیہ عمر، پشاور

چھوٹی سی بات

☆ ایک نسل جن چیزوں کو غیر ضروری جان کر گلی میں رکھ آتی ہے اگلی نسل ان چیزوں کو اٹھا کر پھر سے گھر میں سجا لیتی ہے، آثار قدیمہ کے طور پر۔
☆ جیسے زیادہ پانی سے پودے کی جڑیں گل جاتی ہیں ایسے ہی بچے سے زیادہ لاڈ پیار کرنے سے آپ بچوں کی جڑوں میں بیٹھ جاتے ہیں۔
☆ دستر خوان پر اتنا کھائیے کہ اٹھ سکیں، اٹھیں گے نہیں تو دوبارہ کیسے بیٹھیں گے۔

☆☆☆

تسنیم طاہر

نبیلہ نعمان ---- گلبرگ لاہور

محبتوں میں دکھاوے کی دوستی نہ ملا
اگر گلے نہیں ملتا تو ہاتھ بھی نہ ملا
خدا کی اتنی بڑی کائنات میں میں نے
بس ایک شخص کو مانگا مجھے وہی نہ ملا

....

رات کیا سوئے کہ باقی عمر کی نیند اڑ گئی
خواب کیا دیکھا کہ دھڑکا لگا تعبیر کا

....

سب نے کیے ہیں مجھ پہ جفاؤں کے تجربے
اک بار آپ بھی تو مجھے آزمایئے
میں شہر بھر میں اک ایذا پسند ہوں
گر چاہیے دعا تو میرا دل دکھایئے

فرح راؤ ---- کینٹ لاہور

تیرے چہرے کی کشش تھی کہ پلٹ کر دیکھا
ورنہ سورج تو دوبارہ نہیں دیکھا جاتا
آگ کی ضد پہ نہ جا پھر سے بھڑک سکتا ہے
راکھ کی تہ میں شرارہ نہیں دیکھا جاتا

....

کرم کرو ستم کرو ہم گلہ نہیں کرتے
خزاں میں پھول کبھی کھلا نہیں کرتے
خاک میں ملا دو ہمیں مگر اتنا یاد رکھو
ہم جیسے لوگ دوبارہ ملا نہیں کرتے

....

مجھ میں کیا ہے جو یاد بھلا کرے گا کوئی
اچھے اچھوں کو یہاں لوگ جلا دیتے ہیں

شاہینہ یوسف ---- عمرکوٹ

ہم زندگی کی جنگ میں ہارے ضرور ہیں
لیکن کسی مقام پہ پسپا نہیں ہوئے

....

یہ اچھا ہے کہ آپس کے بھرم نہ ٹوٹنے پائیں
کبھی دوستوں کو آزما کر کچھ نہیں ملتا
کوئی اک آدھ سپنا ہو تو پھر اچھا بھی لگتا ہے
ہزاروں خواب آنکھوں میں سجا کر کچھ نہیں ملتا

....

میرا یہ وجود ہو کم سے کم کہیں ریت پر کسی نقش پر
تو بنائے تو میں بنا کروں تو مٹائے تو میں مٹا کروں
میں تمام یاد کے موتیوں کو رکھے ہوں آنکھوں کی قید میں
تیرا حکم مجھ کو ملے اگر تو میں قیدیوں کو رہا کروں

....

میری آنکھوں میں سورج پگھلتا رہا چاند جلتا رہا
تیری یادوں کا سورج نکلتا رہا چاند جلتا رہا
یہ دسمبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگی
تم نہیں تو دسمبر سلگتا رہا چاند جلتا رہا

افشاں زینب ---- شیخوپورہ

وہ مجھ کو دیکھ کے برسا تھا بادلوں کی طرح
میں زخم زخم تھا پھر بھی اعتدال میں تھا

....

کوئی بتائے کون سمجھائے کون سے دیس سدھار گئے
ان کا رستہ دیکھتے دیکھتے نین ہمارے ہار گئے
ایک لگن کی بات ہے جیون ایک لگن ہی جیون ہے
پوچھ نہ کیا کھویا کیا پایا جیتے کیا ہار گئے

....

مری روح میں جو اتر سکیں وہ محبتیں مجھے چاہیں
جو سراب ہوں نہ عذاب ہوں وہ رفاقتیں مجھے چاہیں

ہتھیلیوں پہ رکھے چراغوں کو بجھایا ہوا نے پہلے
اداس موسم میں بے بسی کا یہ سال کتنا عجیب سا ہے

....

وہ جس سے رہا آج تک آواز کا رشتہ
بھیجے میری سوچوں کو اب الفاظ کا رشتہ
ملنے سے گریزاں ہے نہ ملنے پہ خفا بھی
دم توڑتی چاہت ہے یہ کسی انداز کا رشتہ

....

میرے مولا نے مجھ کو چاہتوں کی سلطنت دی ہے
مگر پہلی محبت کا خسارہ ساتھ رہتا ہے
سفر میں عین ممکن ہے میں خود کو چھوڑ دوں لیکن
دعائیں کرنے والوں کا سہارا ساتھ رہتا ہے
سعدیہ فیصل ---- اوکاڑہ
اس کی آنکھوں میں کوئی دکھ بسا ہے شاید
یا مجھے خود ہی وہم سا ہوا ہے شاید
میں نے پوچھا کہ بھول گئے ہو تم بھی
پونچھ کر آنسو مجھے اس نے کہا ہے شاید

....

خدا کے خوف سے ڈرتا ہوں لیکن یاد رکھ
بات جب حد سے بڑھی رسمیں اٹھا دی جائیں گی

....

آہ بن کے سانسوں سے نکل آؤں گا
اور روکے گا تو آنکھوں سے نکل آؤں گا
بھول جانا مجھے اتنا آسان نہیں جاناں
باتوں باتوں میں ہی باتوں سے نکل آؤں گا
اُم ایمن ---- لاہور
تجھ سے منسوب ہوئے تو یہ حسرت ہی رہی
ہم بھی اپنے حوالے سے پکارے جاتے

....

جہاں بھی جانا تو آنکھوں میں خواب بھر لانا
یہ کیا کہ دل کو ہمیشہ اداس کر لانا

... برف رتوں میں جا سمو اس سے لبا
پلٹ کے آنا تو کشتی میں دھوپ بھر لانا

....

رابطہ پیڑ سے کٹ جاتا ہے جس وقت ضعفی
خشک پتے کو تو جھونکے کا بھی ڈر رہتا ہے
کائنات ظفر ---- احمد پور
یاد بھی اس کی یہ کہتے ہوئے دل سے نکلی
ایسی اجڑی ہوئی بستی میں بھلا کیا رہنا

....

کبھی کبھی یہ سب اپنا خیال لگتا ہے
وہ میرا ہے یا نہیں الجھا سوال لگتا ہے
میں وفا کرکے بھی گمنامیوں میں ہوں
وہ بے وفا ہے مگر بے مثال لگتا ہے

....

ہم یہی پوچھتے پھرتے ہیں زمانے بھر سے
جن کی تقدیر بگڑتی ہے وہ کیا کرتے ہیں
حرمت عامر ---- سانگھڑ
کبھی ہم بھیگتے ہیں چاہتوں کی تیز بارش میں
کبھی برسوں نہیں ملتے کسی ہلکی سی رنجش میں
تم ہی میں دیوتاؤں کی خوبو نہ تھی ورنہ
کمی نہ تھی کوئی میرے انداز پرستش میں

....

یونہی ختم ہجر کا باب ہو نئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہو نئے سال میں
کبھی یوں بھی ہو کسی شب کو تو مجھے آ ملے
گئے رنجگوں کا حساب ہو نئے سال میں
درشہوار ---- ملتان
ممکنہ فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
میں نے تو ایک بات کی اور اس نے کمال کر دیا
میرے لبوں پہ مہر تھی پر میرے شیشہ رونے تو
شہر کے شہر کو میرا واقف حال کر دیا

....

انہی ساعتوں کی تلاش ہے جو کیلنڈروں سے اتر گئیں
جو سمے کے ساتھ گزر گئیں وہی فرصتیں مجھے چاہئیں
علینہ طارق ---- لاہور
آ جا کہ اب زخم سنبھالے نہیں جاتے
یوں سنگ تو غیروں پہ بھی ڈالے نہیں جاتے
اک روز تیری یاد کے جنگل میں چلا گیا
اب تک میرے پاؤں کے چھالے نہیں جاتے

....

تیری یاد کی برف باری کا موسم
سلگتا رہا دل کے اندر اکیلے
ارادہ تھا جی لوں گا تجھ سے بچھڑ کر
گزرتا نہیں بس اک دسمبر اکیلے

....

پڑھنا ہے تو انسان کو پڑھنے کا ہنر سیکھ
ہر چہرے پہ لکھا ہے کتابوں سے زیادہ
شمائل وہاب ---- کراچی
خوشیاں ہمارے پاس کہاں مستقل رہیں
باہر کبھی ہنسے بھی تو گھر آ کے رو پڑے

....

رستے میں نہ بیٹھو ہوا تنگ کرے گی
بچھڑے ہوئے لوگوں کی صدا تنگ کرے گی
مت لوٹ کر جاؤ آغاز سفر میں
بچھڑے گا تو اک اک ادا تنگ کرے گی

....

نہ ملا نقد جاں دے کر بھی ایک لمحہ محبت کا
گراں تھا اس قدر سودا کہ ہم بازار چھوڑ آئے
شازیہ نواب ---- علی پور
نہ جانے گزرے ہیں کتنے ساون اس آرزو میں
کبھی تو کوئی ہمیں پکارے ندی کنارے
کٹی ہے ایک عمر ہم نشیں کے بغیر اپنی
کوئی تو اپنی طرح گزارے ندی کنارے

....

یہ دن یہ رات یہ لمحے اچھے سے لگتے ہیں
تمہیں سوچوں تو سارے سلسلے اچھے سے لگتے ہیں
بہت دور تک چلنا مگر پھر بھی وہیں رہنا
مجھے تم سے تم ہی تک کے فاصلے اچھے لگتے ہیں

....

مرنے کا تیرے غم میں ارادہ بھی نہیں ہے
ہے عشق مگر اتنا زیادہ بھی نہیں ہے
کس موڑ پہ لے آیا ہے ہجر مسلسل
تا حد نگہ وصل کا وعدہ بھی نہیں ہے
افشاں اشرف ---- عارف والا
ہم اہل وفا حسن کو رسوا نہیں کرتے
پردہ بھی جو الٹے رخ سے تو دیکھا نہیں کرتے
گر لیتے ہیں دل اپنا تصور سے ہی روشن
ہم مانگے کے چراغوں سے اجالا نہیں کرتے

....

ہزار کار مسیحائی سے گزر کے بھی
یہ دل اجاڑ رہا بارہا سنور کے بھی

....

سڑکیں زہر آلود نگر ویران ہوئے
ایسا پھیلا خوف کہ دل سنسان ہوئے
آدم خور درندے فارغ بیٹھ گئے
جب سے وحشت پہ مائل انسان ہوئے
سعدیہ وہاب ---- سرگودھا
نہ میں نے اس کو خط لکھا نہ اس نے میری پناہ چاہی
ہم کو اپنی جگہ پہ ملال عجیب سا تھا
سفر اکیلے ہی کاٹ لو گے میں نے پوچھا تو وہ رو پڑا
سوال کتنا عجیب سا تھا جواب کتنا عجیب سا تھا

....

دنیا خریدنے کی کوشش کرے گی بہت لیکن
میں تو لوٹوں گا ضرور تم خود کو سنبھال رکھنا

....

گیلے کاغذ کی طرح ٹھہری زندگی اپنی

وہ لٹتا بھی نہیں اور کوئی جلاتا بھی نہیں
ناصر حسین ---- خانیوال

کبھی حسن پردہ نشین بھی ہو ذرا عاشقانہ لباس میں
جو میں بن سنور کے کہیں چلوں میرے ساتھ تم بھی چلا کرو
نہیں بے حجاب وہ چاند سا کہ نظر کا کوئی اثر نہ ہو
اسے اتنی گرمی شوق سے بڑی دیر تک نہ دیکھا کرو

....

میں تجھ کو ڈھونڈنے افق کے پار بھی گیا
تو مل گیا تو تجھ سے ملنے کا انتظار بھی گیا
شکست ہماری ذات کو قبول نہ تھی مگر
فتح کرتے کرتے اک مقام پہ میں ہار بھی گیا

....

تمام عمر کی نامعتبر رفاقت سے
کہیں بھلا ہو کے پل بھر کہیں یقین سے ملیں
عاصمہ سلیم ---- ملتان

سوچ کی زمینوں پہ راستے جدا ہوں تو
دور جا نکلنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے
یہ تو وقت کے بس میں ہے کتنی مہلت دے
ورنہ بخت ڈھلنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے

....

آج کے دریا نہیں رکھتے کسی کا بھرم
اب یہاں کچے گھڑوں پر تیرنا اچھا نہیں

....

تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی وہ رخسار وہ ہونٹ
زندگی جن کے تصور میں لٹا دی ہم نے
تجھ پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے
نعیمہ طارق ---- کراچی

آتش عشق میں پتھر بھی پگھل جاتے ہیں
مجرم سوز وفا شمع بھی پروانے بھی

....

بے نام مسافت ہی مقدر ہے تو کیا غم
منزل کا تعین کبھی ہوتا ہے سفر سے
شاید کوئی منزل نہیں اس راہ میں پڑتی
واپس نہیں آتا کوئی یادوں کے سفر سے

....

کھلتے پھولوں کی ردا ہو جائے
اتنی حساس ہوا ہو جائے
مانگتے ہاتھ پہ کلیاں رکھ دے
اتنا مہرباں خدا ہو جائے
نازیہ عمر ---- پشاور

وہ سوئے اتفاق آ ملے تھے ہم سے
ہم ناداں سمجھے ہماری دعاؤں میں اثر ہے

....

نہ پوچھ غم نے دکھائی ہیں پستیاں کیسی
اجڑ گئی ہیں دل و جان کی بستیاں کیسی
غموں نے لوٹ لئے ہیں عقیدتوں کے چمن
خدا بھی یاد نہیں بت پرستیاں کیسی

....

سوز جگر بھی دیدہ غم بھی اسی کا ہے
میری خوشی وہی میرا غم بھی اسی کا ہے
جس کی خلش رہی ہے مجھے جاں سے عزیز تر
کیوں کر کہوں وہ خار الم بھی اسی کا ہے
معکون شاہ ---- لاہور

کیا کرے میری مسیحائی بھی کرنے والا
زخم ہی یہ مجھے لگتا نہیں بھرنے والا
شام ہونے کو ہے اور آنکھ میں اک خواب نہیں
کوئی اس گھر میں نہیں روشنی کرنے والا

....

گھڑی بھر اس کی آنکھوں میں اتر کر
سمندر بھی کشادہ ہو گیا ہے

☆☆☆

بلقیس بھٹی

فرمائش

ریستوران میں ویٹر کے آنے پر ایک صاحب نے اپنی محبوبہ سے پوچھا۔
''کہو کیا منگوایا جائے؟''
''میرے لئے کافی اور اپنے لئے ایمبولینس۔'' محبوبہ نے جواب دیا۔
''دروازے کی طرف دیکھو، میرا شوہر ریستوران میں داخل ہو رہا ہے۔''

فرح راؤ، کینٹ لاہور

غیرت مند

ایک سکھ لڑکا روزانہ اپنی بہن کو چھوڑنے کالج جاتا تو راستے میں چند لڑکے اس پر آوازیں کستے۔
''سنجاں نوں لے کے کتھے چلے او؟''
وہ لڑکا خاموش رہتا، تنگ آ کر اس کی بہن نے کہا۔
''تمہارا میرے ساتھ آنے کا کیا فائدہ بھیا! وہ لوگ کتنی غلط باتیں کرتے ہیں، تم انہیں بتاتے کیوں نہیں کہ میں تمہاری بہن ہوں۔''
لڑکے کی غیرت جاگی، جوش میں ساری رات کروٹیں بدلتا رہا۔
''بس صبح ان بے غیرتوں کی بات کا منہ توڑ جواب دوں گا۔'' اس نے کہا، چنانچہ صبح وہ اپنی بہن کو چھوڑنے گیا تو لڑکوں نے کہا۔
''سجناں نوں لے کے کتھے چلے او؟''
''او بے غیرتو! ایہہ سجن ہوون گے تواڈے، میری سگی بہن ایں۔''

ناصر حسین، خانیوال

اعتراف

شادی سے دو روز قبل لڑکے نے لڑکی سے کہا۔
''میں چاہتا ہوں کہ تم سے ماضی کی غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کا اعتراف کرلوں۔''
''پندرہ دن پہلے تو تم سب کا اعتراف کر چکے ہو۔'' لڑکی نے حیرانی سے کہا۔
''وہ تو پندرہ دن پہلے کی بات تھی۔'' لڑکی نے ایمان داری سے کہا۔

افشاں گل، راولپنڈی

اوورٹیک

چوہدری صاحب اپنی پجیرو میں موٹروے پر جا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا ان کا مزارعہ دینو اپنے گدھے کی رسی پکڑے پیدل جا رہا تھا، انہوں نے ترس کھا کر گاڑی ایک طرف روکی اور دینو کو بٹھا لیا، گدھا دوڑتا ہوا پیچھے پیچھے آنے لگا، پجیرو کی رفتار پہلے پچاس، ساٹھ کلومیٹر فی گھنٹا ہوئی پھر سو کلومیٹر سے تجاوز کر گئی، گدھا بدستور بھاگتا رہا پیچھے آ رہا تھا، آخر رفتار سوا سو کلومیٹر ہوئی تو چوہدری صاحب پیچھے دیکھتے ہوئے بولے۔
''دینو! مجھے تمہارے گدھے کے بارے میں فکر ہو رہی ہے، اس کی گردن باہر لٹکی ہوئی ہے۔''
''کس طرف کو لٹکی ہوئی ہے صاحب جی؟'' دینو نے پوچھا۔
''دائیں طرف کو۔''
''بس تو پھر آپ اسی لین میں گاڑی رکھیں،

"وہ اپ لوا وور ٹیک کرنے والا ہے۔" دینو نے پیچھے دیکھے بغیر اطمینان سے کہا۔

لائبہ رضوان، فیصل آباد

ثبوت

"سر! وہ آدمی کہہ رہا ہے کہ وہ آپ کا رشتہ دار ہے اور وہ یہ ثابت بھی کر سکتا ہے۔"

"وہ تو احمق ہے۔"

"سر! اسی لئے تو میں نے اس کے دعوے کو مان لیا۔"

تعریف

حجت آپا کی شادی نہ ہو سکی، حتیٰ کہ بڑھاپا آ گیا، ایک روز ان کی ایک شادی شدہ سہیلی نے ہمدردانہ لہجے میں آہ بھر کر کہا۔

"کاش تمہاری بھی شادی ہو جاتی۔" آپا صابرانہ لہجے میں بولیں۔

"میرے پاس ایک کتا ہے جو خراٹے لیتا ہے، ایک طوطا ہے جو ٹیں ٹیں کر کے دماغ چاٹتا ہے، ایک بلا ہے جو رات بھر گھر سے باہر رہتا ہے مجھے بھلا شوہر کی کیا ضرورت ہے۔"

عفرا ثاقب، جہلم

سردار جی

چار سکھوں نے مل کر کاروبار کرنے کا فیصلہ کیا، انہوں نے ایک موٹر ورکشاپ کھولی، ایک مہینہ گزر گیا، کوئی گاہک نہ آیا، کیونکہ ورکشاپ چوتھی منزل پر تھی، پھر انہوں نے ایک ٹیکسی خریدی، پورا مہینہ گزر گیا، لیکن کوئی سواری نہ ملی، اس لئے کہ ایک ٹیکسی چلاتا تھا باقی تینوں ٹیکسی میں بیٹھے رہتے تھے۔

اتفاق

ایک بوکھلاتے ہوئے شخص نے پولیس اسٹیشن فون کیا کہ اندھیرے میں کسی حملہ آور نے اس کے ماتھے پر ڈنڈا رسید کیا ہے، ایس ایچ او نے فوراً ایک کانسٹیبل کو تحقیق کے لئے بھیجا، کچھ دیر بعد کانسٹیبل ماتھے پر گومڑ لیے واپس آیا اور کہنے لگا۔

"سر میں نے گتھی سلجھالی ہے۔"

"شاباش، مگر تم نے یہ کام اتنی جلدی کیسے کر لیا؟" ایس ایچ او نے پوچھا۔

کانسٹیبل نے کہا۔

"محض اتفاق سے میرا پاؤں بھی اسی پھاوڑے پر پڑ گیا تھا۔"

شازیہ ثمن، جھنگ

سعادت مند

ایک صاحب کا کتا بہت سمجھ دار تھا اسے جو کام کہا جاتا نہایت سعادت مندی سے کر دیتا، ایک مرتبہ دونوں پارک میں بیٹھے تھے کہ مالک کے پاس سگریٹ ختم ہو گئی، اس نے سو کا نوٹ کتے کو دیتے ہوئے کہا۔

"جاؤ ایک پیکٹ سگریٹ لے آؤ اور باقی پیسے واپس لے آنا۔"

کتا نوٹ لے گیا اور ایک گھنٹے تک واپس نہیں آیا آخر مالک اس کی تلاش میں نکلا، کافی دیر اِدھر اُدھر پھرنے کے بعد اس نے دیکھا کہ کتا ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر چکن تکہ کھا رہا ہے اور کولڈ ڈرنک وغیرہ پی رہا ہے، مالک نے غم زدہ لہجے میں شکوہ کیا۔

"اس سے پہلے تم نے کبھی مجھے دھوکا نہیں دیا میں نے جو کام بھی کہا وہ تم نے نہایت ذمہ داری سے کیا، یہ آج تمہیں کیا ہو گیا؟"

کتا اطمینان سے بولا۔

"اس سے پہلے بھی آپ نے پیسے میرے ہاتھ میں نہیں دیئے تھے۔"

معکون شاہ، لاہور

اتنی سی بات

پہاڑی علاقے کی ایک نہایت ضعیف عورت کو ایک جھگڑے کے سلسلے میں گواہ کے طور پر عدالت میں پیش کیا گیا تو جج صاحب نے پوچھا۔

"آپ اس جھگڑے کے سلسلے میں کیا جانتی ہیں؟"

"ایسی تو کوئی خاص بات نہیں تھی۔" جھریوں بھرے چہرے والی خاتون نے مبہم سا جواب دیا۔

"پھر بھی...... آپ بتایئے تو سہی، آپ نے کیا دیکھا؟" جج صاحب نے اصرار کیا۔

"ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی۔" بڑی بی نے ایک بار پھر بے پروائی سے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"بس ادھر کاشف خان نے امجد خان کو جھوٹا بولا، امجد خان نے کاشف خان کے سر پہ ڈنڈا مارا، کاشف ادھر گر کے ٹھنڈا ہو گیا، کاشف خان گر گیا اے، تو اس نے خنجر نکال کر امجد خان پہ حملہ کر دیا، ادھر امجد کا دوست بھی موجود تھا، اس نے جب یہ دیکھا تو گولی چلا کر کاشف خان کے دوست کو ٹھنڈا کر دیا، اسی بک بک میں دو تین آدمی اور مر گیا، بس اتنی سی بات پہ جھگڑا شروع ہو گیا۔"

نازیہ عمر، پشاور

مخلص

نادیہ نے اپنی دوست نوشی سے پوچھا۔

"کیا یہ درست ہے کہ تم نے امجد سے شادی صرف اس لئے کی ہے کہ اس کے دادا اس کے لئے ڈھیر ساری دولت چھوڑ کر مرے ہیں؟"

نوشی فوراً نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"بالکل غلط، اگر دادا کے بجائے کوئی اور بھی امجد کے لئے اتنی دولت چھوڑ کر مرتا، تب بھی میں امجد سے شادی کر لیتی۔"

سعدیہ وہاب، سرگودھا

اے محبت......

بھکاری۔

"صاحب! چھ روپے دے دو کافی پینی ہے۔"

آدمی۔

"ایک کافی تو تین روپے کی آتی ہے۔"

بھکاری۔

"ساتھ میں گرل فرینڈ بھی ہے۔"

آدمی۔

"بھکاری ہو کے بھی گرل فرینڈ بنالی۔"

بھکاری۔

"نہیں، گرل فرینڈ نے بھکاری بنا دیا۔"

ذہانت

ایک پاگل مٹھی بند کیے درخت کے نیچے بیٹھا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے کھول کر دیکھتا تھا، اس کے ایک ساتھی نے قریب آ کر پوچھا۔

"مٹھی میں کیا دبائے بیٹھے ہو دوست؟"

اس نے کانی آنکھ سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تم خود ہی بوجھو۔"

ساتھی سر کھجا کر بولا۔

"تتلی۔"

"غلط۔"

اس نے پھر دماغ پر زور دے کر کہا۔

"چڑیا۔"

"بالکل غلط۔" ساتھی نے تالی بجا کر کہا۔

"ہاتھی۔"

"شاباش۔" پاگل نے خوش ہو کر کہا۔

"اب اس کا رنگ بھی بوجھو۔"

فوزیہ ثمر بٹ، گجرات

☆☆☆

صائمہ محمود

لائبہ رضوان: کی ڈائری سے ایک غزل

کل چودھویں کی رات تھی شب بھر رہا چرچا تیرا
کچھ نے کہا یہ چاند ہے کچھ نے کہا چہرا تیرا
ہم بھی وہیں موجود تھے ہم سے بھی سب پوچھا کیے
ہم ہنس دیئے ہم چپ رہے منظور تھا پردا تیرا
اس شہر میں کس سے ملیں ہم سے تو چھوٹیں محفلیں
ہر شخص تیرا نام لے ہر شخص دیوانہ تیرا
کوچے کو تیرے چھوڑ کر جوگی ہی بن جائیں مگر
جنگل تیرے پربت ترے، بستی تری، صحرا ترا
ہاں ہاں تری صورت حسیں، لیکن تو اتنا بھی نہیں
اس شخص کے اشعار سے شہرہ ہوا کیا کیا ترا
بے درد سننی ہو تو چل کہتا ہے کیا اچھی غزل
عاشق ترا رسوا ترا شاعر ترا انشاء ترا

عفرا ثاقب: کی ڈائری سے ایک غزل

اب کے سفر ہی اور تھا اور ہی کچھ سراب تھے
دشت طلب میں جا بجا سنگ گران خواب تھے
اب کے برس بہار کی رت بھی تھی انتظار کی
لہجوں میں سیل درد تھا آنکھوں میں اضطراب تھا
خوابوں کے چاند ڈھل گئے تاروں کے دم نکل گئے
پھولوں کے ہاتھ جل گئے کیسے یہ آفتاب تھے
سیل کی رہگزر ہوئے ہونٹ نہ پھر بھی تر ہوئے
کیسی عجیب پیاس تھی کیسے عجیب سحاب تھے
ربط کی بات اور ہے ضبط کی بات اور ہے
یہ جو فشار خاک ہے اس میں کبھی گلاب تھے
ابر برس کے کھل گئے جی کے غبار ڈھل گئے
آنکھ میں رونما ہوئے شہر جو زیر آب تھے

شازیہ ثمن: کی ڈائری سے ایک نظم

مرے تن کے زخم نہ گن ابھی
مری آنکھ میں ابھی نور ہے
مرے بازوؤں پہ نگاہ کر
جو غرور تھا وہ غرور ہے
ابھی تازہ دم ہے مرا فرس
نئے معرکوں پہ تلا ہوا
ابھی رزم گاں کے درمیاں
ہے میرا نشاں کھلا ہوا
تیری چشم بد سے رہیں نہاں
وہ جبیں جو میری ذات کی
مجھے دیکھ مقتہ تیغ پر
ہے گرفت میرے ہاتھ کی
وہ جو دشت جاں کو چمن کرے
وہ شرف تو میرے لہو کا ہے
مجھے زندگی سے عزیز تر
یہ جو کھیل تیغ و گلو کا ہے
تجھے مان جوش گزر پر
میرا نعرہ حق مری ڈھال ہے
تیرا ہر ظلم بلا سہی
میرا حوصلہ بھی کمال ہے
میں اسی قبیلے کا فرد ہوں
مجھے ناز صدق قیس پہ ہے
یہ ہی نامہ بر ہے بہار کا
جو گلاب میری جبیں پہ ہے

رفعت رضا: کی ڈائری سے ایک نظم

(تب یاد بہت تم آتے ہو)

جب رات کی ناگن ڈستی ہے

نس نس میں زہر اترتا ہے
جب چاند کی کرنیں تیزی سے
اس دل کو چیر کے آتی ہیں
جب آنکھ کے اندر ہی آنسو
زنجیروں میں بندھ جاتے ہیں
سب جذبوں پر چھا جاتے ہیں
تب یاد بہت تم آتے ہو
جب درد کی جھانجھ بجتی ہے
جب رقص غموں کا ہوتا ہے
خوابوں کی تال پہ سارے دکھ
وحشت کے ساز بجاتے ہیں
گاتے ہیں خواہش کی لے میں
سب جذبوں پہ چھا جاتے ہیں
تب یاد بہت تم آتے ہو
تب یاد بہت تم آتے ہو

نازیہ عمر: کی ڈائری سے ایک غزل

دیوار کھڑی ہو گی کہیں خار ملیں گے
منزل کے سبھی راستے دشوار ملیں گے
انسان کو جو اپنا خریدار بنا لیں
اب ایسے کھلونے سر بازار ملیں گے
طوفان کے تھپیڑے ہمیں گم کر نہیں سکتے
ڈوبیں گے جو اس پار تو اس پار ملیں گے
شرمائے گا مجھ سے مرے حالات کا سورج
جب سایہ فگن راہ میں اشجار ملیں گے
فنکار غزل مٹ نہیں سکتا کبھی آفاق
ہر دور میں غالب کے طرفدار ملیں گے

نبیہ طارق: کی ڈائری سے ایک نظم

میں اپنی ایڑھی پہ گھومتا ہوں
میں اپنی ایڑھی تیزی سے گھومتا ہوں
کہ چار جانب تمام منظر بدل کے
نظارہ تسلسل میں ڈھل گئے ہیں
عجب تحرک ہے
ایک افسوں ہے
ایک سپنا جو صرف اپنا ہے
تم نہیں ہو
کہو تو یہ گردش مہ و سال
اپنی ایڑھی پہ روک لوں میں
جو اک تسلسل ہے منظروں کا
وہ توڑ دوں میں
مگر یہ تب ہو سکے گا ممکن
اگر میرے ساتھ تم رکو تو
اگر میرے ساتھ تم رکو تو

عاصمہ سلیم: کی ڈائری سے ایک غزل

ایک بارش نہیں رہی مجھ میں
اور کوئی نہیں کی مجھ میں
میں کھلے ذہن کا مسافر تھا
پر جو زنجیر آ پڑی مجھ میں
رات اک خواب کا سا عالم تھا
جب وہ بیدار ہو گئی مجھ میں
چاہتی ہے کہ زور سے چیخوں
خاموشی چیختی ہوئی مجھ میں
شب گئے در نیا کھلا کوئی
اور کچھ دھول سی اڑی مجھ میں
اور پھر تو ملا مقدر سے
اور پھر روشنی ہوئی مجھ میں

ناصرہ حسین: کی ڈائری سے ایک غزل

عمر بھر اس نے اسی طرح لبھایا ہے مجھے
وہ جو اس دشت کے اس پار سے لایا ہے مجھے
کتنے آئینوں میں اک عکس دکھایا ہے مجھے
زندگی نے جو اکیلا کبھی پایا ہے مجھے
تو میرا کفر بھی ہے تو میرا ایمان بھی ہے
تو نے لوٹا ہے مجھے تو نے بسایا ہے مجھے
میں تجھے یاد بھی کرتا ہوں تو جل اٹھتا ہوں
تو نے کس درد کے صحرا میں گنوایا ہے مجھے

تو وہ موتی کہ سمندر میں بھی شعلہ زن تھا
میں وہ آنسو کہ سرِ شاخ گرایا ہے مجھے
میری پہچان تو مشکل تھی مگر یادوں نے
زخم اپنے جو کریدے ہیں تو پایا ہے مجھے
اے خدا اب تیرے فردوس پہ میرا حق ہے
تو نے اس دور کے دوزخ میں جلایا ہے مجھے

سعدیہ وہاب: کی ڈائری سے ایک نظم

اسی ایک خواب میں آج تک
میں بندھا ہوں آس کے جال میں
کوئی شہر یار وفاؤں کا
کبھی آئے عشق کے تخت پر
مجھے مجھ سے چھین کے لے چلے
کہیں دور شہر جمال میں
میرے سرد جسم کو ڈھانپ دے
وہ سلگتی سانسوں کی شال میں
جہاں میں ہوں اس کے جواب میں
جہاں وہ ہو میرے سوال میں
نہ ہو ایک بھی سانس کا فاصلہ
جہاں اس کے میرے وصال میں

افشاں اشرف: کی ڈائری سے ایک غزل

بارش ہے آنسوؤں کی زمیں پر جھڑی ہوئی
پھر بھی ہے دل میں درد کی ندی چڑھی ہوئی
باقی تمام عمر بچھڑنے کی بات تھی
ملنے کی گفتگو تو گھڑی دو گھڑی ہوئی
یہ راہ تو چنی تھی جدائی کے واسطے
یہ آرزوئے وصل کہاں آ کھڑی ہوئی
یہ راہ کی نہیں یہ مقدر کی بات ہے
منزل چنی ہے جو وہی منزل کڑی ہوئی
اس کے لئے تو راہ وفا چاہیے عدیم
ہر راہ میں نہیں ہے محبت پڑی ہوئی

شمازیہ نواب: کی ڈائری سے

ہاں اے دل دیوانہ
وہ آج محفل میں
ہم کو بھی نہ پہچانا
کیا سوچ لیا دل میں
کیوں ہو گیا بیگانہ
ہاں اے دل دیوانہ
وہ آپ بھی آتے تھے
ہم کو بھی بلاتے تھے
کس چاہ سے ملتے تھے
کیا پیار جتاتے تھے
کل تک جو حقیقت تھی
کیوں آج ہے افسانہ
ہاں اے دل دیوانہ
بس ختم ہوا قصہ
اب ذکر نہ ہو اس کا
وہ شخص وفا دشمن
اب اس سے نہیں ملنا
گھر اس کے نہیں جانا
ہاں اے دل دیوانہ
ہاں کل سے نہ جائیں گے
پر آج تو ہو آئیں
اس کو نہیں پا سکتے
اپنے ہی کو کھو آئیں
تو باز نہ آئے گا
مشکل تجھے سمجھانا
وہ بھی تیرا کہنا تھا
یہ بھی تیرا فرمانا
ہاں اے دل دیوانہ

☆☆☆

افراح طارق

مٹن کڑاہی

اشیاء

بکرے کا گوشت	آدھا کلو (کیوبز کاٹ لیں)
آلو	تین عدد
ادرک (کٹی ہوئی)	دو چائے کے چمچے
لہسن	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
دار چینی	تین ٹکڑے
الائچی	تین عدد
لونگ	چار عدد
ہلدی پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پانی	آدھا کپ
پیاز (بڑے سائز کی)	دو عدد
ٹماٹر	ایک کپ
ٹماٹر	ایک کپ
(باریک چوپ کیے ہوئے)	
شکر	آدھا چائے کا چمچہ
آلو	تین عدد
ل	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا	چار کھانے کے چمچے
گرم پانی	ایک کپ

ترکیب

گوشت میں ہلدی لگا کر اسے پانی سے اچھی طرح دھو کر اس میں نمک، لہسن، ادرک، دھنیا پاؤڈر، دار چینی، الائچی، لونگ، ہلدی پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر اور زیرہ پاؤڈر شامل کر لیں، ایک ساس پین میں تیل گرم کریں، اس کے بعد اس میں سلائس کی ہوئی پیاز ڈال کر گولڈن براؤن ہونے تک اسے فرائی کریں، مصالحہ لگا کر گوشت ساس پین میں ڈال کر چمچہ چلائیں اور آدھا کپ پانی ڈال کر درمیانی آنچ پر گوشت کو تیس منٹ تک پکائیں، ٹماٹر اور شکر شامل کر کے چمچہ چلائیں اور تقریباً دس منٹ تک ٹماٹروں کا پانی خشک ہو جانے تک پکائیں۔

آلو اور گرم پانی ڈال کر پندرہ منٹ تک ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں، آلو کے گل جانے کے بعد کری کو سروِنگ ڈش میں نکال کر ہرا دھنیا چھڑک کر گارنش کریں۔

مزے دار مٹن کری تیار ہے، اسے سادہ چاولوں، روٹی یا پوری کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

اسپائسی منٹ بیف

اشیاء

گوشت	آدھا کلو (ہڈی والا)
پودینہ	ایک گٹھی
ادرک لہسن پیسٹ	آدھا کھانے کا چمچہ
پیاز (بڑی)	ایک عدد (سلائس
کاٹ لیں)	
ہری مرچیں	چھ عدد
دہی	ایک کپ
کالی مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ

ہرا دھنیا	ایک گٹھی
سفید سرکہ	دو چائے کے چمچے
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھا کپ

ترکیب

پودینہ، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، کالی مرچ، ادرک، لہسن کو پیس کر باریک پیسٹ بنالیں، اس کے بعد اس کو گوشت میں اچھی طرح ملالیں، بوگوشت میں نمک، گرم مصالحہ، دہی اور سرکہ شامل کریں، پوری رات یا ایک دن کے لئے فریج میں رکھیں، (خیال رہے کہ جتنی دیر میری نیٹ ہو گا اتنا ہی مزے دار ہوگا) پکانے سے پہلے دیگچی میں تیل گرم کریں اور پیاز گلابی کریں، اس میں میری نیٹ کیا ہوا گوشت مصالحے سمیت ڈال دیں، تیس سے پینتیس منٹ ہلکی آنچ پر پکنے دیں، جب دہی کا پانی خشک ہو جائے تو اچھی طرح بھون کر کچھ دیر دم دیں، مزے دار منٹ بیف تیار ہے، ڈش میں نکال کر پودینے کے پتوں سے گارنش کرکے پراٹھوں کے ساتھ پیش کریں۔

نہاری

اشیاء

گائے کا گوشت	تین کلو
(بونگ مع ہڈی، نلی گودے والی)	
آٹا	آدھی پیالی
سونٹھ	دو تولہ
سونف	ایک تولہ
سفید زیرہ	ایک تولہ
پیاز	دو عدد بڑے
لہسن ادرک پیسٹ	چار چائے کے چمچے
جائفل	ایک عدد
جاوتری	تین چار پتیاں
کوکنگ آئل	دو کپ
دہی	آدھا کلو
نمک، مرچ	حسب ضرورت
ہلدی، گرم مصالحہ	حسب پسند
گھی	آدھا کپ

ترکیب

تیل خوب گرم کریں، اس میں گوشت ڈال کر ذرا دیر کو بھون کر نمک، سرخ مرچ، لہسن، ادرک وغیرہ ڈال کر پانچ منٹ تک بھونیں اور دو گلاس پانی ڈال کر گلالیں۔

جب پانی خشک ہو جائے تو سونف، پیاز اور سونٹھ پیس کر ملالیں۔

اب کچھ دیر کے بعد گرم مصالحہ، جائفل اور جاوتری پیس کر دہی میں ملا کر گوشت میں شامل کر دیں۔

مزید پانچ منٹ بھون کر اس میں مناسب مقدار میں پانی ڈال کر شوربا پکائیں، اب اس پکتے ہوئے شوربے میں آدھے گلاس پانی میں آٹا گھول کر پکتے ہوئے گوشت میں ڈال کر شوربا مناسب گاڑھا کرلیں، جب حسب منشا سالن تیار ہو جائے تو گھی میں پیاز، ثابت سرخ مرچ کا بگھار دیں اور آدھا کپ باریک کٹا ہوا سبز دھنیا ڈال کر چولہا بند کرکے ڈھک دیں اور دس منٹ بعد گرم گرم تنوری روٹیوں کے ساتھ نوش فرمائیں۔

کڑاہی تکہ

اشیاء

گوشت (بغیر ہڈی کا)	آدھا کلو
پیاز	آدھا کلو
لہسن	ایک پوتھی
ادرک	ایک ٹکڑا
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ

ہری مرچ	چار عدد
سوکھا دھنیا	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	آدھا پاؤ
گھی	آدھا پاؤ
نمک	حسب ذائقہ
سرخ مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب

ادرک اور پیاز کے علاوہ سب مصالحے پیس کر دہی میں ملالیں، اب ایک دیگچی میں گھی ڈالیں اور ادرک پیاز کو پیس کر اس گھی میں اچھی طرح بھونیں، جب براؤن ہو جائے تو گوشت کے ٹکڑے ڈال دیں اور خوب بھون کر دو پیالی پانی ڈال کر ڈھکنا بند کر دیں، جب گوشت گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو گوشت کو ہلکی آنچ پر خوب بھونیں، جب گھی نکل آئے اور صرف مصالحہ رہ جائے تو اتارلیں، کڑاہی تکہ تیار ہے۔

چیری کیک

اشیاء

مکھن یا مارجرین	سو گرام
باریک پسی ہوئی شکر	سو گرام
انڈے	دو عدد
ونیلا ایسنس	چند قطرے
میدہ	ایک سو پچاس گرام
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
چیری	پچھتر سے سو گرام
دودھ	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب

مکھن میں شکر ملا کر اچھی طرح پھینٹ لیں، حتیٰ کہ یہ کریم کی شکل اختیار کرلے، انڈوں کو پھینٹ کر مکھن کے آمیزے میں ملائیں اور ہلکے ہلکے پھینٹیں۔

ونیلا ایسنس کے چند قطرے ملائیں، میدہ اور بیکنگ پاؤڈر کو ملا کر اچھی طرح گوندھ لیں، اس میں چیری ملا دیں، چیری کے دو ٹکڑے کرکے میدے میں لپیٹ کر اس آمیزے میں ڈال دیں، اگر زیادہ چپک رہی ہوں تو انہیں ٹھنڈے پانی سے دھو کر خشک کرلیں، دودھ ملا دیں، اب آمیزے کو سانچے میں ڈال کر اوون میں بیک کر لیں۔

325 تا 350 فارن ہائٹ یا 170 تا 180 سینٹی گریڈ پر سوا تا ڈیڑھ گھنٹے میں تیار ہوگا۔

اسکاٹس ٹرائفل

اشیاء

اسفنج کیک	چار عدد
رس بھری جام	دو یا تین چائے کے چمچے
پانی	تین چائے کے چمچے
کیک رس	چھ عدد
کسٹر شوگر	پچھتر سے سو گرام
کشمش	پچاس گرام
بادام	پچیس گرام
انڈے	دو عدد
انڈوں کی زردی	دو عدد
دودھ	سات سو ملی لیٹر
لیموں کے چھلکے	کٹے ہوئے
ونیلا ایسنس	چند قطرے

ترکیب

اسفنج کیک کاٹ کر درمیان میں جام بھر کر سینڈوچ بنائیں، سرونگ ڈش میں رکھ دیں اور کیک رس کی تہہ بھی لگا دیں

پانی اور پچاس گرام شکر ملا کر گرم کریں کہ شکر اس میں حل ہو جائے، اسفنج کیک پر ڈال دیں، کشمش اور کٹے ہوئے بادام چھڑک دیں، انڈوں اور انڈوں کی زردی کو بقیہ شکر کے ساتھ ملا کر پھینٹیں، گرم دودھ، لیموں کے چھلکے اور

ایسنس کے قطرے ملا کر کسٹرڈ کی طرح پکالیں، (گٹھلیاں نہ پڑنے پائیں)
ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیں، بعد ازاں لیموں کے چھلکے نکال لیں اور اسفنج کیک پر ڈال دیں، ٹھنڈا کر کے کریم اور دیگر لوازمات سے سجا دیں، بیک کرنے کے بعد ٹھنڈا ہونے کے لئے سجا کر رکھ دیں، ٹھنڈا ہونے پر جام اور آئسنگ شوگر سے ڈیکوریٹ کر دیں۔

چکن وجنیبل

اشیاء

بون لیس چکن	ایک کپ
مکھن یا مارجرین	آدھا کپ
آلو	دو درمیانے سائز کے کٹے ہوئے
ہری پیاز	ایک عدد
مٹر (ابلی ہوئی)	چار اونس
مشروم (سالم)	چھ عدد
مرغی کی یخنی	ایک کپ
ہرے دھنیے کی پتیاں	دو چمچہ
میدہ	ایک چمچہ
کریم	آدھا کپ
لہسن (باریک کٹا ہوا)	آدھا چمچہ
گاجریں (ابال کر چوکور کاٹ لیں)	دو عدد
مسٹرڈ پاؤڈر	آدھا چمچہ
نمک، کالی مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب
مکھن کو بھاری پیندے والی پتیلی میں ڈال کر گرم کر لیں، اس میں لہسن اور چکن ڈال دیں، ہلکی آنچ پر براؤن ہونے تک پکائیں، پھر اس میں مشروم اور پیاز ڈال کر ایک سے دو منٹ تک پکائیں پھر اس میں میدہ ڈال کر دو سے تین منٹ تک فرائی کریں، پھر اس میں آہستہ آہستہ مرغی کی یخنی اور کریم ڈال کر پکائیں، اس کے بعد اس میں ابلے ہوئے آلو، گاجر اور مٹر ڈال کر چند منٹ کے لئے دم دیں، برتن کو چولہے پر سے ہٹالیں، آخر میں اوپر سے ہرا دھنیا باریک کتر کر ڈالیں اور گرم گرم پیش کریں۔

بھیڑ کا گوشت انڈے کے ساتھ

اشیاء

بھیڑ کا گوشت	اٹھ گرام کے دو ٹکڑے
سفید بینگن، کٹے ہوئے	دو عدد
تیل	پچیس گرام
لہسن (کٹا ہوا)	تیس گرام
گرم مصالحہ	تین گرام
لال مرچ پاؤڈر	دو گرام
ہلدی پاؤڈر	ایک گرام
دہی	دس گرام
لیموں کا جوس	ایک عدد
ہرا دھنیا	آدھی گڈی
پیاز (تلی ہوئی)	دس گرام
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب
گوشت کو لہسن، دہی، نمک اور لیموں کے جوس میں ملالیں، اوون کو 225 ڈگری سینٹی گریڈ پر گرم کر لیں، پھر اس میں ملایا ہوا گوشت ڈالیں، اس میں لال مرچ پاؤڈر، گرم مصالحہ، ہرا دھنیا اور تلی ہوئی پیاز شامل کر کے اس وقت تک پکائیں جب تک گوشت نرم نہ ہو جائے، دوسری طرف گول کٹے ہوئے بینگنوں میں نمک اور ہلدی پاؤڈر لگا کر گولڈن ہونے تک گرل کر لیں، ڈش کو مہمانوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے پلیٹ کے درمیان گوشت رکھیں اور اس کے سائیڈوں میں بینگن رکھ دیں اس کے اوپر سے گوشت کا رس اور ٹھنڈی دہی ڈال دیں۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!
دسمبر کے شمارے کے ساتھ حاضر خدمت ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔
مصروف زندگی کی ہماہمی میں دوڑتے بھاگتے، خواہشوں کا پیچھا کرتے وقت کب اور کیسے ہاتھ سے نکل جاتا ہے پتا ہی نہیں چلتا، ابھی کل ہی کی بات لگتی ہے کہ 2014ء کا آغاز ہوا تھا اور اب اختتام بھی آن پہنچا، کچھ ہی دن گزرے گیں اور یہ سال بھی ماضی کا حصہ بن جائے گا، دن، ہفتے، ماہ سال یونہی زندگی کی بے ثباتی کا احساس دلاتے گزرے کل کا حصہ بنتے جاتے ہیں قافلہ حیات یونہی رواں دواں رہتا ہے، نئی منزلوں کو سر کرنے کی کوششیں، مزید کی خواہش، انسان کو دوڑائے رکھتی ہے اور اسی تگ و دو میں انسان یہ بھول جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے کتنا قیمتی خزانہ پھسلتا جا رہا ہے۔
دکھ، سکھ، غم، خوشی، طاقت، اقتدار، شہرت اس فانی زندگی میں کچھ بھی تو ابدی نہیں، جو کل تھا وہ آج نہیں جو آج ہے وہ کل نہیں ہوگا، اس کائنات میں تبدیلی کا قانون اٹل ہے، مختصر سی مہلت عمل ہے، جو انسان کو دی گئی ہے، زندگی کتنی بھی طویل ہو، پیچھے مڑ کر دیکھو تو خواب لگتی ہے، اس بھاگتی دوڑتی زندگی میں حاصل زیست وہی لمحات ہیں جو نیکی اور دوسروں کی بھلائی میں صرف ہوں، توازن، ایثار، خلوص، میل محبت ہی زندگی کا حسن ہیں، دوسروں کے لئے سوچنے والے، انہیں عزت دینے والے زندگی میں کبھی ناکام نہیں ہوتے۔
حاصل ضرب صرف یہ ہے کہ اس فانی دنیا میں کچھ بھی مستقبل نہیں، ہاں یہ طے ہے کہ اختتام اٹل ہے۔
ایک با مقصد زندگی اور اچھے اعمال ہی روشنی ہے ورنہ تو انسان ہے ہی خسارے میں۔
دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اس پاک وطن اور اس میں بسنے والوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اس کو صالح، ہمدرد اور بہترین قیادت نصیب فرمائے، ایسی قیادت جو اس دور میں ابن خطاب کی روایات کو زندہ کر دے آمین۔
آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں اس عہد کے ساتھ، درود و پاک، استغفار اور تیسرا کلمہ کو اپنی زندگی کا لازمی جز بنائے رکھنا ہے تاکہ نہ صرف زندگی کے معاملات بلکہ آخرت میں بھی کامیابی ہمارا مقدر ٹھہرے آمین۔
لیجئے اب ہم آن پہنچے وہاں جہاں آپ کی محبتیں، خلوص، قیمتی رائے، تعریف اور تنقید خطوط، ای میلز اور فون کے ذریعے ہم تک پہنچتی ہیں۔
یہ پہلا خط ہمیں شاہینوں کے شہر سرگودھا سے اُم ہانیہ کا موصول ہوا ہے، اُم ہانیہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔
نومبر کا شمارہ اس بار جلد موصول ہو گیا ٹائٹل

... اعلیٰ تھا، سردار صاحب کی باتوں پر سر دھنتے آگے بڑھے، حمد و نعت اور پیارے نبیﷺ کی پیاری باتوں سے مستفید ہوئے، انشاء جی کے انشاء نامہ نے بے ساختہ چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی، مدیحہ تبسم کا مکمل ناول ''اداس رستہ ہوں شام کا'' بے حد پسند آیا، مدیحہ بہت عرصے کے بعد آئیں اور چھا گئیں، مدیحہ جی پلیز اب آتی رہیے گا، آپ کی تحریروں کا مجھے شدت سے انتظار رہتا ہے، سعدیہ عابد کی تحریر لمبے وقفے کے بعد نظر آئی، سعدیہ نے اچھا لکھا، لیکن سعدیہ آپ کی تحریروں میں کوئی خاص فرق دیکھنے میں نہیں آیا جو آپ کی تحریریں شروع میں شائع ہوئیں ان میں اور اس تحریر جو نومبر 2014ء میں شائع ہوئی تقریباً ایک سی ہے کیوں؟ تیسرا مکمل ناول ثمینہ بٹ کا تھا ''جیت ملی مات کے ساتھ'' ناول کا ٹائٹل بے حد خوبصورت تھا مگر تحریر پر مصنفہ کی گرفت خاصی کمزور تھی یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک بندی کو آپ نے کوئی خوشی ہی نہیں دی، معذرت کے ساتھ، تحریر میں بہت سی خامیاں ہیں، پلیز ثمینہ جی اس طرف توجہ دیں، پڑھنے والوں کی زندگی میں ویسے ہی بڑے پرابلم ہوتے ہیں اس پر آپ لوگوں کی ایسی تحریریں ان کو مزید ڈپریشن میں دھکیل دیتی ہیں۔

سلسلے وار ناول ''اک جہاں اور ہے'' میں سدرۃ المنتہیٰ نے کبیر بھائی کو مار دیا کیوں؟ ایسی کیا آفت آئی تھی جو اتنے اچھے انسان کو آپ نے اتنی جلدی مار دیا، باقی کہانی اچھی جا رہی ہے، اُم مریم کا سلسلے وار ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' مریم بڑی خوبصورتی سے کرداروں کے ساتھ انصاف کر رہی ہے بعض جگہ تو سانس روک کر پڑھنا پڑتا ہے کہ کہیں جہان زینب کے ساتھ کچھ غلط نہ کردے، دیکھیں انا میں آ کر، مگر پھر تراشے کا ایثار دیکھ کر یقین ہوا کہ اتنی اچھی بندی زینب کی زندگی ایک بار پھر تباہ ہونے نہیں دے گی، ناولٹ میں عزہ خالد کی تحریر پسند آئی، مبشرہ انصاری کا ناولٹ ''وہی سب کچھ تھا'' پڑھ کر احساس ہوا ابھی انہیں مزید محنت کی ضرورت ہے، افسانوں میں سبھی مصنفین نے اچھا لکھا، خاص طور پر تسکین زاہد کا ''محبت کی اترن'' بے حد پسند آیا۔

چٹکیاں میں شگفتہ شاہ بڑی خوبصورتی سے کم الفاظ میں بڑے بڑے مسائل کو بیان کرتی ہے اور بات میں وزن بھی ہوتا ہے، مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح بہترین تھے۔

اُم ہانیہ کیسی ہو؟ ڈیئر مدیحہ سے آپ کا شکوہ ہے کہ وہ طویل عرصے کے بعد آئیں، تو محترمہ پہلے آپ تو بتائیں کہ آپ اتنا عرصہ کہاں غائب رہیں، چار کلر سے خط لکھنے کا انداز تو آج بھی آپ کا وہی ہے، نومبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تعریف اور تنقید مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں، آئندہ ماہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

ثوبیہ اعوان: منڈی بہاؤ الدین سے لکھتی ہیں۔

نومبر کا شمارہ آٹھ تاریخ کو ملا ٹائٹل اس ماہ پسند نہیں آیا، پچھلے کچھ عرصہ سے حنا کے ٹائٹل بہترین نظر آ رہے تھے مگر اس بار کوئی خاص توجہ نہیں نظر آئی ادارے کی اس طرف۔

خیر آگے بڑھے ''کچھ باتیں ہماریاں'' پڑھیں، سردار صاحب کی باتوں کو دل سے پڑھا آگے بڑھ کر اسلامیات والے حصے میں پہنچے، حمد و نعت اور پیارے نبیﷺ کی پیاری باتوں سے ایمان کو تازہ کیا، انشاء نامہ ہمیشہ کی طرح زبردست تھا، اس کے بعد ایک دن حنا کے ساتھ میں عائشہ ناز سے ملے، عائشہ کا انداز بیان پسند آیا، ان کی

تحریروں کی طرح، اس کے بعد سلسلے وار ناولوں کی طرف بڑھے، سب سے پہلے اُم مریم کے آخری جزیرے میں پہنچے، دو ماہ کے بعد بے صبری تو بنتی تھی نہ اس ناول کو پڑھنے کی، ویل اُم مریم آپ کا انداز تحریر بے حد اچھا ہے، ہر کردار سانس لیتا محسوس ہوتا ہے اور کردار ہی کہانی کا اہم حصہ کردار دکھائی دیتا ہے اللہ کرے کہ اینڈ بھی اچھا ہی ہو، سدرۃ المنتہیٰ کا ''اک جہاں اور ہے'' میں سدرۃ کی تحریر خاصی الجھی سی ہے مجھے ابھی تک کہانی سمجھ میں نہیں آئی، دیکھتے ہیں آگے چل کر، ہالار، امرت، کبیر بھائی، فنکار یہ سب مل کر کیا ماحول بناتے ہیں، ناولٹ میں عزہ خالد اور مبشرہ انصاری دونوں ہی نئے نام نظر آئے۔

عزہ خالد کی تحریر میں جان تھی جب کہ مبشرہ انصاری کی ناولٹ وہی سب کچھ تھا، کچھ کچھ فلمی سانحہ بلکہ اچھی خاصی فلمی سٹوری تھی، مکمل ناول اس کی بار یعنی تین تھے سب سے پہلے بات ہو جائے مدیحہ تبسم کی، مدیحہ قارئین آپ سے طویل تحریر کی فرمائش کرتے ہیں اور آپ نے اس مرتبہ طویل مکمل ناول لکھ کر سب کو خوش کر دیا، آپ کا سا انداز تحریر اب بہت کم نظر آتا ہے، کزنز کی نوک جھونک بڑا مزہ دیتا ہے لیکن مصنفین اب اس پر قلم اٹھاتی نظر ہی نہیں آتیں، بہرحال آپ کی تحریر بے حد پسند آئی، ہم آئندہ بھی آپ سے ایسی تحریروں کو توقعات باندھ رہیں ہیں، ثمینہ بٹ کا ناول، ''جیت ملی مات کے ساتھ'' ثمینہ بی عجیب سی کہانی، کیا کوئی باپ اتنا ظلم کر سکتا ہے اپنے بچوں پر، پھر اتنے چھوٹے بچوں بنا کسی ایڈریس کے خالہ کے گھر کی تلاش میں نکلنا اور وہی فلمی انداز میں خالہ کا ملنا، بہرحال کوشش اچھی تھی آپ کی، یقیناً آگے چل کر ہمیں آپ کی زیادہ اچھی تحریریں پڑھنے کو ملیں گی، ہم ٹھہرے

کے اعلیٰ کردار، سعدیہ عابد نے بھی اچھا لکھا اگرچہ کہانی میں کہیں کہیں کافی جھول تھی مگر پھر بھی دلچسپی برقرار رہی، افسانوں میں ''میرے گمشدہ'' قراۃ العین خرم ہاشمی اور تسکین زاہد کا اترن بہترین تھے جبکہ ارم حنیف اور روبینہ سعید کی تحریر بھی پسند آئی۔

مستقل سلسلے میں چٹکیاں کا سلسلہ ہمیشہ کی طرح شاندار تھا، حاصل مطالعہ میں رضوانہ عمران، انجم شاہد اور زیبا منصور کا انتخاب بہترین تھا بیاض میں بھی دوستوں کی پسند بہترین تھی۔

حنا کی محفل کی تو کیا ہی بات ہے، دستر خوان چٹ پٹا تھا، میری ڈائری سے، تحسین اختر، کنول نعمان اور فوزیہ غزل کی پسند اعلیٰ ترین تھی۔

کس قیامت کے یہ نامے فوزیہ آپی کی محبتوں کو مٹھاس سے ہمیشہ کی طرح لبریز تھے آپ نے عائشہ گل کے لئے جتنی محبت سے اس محفل میں جگہ بنائی اسی چیز نے مجھے آپ کی اس محفل میں آنے پر مجبور کیا، مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے بھی اس محفل میں زیادہ نہ سہی تھوڑی سی جگہ تو ضرور دیں گی۔

ثوبیہ اعوان خوش آمدید، ڈیئر سب سے پہلے تو اپنے دائیں بائیں دیکھو کتنی جگہ بنائی ہے، دوستوں نے آپ کے لئے، جو جگہ ہمارے دلوں میں ہے اس کا تو پوچھیے ہی نہ، آپ سے تو ہمیں انسیت کچھ اس لئے بھی زیادہ محسوس ہو رہی ہے کہ آپ وطن عزیز کے اس شہر سے آئی ہیں جہاں ہماری پیاری نٹ کھٹ سی مصنفہ کنول ریاض رہتی ہیں، ایک مرتبہ پھر خوش آمدید، نومبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، جہاں آپ کی پسندیدگی ہمارا حوصلہ بڑھاتی ہے کہ ہم قارئین کی توقعات پر پورا اتر رہے ہیں وہیں آپ کی تنقید ہمیں اپنے کام میں مزید بہتری لانے کی لگن پیدا کرتی ہے اسی

لئے حنا کا ادارہ ہو یا مصنفین سب آپ کی تعریف وتنقید کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں، اس ناراضگی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، آپ کی رائے ہمیں پسند آئی ہم آئندہ بھی آپ کی محبتوں اور تبصرے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

عابد محمود:۔ ملکہ ہانس سے کافی عرصے کے بعد اس محفل میں آئے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

ڈیئرسٹ آپی! پرخلوص دعاؤں کے ساتھ ایک طویل عرصہ بعد حنا کی محفل میں دوبارہ شامل ہونے کی جسارت کر رہا ہوں امید ہے جگہ ملے گی نومبر کا شمارہ دیدہ زیب سرورق کے ساتھ سجا ملا ہمیشہ کی طرح انکل سردار محمود کی باتیں دل کے نہاں خانوں میں اتر گئیں، حمد ونعت اور پیاری باتیں پڑھ کر دلی طروات محسوس ہوئی، ایک دن حنا کے ساتھ میں حنا کی رائٹر عابی ناز سے ملاقات خوب رہی، طویل تحریروں میں میرے گمشدہ (قرۃ العین خرم ہاشمی) ہم کے ٹھہرے اعلیٰ کردار (سعدیہ عابد) محبت کی اترن، (تسکین زاہد خان) ابھی کچھ دیر ہے، (عزہ خالد)

وہ ہی سب کچھ تھا (مبشرہ انصاری) اور ''جیت ملی مات کے ساتھ'' ثمینہ بٹ بے حد پسند آئیں ان کے رائٹرز کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں خطوط کے اس کالم کے آغاز پر فوزیہ آپی آپ نے ٹھیک کہا ہے کہ زندگی میں سب سے انمول تحفہ خلوص اور محبت کا ہے، کاش ہم اس بات کو سمجھ لیں اور کدورتوں اور نفرتوں کو اپنے آپ سے دور رکھتے ہوئے لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھنے کا ہنر سیکھ لیں۔

بھائی عابد محمود کہاں رہے آپ اتنا عرصہ؟ ایک وقت تھا ہر ماہ آپ کی تحریریں اور رائے باقاعدگی سے ملا کرتی تھی، نومبر کے شمارے کے لئے پسندیدگی کا شکریہ، آپ کا انتخاب لیٹ موصول ہونے کی وجہ سے شائع ہونے سے رہ گیا، انشاء اللہ اگلے ماہ شائع کیا جائے گا شکریہ۔

ذوبیہ احمد کی ای میل سیالکوٹ سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

نومبر کا شمارہ بے حد پسند آیا، حمد ونعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح اے ون تھیں، انشاء نامہ بھی خوب تھا، عابی ناز نے ایک بھرپور دن حنا کے ساتھ گزارا، مکمل ناول تینوں ہی اس بار بہترین تھے، خصوصاً مدیحہ تبسم کی تحریر بے حد مزے کی تھی جبکہ سعدیہ عابد اور ثمینہ بٹ نے اچھی کوشش کی، ناولٹ میں دونوں رائٹرز نے اچھا لکھا، افسانے بھی اس بار بہترین تھے، رہی بات سلسلے وار ناولوں کی تو اُم مریم نے اب کرداروں کو سمیٹنا شروع کر دیا ہے یعنی وہ کہانی کو اینڈ کی طرف لا رہی ہیں، امید ہے اس کا اینڈ وہ اچھا ہی کریں گی، مستقل سلسلے ایک سے بڑھ کر ایک تھے، مجموعی طور پر نومبر کا شمارہ پرفیکٹ شمارہ تھا۔

ذوبیہ احمد! نومبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تعریف وتنقید مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں، آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆